

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ
(سورہ آلہٴ عَمّ 169)



سانحہ کربے بلا

ہے داستان دراز بھی اور دل گزار بھی

میاں محمد سعید شاد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝
(سورہ یوسف ۲۱: ۲۲)

سانحہ کرب و بلا

(بعض مخفی حالات کا انکشاف)

(بحوالہ اخبار الطوال از علامہ الدینوری رحمہ اللہ)

مؤلف

میاں محمد سعید شاد

سابق آفیسر محکمہ تعلیم پنجاب، لاہور

403/A رحمان پورہ کالونی - لاہور

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	:	سانحہ کرب و بلا
مصنف	:	میاں محمد سعید شاد (سابق آفیسر محکمہ تعلیم پنجاب، لاہور)
اشاعت اول	:	یکم جولائی 2008ء
زیر اہتمام	:	خدا بخش ایجوکیشنل سوسائٹی
قیمت	:	250:00 روپے
ملنے کا پتا	:	میاں محمد سعید شاد
	:	403/A رحمن پورہ کالونی، لاہور
	:	فون: 042-7561894
	:	سید احسان احمد گیلانی (خوشید گیلانی ٹرسٹ)
	:	فون: 0300-4265964

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
7	اعتذار	1
9	کتا بیات	2
11	انتساب	3
11	سانحہ کرب و بلا - گردش امتداد زمانہ	3.A
12	تعارف (محمد علی چراغ)	4
15	خمن ہائے گفتنی	5
23	فارمولا	6
24	سانحہ کرب و بلا کا حاصل	7
25	مرتبہ شہادت (القرآن)	8
26	دعا - از مؤلف	9

باب دوم

28	شخصیات و اماکن	10
31	سانحہ کرب و بلا کے قدیمی مؤرخین (حالات زندگی)	11

باب سوم

50	واقعہ کرب و بلا کے اصل محرکات، حالات واقعات ابوحنیفہ الدینوری (قدیمی اسلامی مؤرخ کی زبانی)	12
----	--	----

172	معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کی بیعت خلافت	33
174	زیاد بن ابیہ	34
178	حسن رضی اللہ تعالیٰ بن علی رضی اللہ تعالیٰ کی وفات	35
180	حضرت عمرو بن عاص اور امیر معاویہ کے مابین مکاتیب	36
185	معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کی وفات	37

باب پنجم

189	بیعت یزید	38
192	احمل کوفہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ	39
195	مسلم کوفہ میں	40
210	مسلم بن عقیل رضی اللہ تعالیٰ کا قتل	41
212	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کا کوچ کوفہ کی جانب	42
224	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ کا انجام	43
238	عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ	44

باب ششم

249	خوارج پر تلخیص ابلیس	45
	(امام ابن الجوزی رحمہ اللہ کی معروف کتاب تلخیص ابلیس کی روشنی میں)	

باب ہفتم

52	حضرت عثمان بن عفان کا دور خلافت	13
54	حضرت علی بن ابی طالب کی بیعت	14
59	جنگ جمل	15
75	جنگ صفین	16
106	عبداللہ بن بدیل کا قتل	17
110	عبداللہ بن عمر اور ذکوان کا قتل	18
116	ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص مرقال کا قتل	19
119	حوشب بن ذی ظلم کا قتل	20
132	وثیقہ حکیم	21
136	حکیم کے بعد اختلاف	22
142	حکموں کے فیصلے کا اعلان	23

باب چہارم

146	فتنہ خوارج	24
152	جنگ خوارج	25
162	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ کے آخری ایام	26
165	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ کی شہادت	27
168	قصاص	28
168	قتل معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کی کوشش صلح	29
169	عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ کے قتل کی کوشش	30
170	حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ کی بیعت	31
170	معاویہ رضی اللہ تعالیٰ کے عساکر کی پیش قدمی	32

زیر اہتمام خدا بخش ایجوکیشنل سوسائٹی

چک نمبر 17 پوسی تحصیل فیروز والا ضلع شیخوپورہ

قرآن کریم کی ترویج و تدریس اور اشاعت کے لیے مذکورہ بالا دینی درس گاہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ جہاں حفظ قرآن کے علاوہ دینی و دنیوی تعلیم کا خاطر خواہ بندوبست ہے۔ تمام اخراجات سوسائٹی برداشت کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ شعبہ نشر و اشاعت کے زیر انتظام بزرگان دین کے حالات زندگی اور خطبات کے علاوہ معاشرے کی اصلاح اور حالات حاضرہ پر تبصرہ سے متعلقہ سوسائٹی نے یہ کتابیں بھی شائع کرائی ہیں جو ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہیں (۱) خطبات شیر ربانی رحمہ اللہ شریعتی (۲) کتب رسول ﷺ اور اس کے عملی تقاضے (۳) طلع الہدٰی علیہا (نعتوں کا مجموعہ) (۴) سانحہ کرب و بلا (۵) لا اُؤب (۶) والیان ملک اور شیطان کا مکرو فریب (۷) مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا ہو تو بھی (۸) غذائی اجناس میں خود کفالت (۹) رشتہ ازدواج کا پہلا زینہ (۱۰) ارض موات، بجز قدیم سرکاری اراضی کی آباد کاری وغیرہ۔ مذکورہ کتابیں خود بھی خریدیں اور دوسروں کو خریدنے کی ترغیب بھی دیں تاکہ مذکورہ درس گاہ کی مالی اعانت ہو سکے۔

میاں محمد صدیق (SDO(R) واپڈالاہور

میاں محمد ارشد جتالا آف گلاسگو (برطانیہ)

میاں محمد سعید شاد (سابق آفیسر محکمہ تعلیم پنجاب لاہور)

(مولف کتب) انچارج شعبہ نشر و اشاعت

رابطہ آفس۔ 403/A رحمن پورہ کالونی فیروز پورہ لاہور

فون نمبر 042-7561894

اعتذار

مجھے اس امر کا پوری شدت سے اعتراف ہے کہ زیر نظر کتاب جس میں اسلامی تاریخ عالم کا ایک جہاں گداز اور روح فرسا واقعہ بیان کیا گیا ہے تالیف و تدوین کرنے کا ہرگز اہل نہیں۔ گویا ”چہ نسبت خاک را با عالم پاک“۔ ہر کتاب تخلیقی اور طبع زاد ہوتی ہے۔ خود پروردگار عالم نے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا ہے۔ اَلَمْ يَكُنْ ذٰلِكَ الْكِتَابَ لَا رَيْبَ فِيْهِ (آیت 2 سورہ البقرہ 2) پھر کھلے عام چیلنج دیا کہ جن و انس میں سے ہے کوئی جو ان جیسی تین آیات کی ایک سورت بنالائے خود یا دوسروں کی مدد سے۔ مگر قیامت تک ایسا ہرگز کوئی نہ کر پائے گا۔ یہ کتاب یعنی قرآن کریم انسانی زندگی بسر کرنے کے لئے ایک مکمل ضابطہ اخلاق ہے۔ جس میں سابق انبیاء کرام کے حالات و واقعات بیان فرمائے ہیں سورہ یوسف کو احسن القصص فرمایا۔ اسی طرح تخلیقی اوصاف اپنے بعض بندوں کو بھی عطا فرمائے۔ مگر ہر کوئی یہ کام نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ محترمی جناب ڈاکٹر جسٹس (ر) منیر احمد مغل صاحب نے فرمایا ہے ”تصنیف و تالیف کا ملکہ عطاء الہی کے بغیر محال ہے۔“ لہذا جب بھی کوئی کتاب تصنیف و تالیف کی جاتی ہے اس میں مستند حوالہ جات دے کر محض عوام کے اذہان و قلوب کو سیدھی راہ پر چلانا ہوتا ہے۔ یوں ہر کتاب بنیادی طور پر طبع زاد ہی ہوتی ہے۔ مگر یہ ضروری ہے کہ مختصر بہ اخلاق حوالوں سے اصل واقعات حالات کو چھپانا ہرگز جائز نہیں۔

2: اس کتاب کی تدوین و تالیف کی بڑی شدت سے تب محسوس ہوئی جب مجھے ابو

خلیفہ الدینوری کی کتاب اخبار الطوال کے مطالعہ کا موقع ملا۔ یہ کتاب دراصل شروع میں عربی زبان میں 1183ء میں تحریر ہوئی۔ نام کے اعتبار سے اس کے معنی ”طویل خبروں کی کتاب“ ہے۔ جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر بنو عباس کے خلیفہ معتمد ہاشمی تک کے مفصل تاریخی حالات و واقعات درج ہیں۔ من جملہ ازاں واقعہ کرب و بلا جس انداز اور وضاحت سے بیان کیا ہے معلوم ہوتا ہے یہ مؤرخ گویا اس کا چشم دید یا زمانہ قریب گواہ ہے اس لیے ان کا بیان تاریخی اعتبار سے قابل اعتماد دکھائی دیتا ہے۔ اس میں افسانوی رنگ ہے اور نہ قصہ گوئی ہے۔ جناب پروفیسر مرزا محمد منور (مترجم) نے دیا ہے میں کہا ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ گویا۔

تازہ خوانی داشتن گر دہائے سینہ را

گا ہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

3:- مترجم نے جا بجا عربی زبان میں حالات و واقعات بیان کئے ہیں اور اسی زبان میں متعدد اشعار بھی درج کیئے ہیں مگر بندہ نے زیادہ تر اردو ترجمہ کو ہی اختیار کیا ہے تاکہ کتاب کا حجم بڑھ کر عوام کی طبع نازک پر بوجھ نہ بنے چونکہ آج کل انہوں نے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر دھیان بھی دینا ہے۔

4:- انسان ہوں بھول چوک کا ہو جانا قدرتی بات ہے۔ اعتراض یا تنقید کی بجائے اصلاح احوال کا مشورہ میرے لئے حوصلہ افزائی کا سبب بنے گا۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیب مکرّم و محتشم مصلیٰ علیہ السلام اور شہدائے پاک کرب و بلا کے طفیل میری یہ کوشش اپنی بارگاہ میں منظور فرما کر خاتمہ ایمان کے ساتھ انجام بخیر فرمائے۔ آمین۔

دعا توفیقی لا باللہ۔ دعا گو دُعائو بندہ: میاں محمد سعید شاد۔ یکم جولائی 2008ء

کتابیات

قرآن مجید

1 ماخذ اعلیٰ

2 صحیح بخاری شریف

محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ

3 مسلم شریف

مسلم بن الحجاج قشیری رحمہ اللہ

4 مشکوٰۃ شریف

امام ولی الدین محمد بن عبد اللہ الخطیب

5 تفسیر ابن کثیر

امام حافظ عماد الدین ابن کثیر

6 تفسیر مظہری

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ

7 تفسیر نعیمی

مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمہ اللہ

8 ضیاء القرآن (جلد اول تا پنجم)

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ

9 تفہیم القرآن

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ

10 سیرت النبی ﷺ (جلد اول و دوم)

عبد الملک بن ہشام الکحیری رحمہ اللہ

11 سیرت النبی ﷺ (اول تا ہفتم)

علامہ شبلی نعمانی و علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

12 رحمة اللعالمین (اول، دوم، سوم)

محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ

13 سیرت رسول عربی

علامہ نور بخش توکلی رحمہ اللہ

14 سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

مولانا محمد نافع مدظلہ

15 کلیات اقبال (فارسی)

علامہ اقبال رحمہ اللہ

16 الکامل فی التاريخ

علامہ ابن اسیر رحمہ اللہ

17 طبقات ابن سعد

ابو عبد اللہ محمد بن سعد رحمہ اللہ

18 تاریخ طبری علامہ ابو جعفر محمد بن جریری الطبری رحمۃ اللہ علیہ

19 تاریخ ابن خلدون علامہ عبد الرحمن ابن خلدون

20 الاخبار القوال ابو حنیفہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ از پروفیسر مرزا محمد منور رحمۃ اللہ علیہ

21 اردو انسائیکلو پیڈیا فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

22 اردو جامع انسائیکلو پیڈیا شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور

23 شہادت حسین رحمۃ اللہ علیہ حافظ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

24 اسوہ حسنی شہید کر بلائی رحمۃ اللہ علیہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

25 تاریخ سیدنا حسین رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا سید حسن رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ دارالعلوم دیوبند

26 نام و نسب سید نصیر الدین نصیر گیلانی

گیلانی پبلشرز درگاہ گولڑہ شریف

27 تلخیص ابلیس امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ بغدادی

انتساب

۱

شہدائے کرب و بلا کے نام
سلام بعد ادب و احترام

۲

ہم سے رقم نہ ہو گئے قصیدے یزید کے
ہم لوگ تو حسین رحمۃ اللہ علیہ کے سیرت نگار ہیں
(مؤلف)

ساختہ کر بلا

گردش امتداد زمانہ۔

تو میں پیدا ہوتی ہیں، مٹ جاتی ہیں، بستیاں آباد ہوتی ہیں، اجڑ جاتی ہیں، تہذیبیں نکھرتی ہیں پھر دھندلا جاتی ہیں، شخصیتیں پیدا ہوتی ہیں، مرجاتی ہیں، داستانیں مرتب ہوتی ہیں، بھو ہو جاتی ہیں..... یہ عمل ابتداء آفرینش سے جاری ہے اور مسلسل جاری رہے گا لیکن یہ ایک داستان الم ایسی ہے، جو تاریخ کے صفحات میں آج بھی اسی طرح روشن اور تابندہ ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے تھی۔ امتداد زمانہ کی گردش اور انقلابات روزگار کی ہزاروں گردشیں اس داستان الم کو مٹانہ سکیں اور نہ رہتی دنیا تک مٹا سکیں گی۔

کیوں؟..... اس لیے کہ اس داستانِ عظیمہ کو لکھنے والی مقدس شخصیت نے اسے اپنے خونِ جگر سے لکھا اور دھبِ کرب و بلا کے دہکتے ہوئے ذروں نے اس تحریر کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔ تاریخِ عالم کے صفحات اس داستانِ عظیمہ کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں اگر کسی میں حوصلہ ہے تو اس آفتاب کے سامنے اپنا دیا جلا کر تو دکھائے۔ فاطمہؓ کے لُختِ جگر نے اپنے نانا کے مقدس دین کے احیاء کے لیے قربانی کا جو بے نظیر معیار قائم کیا، کوئی اس کی مثال تو ڈھونڈ کے لائے! اقلیلِ جادۂ حق و صداقت نے کمالِ صبر و استقامت سے ان آزمائشوں کو طے کیا جنہیں اللہ رب العزت نے اپنے ابدی پیغام میں متعین کیا۔

اے سنگلاخِ زمین! یہ تیری پیٹھ پر کیسا بھیانک کھیل کھیلا گیا اور تو ساکن رہی!

تجھ سے زلزلے کیوں نہ پھوٹے؟ تو نے اپنے دامن کو جھٹک کر ان تنگ انسانیت سفاکوں سے پاک کیوں نہ کر دیا؟ کیوں نہ تیرا سینہ شق ہوا کہ تیری پشت کا یہ بوجھ تیرے پیٹ کی گہرائیوں میں ڈوب کر ختم ہو جاتا؟

بادلو! کیا تمہارے سوتے خشک ہو گئے تھے کہ تم سے کر بلا کے پیاسوں کی پیاس کا مداوانہ ہو سکا؟ تم نے پانی کے طوفان کیوں نہ الٹ دیے کہ بد بخت سپاہ کو بہا لے جاتے؟

ہواؤ! تمہارے وہ تند و تیز طوفان اور تھپڑے کہاں گئے، جس کی ایک جھلک تم نے جنگِ احزاب کے موقع پر دکھائی تھی؟ کیوں نہ اب بھی تم نے اعدائے حق کے خیموں کو تلپٹ کر دیا؟ کیوں نہ ان میں آگ لگا دی؟ کیوں نہ ان کی آنکھوں کو خاک آلود کر کے بینائی سے محروم کر دیا؟ بتاؤ! افلاک کے نیچے اس سے بڑا ظلم بھی کوئی اور ہو سکتا تھا؟ بتاؤ! تم خدائے ذوالجلال کو روزِ محشر کیا جواب دو گے؟

میاں محمد سعید شاد

لاہور

یکم جولائی 2008ء

تعارف

(مُبَر)

جناب محمد علی چراغ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ نیشنل بک فاؤنڈیشن میں بطور ایڈیٹر خدمات انجام دیتے رہے، آپ کم بیش 30 کتب کے مصنف ہیں جن میں پاکستانیات پر اکابرین تحریک پاکستان، تاریخ پاکستان، مطالعہ پاکستان، قرارداد پاکستان، پاکستان، تاریخ، ریاست، سیاست، آئین، پاکستان منزل بہ منزل، قائد اعظم کے مہ و سال، مادر ملت فاطمہ جناح ایک ہمہ جہت شخصیت وغیرہ اہم اور مشہور ہیں۔ انہوں نے حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ پر بھی بڑا وسیع کام کیا ہے۔ اس کے علاوہ متعدد اسلامی کتابوں کے بھی وہ مصنف ہیں۔ وہ ایک روشن خیال ادیب اور واضح افکار مصنف ہیں۔ (مؤلف)

تاریخ اسلام میں سانحہ کرب و بلا ایک ایسا ہمہ پہلو واقعہ ہے کہ اس کے مسلمانوں کی دینی، معاشرتی اور سیاسی زندگی پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔ واقعہ کربلا نے اسلامی سیاسی انتشار اور فکری پراگندگی کو عیاں کر کے رکھ دیا کہ جس کا آغاز حضرت امیر معاویہ کی زندگی ہی میں یزید کے بارے میں بیعت لینے سے ہو گیا تھا۔ کربلا کے حادثہ نے بد قسمتی سے امت مسلمہ میں دو مستقل گروہ پیدا کر دیئے جن میں سے ایک گروہ اہل بیت سے عقیدت اور محبت میں شدت رکھتا ہے اور دوسرا گروہ اس واقعہ کو اکابرین امت کی صرف اجتہادی غلطی قرار دیتا ہے۔ لیکن اس صورت حال کے باوجود بھی ہر مسلمان ہمہ وقت

اس واقعہ کے ساتھ قلبی، روحانی اور ذہنی وابستگی ضرور رکھتا ہے اور حق و باطل کے امتیاز کی خاطر ہر دور میں اس واقعہ کو کسوٹی بناتا ہے۔

واقعہ کربلا نے مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں بالخصوص خلافت و ملکیت کی وضاحت کرنے میں غیر مبہم کردار ادا کیا ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کے اظہار میں تائید حق اور تردید باطل کے جو معیار امت کو دیئے ہیں وہ سب کے لیے مشعل راہ بن گئے ہیں عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کو صحیح طور پر بروئے کار لانے اور اپنے سربراہوں کا ان کے کردار اور سیرت کے معیاروں پر انتخاب کرنے کا جواز عمل پیش کیا اور حق کے ساتھ اپنی وابستگی اور وارفتگی کو جس طرح سے نبھایا یہ صرف انہی کا حصہ ہے۔ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے راست اور ہر اعتبار سے دقیق موقف کو تلواروں کے سائے اور تیروں کی برسات کے دوران میں بھی بطور کلمہ حق فائق اور سر بلند رکھا۔ اس طرح خانوادہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزندان عظیم نے جام شہادت نوش فرما کر ووٹ کی اہمیت اور اس کے صحیح استعمال کو جو وقار بخشا وہ رہتی دنیا تک برقرار رہے گا۔

تذکرہ کرب و بلا اور ذکر حسین اور دیگر شہدائے وفا کا بیان بہر طور، ہر عہد اور ہر قوم میں ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اس سانحہ میں سارے واقعات جس ترتیب و توازن کے ساتھ رونما ہوئے سب مختلف حوالوں اور بھرپور شواہد سمیت موجود ہیں، انہیں ہر دور میں برائے موعظت اور رہنمائی کے لیے بطور آئین سیادت و سیاست اسلامی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اس لیے بھی اس واقعہ کا بار بار ذکر ضروری رہتا ہے۔

میاں محمد سعید شاد نے اس کتاب کو ایک کمال مہارت اور ہنرمندی کے ساتھ ترتیب دے کر واقعہ کربلا کو پیش کیا ہے۔

سانحہ کربلا کے موضوع پر یہ کتاب ایک بہترین دستاویز کا درجہ رکھتی ہے جس میں میاں محمد سعید شاد نے متعدد اہم اور معتبر تاریخی پاروں کو مجتمع کر کے ایک خاص حسن ترتیب سے پیش کر دیا ہے۔ اس تمام واقعہ میں جن شخصیات کا ذکر آیا ہے ان کے حالات زندگی درج کر کے مولف نے قارئین کرام کے لئے ایک طرف سے حوالہ جات کے لئے "Referance Book" تیار کر دی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔ آمین۔

(محمد علی چراغ)

لاہور: 17 جولائی 2007ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سخن ہائے گفتنی

(از مولف)

واقعہ کربلا قدیمی تواریخ کی روشنی میں:-

جگر گوشہ رسول ﷺ سید شباب اہل جنت حضرت حسینؑ اور آپ کی آل اولاد اور اصحاب کبار کی درد انگیز شہادت کا واقعہ کچھ ایسا نہیں جسے کبھی بھلایا جاسکے، نہ صرف مسلمان ہی بلکہ دوسرے مذاہب والے بھی اپنے دل میں ایک ڈکھ اور درد ضرور محسوس کرتے ہیں۔ اس سانحہ میں اہل نظر کے لیے بہت سی عبرتیں اور نصائح ہیں زیر نظر کتاب سے پہلے بھی متعدد مختصر اور مفصل کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ دنیا کی تاریخ کا ہر ورق حضرت انسان کے لیے عبرتوں کا مرقع ہے۔ تاریخ خود اپنی ذات میں کوئی مقصد نہیں رکھتی بلکہ ان نتائج و عواقب کی نشان دہی کرتی ہے جو اقوام عالم میں پیش آتے ہیں۔ تاکہ عبرت حاصل ہو اور اصلاح احوال کی سعی ہو۔

سیدنا و سید اہل الجنت حضرت حسین بن علیؑ کا واقعہ شہادت نہ صرف اسلامی تاریخ کا ایک نہایت اندوہناک واقعہ ہے بلکہ پوری دنیا کی تاریخ میں اسے ایک خاص اہمیت ہے۔ اس میں ایک طرف تو ظلم و جور اور سنگدلی، بے حیائی اور محسن کشی کے ایسے دردناک، ہولناک اور عبرت انگیز واقعات ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس کا تصور بھی ناممکن ہے اور دوسری طرف آل اطہار رسول ﷺ کے چشم و چراغ اور ان کے متعلقین

کی ایک چھوٹی سی جماعت کا باطل قوت کے مقابلہ میں ڈٹ جانا ثابت قدمی، قربانی اور جان نثاری کے ایسے محیر العقول واقعات ہیں جن کی نظیر تاریخ عالم میں ملنی ناممکن ہے اور آنے والی نسلوں کے لیے ہزاروں عبرتیں اور حکمتیں مخفی ہیں۔ واقعہ شہادت پر ہر مکتبہ فکر کے علماء نے خوب لکھا ہے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ اس دردناک اور غم ناک واقعہ کا بیان کرنا گویا دریائے خون میں داخل ہونا ہے۔ اس واقعہ کو لکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے مدد استعانت اور استقامت چاہئے۔ تاہم ان تمام حالات و واقعات جو اس سانحہ عظیم کا سبب بنے اور اس کے نتائج و عواقب مختصر مگر جامع انداز میں مستند تاریخی حوالہ جات اور روایات کی روشنی میں بیان کر کے خود مولف اپنے غم تازہ کرنے کی کوشش کی ہے بقول۔

باز خوانم قصہ پارینہ ات

تازہ سازم داغہائے سینہ ات

اقبالؒ (اسرار خودی)

آنحضرت ﷺ کی پیش گوئی:

لیکن انفس ہے کہ اسلام کا پہلے سا عظیم الشان دور زیادہ سے زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا اور رہتا بھی کس طرح؟ جب کہ آنحضرت ﷺ خود اپنی زبان حق ترجمان سے فرما چکے تھے۔ ”میری امت میں سب سے بہتر زمانہ میرا زمانہ ہے۔ پھر اس کے بعد والوں کا، پھر اس کے بعد والوں کا، پھر تمہارے بعد ایک قوم آئے گی، جو شہادت دے گی۔ حالانکہ اس سے شہادت طلب نہ کی جائے گی۔ یہ لوگ خائن ہوں گے امانت دار نہیں، یہ نذریں مانیں گے مگر انہیں پورا نہیں کریں گے اور ان میں موٹا پانچام

ہو جائے گا۔“ (صحیح بخاری) حافظ عماد الدین ابن کثیر نے طبرانی سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں جبری سلطنت کے بعض نشانات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تاریخ اسلام میں شروع سے اب تک جو کچھ انقلابات آئے ہیں اور طریق حکومت کے اعتبار سے جو جو تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں ان سب کا اجمالی خاکہ آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی دکھلادیا گیا تھا چنانچہ ارشاد ہے۔ ”اس حکومت کا آغاز رحمت و نبوت سے ہوا، پھر یہ رحمت اور خلافت ہوگی، اس کے بعد جبری سلطنت بن جائے گی۔ پھر یہ سرکشی، تشدد اور فساد فی الارض میں تبدیل ہو جائے گی۔ مسلمان بادشاہ ریشم اور شراب کو حلال کر لیں گے اور شہوت رانی میں مبتلا ہو جائیں گے ان کو اس کے مواقع ملیں گے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے واصل ہو جائیں گے۔“ اس پیش گوئی میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اسلام کے تین ادوار کو خیر فرمایا ہے یعنی اسلام کا بہترین دور تو وہ ہوگا جس میں آنحضرت ﷺ خود جلوہ افروز ہوں گے اس کے بعد کا دور صحابہؓ بھی خیر القرون ہوگا۔ مگر عہد نبوت سے کم درجہ پر اسی طرح عہد تابعین بھی خیر ہوگا لیکن اسی میں عہد صحابہؓ کی سی بھلائی (خیریت) نہ ہوگی۔ بالفاظ دیگر کہا جاسکتا ہے کہ حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ عہد صحابہؓ میں ہی کچھ ایسے واقعات پیش آئیں گے جن کو مسلمانوں کی تاریخی بد نصیبی کا پہلا باب کہا جائے گا اور جب اسلام کی حقیقی روح کا انحلال شروع ہو جائے گا۔ تابعین کے دور میں یہ انحلال بڑھے گا لیکن ان دونوں زمانوں کا انحلال غیر محسوس ہوگا اس لیے بحیثیت مجموعی آئندہ آنے والے زمانوں کی بہ نسبت یہ دور بھی خیر القرون ہوگا۔

سرور کائنات ﷺ نے جو پیش گوئی کی تھی۔ وہ ہو بہو پوری ہو کر رہی۔ اس

میں ذرا شبہ نہیں کہ ہر صحابی اپنی انفرادی زندگی میں ایمان و عمل کے اعتبار سے آسمان کا آفتاب و مانتاب اور فرمان نبوی ﷺ۔ ان میں سے تم جس کسی کا بھی اقتداء کرو گے، ہدایت پاؤ گے۔" کا مصداق تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام کا وہ عدیم المثال اجتماعی نظام جو عہد نبوت اور اس کے بعد خلفاء ثلاثہ کے زمانوں میں قائم تھا، حضرت عثمانؓ کے واقعہ شہادت 35ھ کے بعد اپنی اسی شکل و صورت کے ساتھ قائم نہ رہ سکا۔ خیر کے ساتھ شر لگا ہی ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی متعدد فتنے اٹھے لیکن ان دونوں بزرگوں نے اپنی غیر معمولی فراست دینی شجاعت اور جرأت سے ان کا استحصال اس طرح کر دیا کہ ان کو پھر ابھرنے کا موقع نہ مل سکا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت:

لیکن حضرت عثمانؓ کا واقعہ شہادت اسلام کی تاریخ کا ایک ایسا المناک حادثہ فاجعہ ہے۔ جس نے رونما ہو کر مسلمانوں کے اجتماعی نظام میں لامرکزیت پیدا کر دی اور ایک ایسے فتنہ عظیم کا دروازہ کھول دیا جس کی فحشیں مرد و ایم کے ساتھ بڑھتی ہی رہیں۔ حضرت عثمانؓ کے مظلوم ہونے میں کس بد بخت کو کلام ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر عثمانی حلم و نرمی کی جگہ دہ بد بختی کا رفرما ہوتا تو صورت حال بالکل برعکس ہوتی، پھر نہ عبداللہ بن سبا ایسے منافق کی ریشہ دوانیاں کامیاب ہو سکتیں اور نہ مصر و عراق کے بد باطن انسانوں کو خلافت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کی گستاخی کا حوصلہ ہو سکتا۔ حضرت عثمانؓ نے جان دے دی مگر فتنہ کے کھڑا ہونے کے اندیشہ سے کسی کو باغیوں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت نہ دی، بہر حال جو کارکنان

نقاد و قد رکافیصلہ ہو چکا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔ خلیفہ سوم انتہائی بے دردی اور سفاکی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے، دو دن تک نعش بے گور و کفن پڑی رہی۔ خون شہادت میں نہائے ہوئے جسم مطہر کو غسل دینے کی کیا ضرورت تھی، تیسرے دن چند ساتھیوں نے جان آہیلی پر رکھ کر دفن کا انتظام کیا۔

حضرت علیؓ کا عہد خلافت

حضرت عثمانؓ کے اس غیر معمولی ایثار کے باوجود ان کو جو اندیشہ تھا وہ صحیح ثابت ہوا اور اسلام کے اجتماعی نظام کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا۔ آپ کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوئے، آپ کی بے نفسی اور بے غرضی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے شروع میں خلافت کا بار سنبھالنے سے بہت انکار کیا اور فرماتے رہے کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں اور نہ مجھ کو اس کی کوئی ضرورت ہے۔ تم جس کسی کو خلیفہ منتخب کرو گے۔ میں بھی اس پر راضی ہو جاؤں گا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ ان حضرات کی نمائندگی کر رہے تھے، حضرت علیؓ کا انکار دیکھ کر جب انہوں نے کہا کہ مدینہ میں آپ سے بڑھ کر خلافت کا کوئی اور دوسرا شخص مستحق نہیں ہے تو آپ نے فرمایا "ایسا نہ کرو، میں بہ نسبت امیر ہونے کے وزیر ہونے کی اچھی استعداد رکھتا ہوں۔" لیکن جب مدینہ کے اکابر صحابہؓ کو زیادہ اصرار ہوا تو آپ نے جمہور کی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے اس کو منظور فرمایا۔

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا اسم مبارک علیؓ نیت ابو تراب اور لقب حیدر

تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابو طالب کے صاحبزادے تھے۔ خانہ کعبہ میں 600ء میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے دوسرے سال مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہؓ سے آپ کا عقد کر دیا۔ آپ بڑے طاقتور، بہادر اور تلوار کے دھنی تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد لوگوں کے اصرار پر 656ء کو آپ نے عمان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ لیکن اس وقت ملک میں مختلف سیاسی گروہ پیدا ہو چکے تھے۔ امیر معاویہؓ نے آپ کی خلافت کی مخالفت کی۔ حضرت زبیرؓ، اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی اطاعت سے منہ موڑ کر بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہؓ کو جنگ جمل میں شکست دی۔ کوفہ کو دار الخلافہ بنایا۔ صفین کے مقام پر امیر معاویہؓ سے مقابلہ ہوا۔ ثالثی کا فیصلہ ہوا۔ ایک جماعت اس پر ناراض ہو گئی کہ ثالثی کیوں قبول کی گئی اور جماعت سے خارج ہو گئے۔ امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کے مخالف ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے نہروان کے مقام پر شکست دے کر ان کا استیصال کر دیا۔ لیکن جو بھاگ کر بچ نکلے ان میں سے ایک شخص ابن ملجم نے حضرت علیؓ کو کوفہ کی مسجد میں تلوار سے زخمی کر دیا جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کو 4 سال 9 ماہ خلافت کرنے کا موقع ملا۔ گو آپ کا دور فتنوں اور سازشوں کا شکار رہا۔ پھر بھی کابل، سیتان سے آگے تک اسلامی فوج بڑھ چکی تھی اور ایک بحری دستہ فوج 38 ہندوستان میں کوکن کے مقام پر قابض ہو چکا تھا۔

مسلمانوں کے عروج و زوال کی یہ جوبلی جلی مختصر داستان آپ نے سنی ہے اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ جب تک مسلمان اسلام کے قوانین فطری پر عمل پیرا رہے، وہ برابر ترقی کرتے رہے، لیکن جب ان میں اسلامی روح منسلک ہونے لگی تو ان میں متزل بھی پیدا ہونا شروع ہو گیا، اس کی رفتار دفعی نہیں بلکہ تدریجی تھی، ہر گناہ کی ایک خاصیت ہوتی ہے جو جلد یا بدیر اس پر مرتب ہوتی ہے۔ ایک حکومت کا عظیم ترین گناہ یہ ہے کہ اس کے بادشاہ میں استبداد ہو، رعایا کی پروا نہ کرتا ہو، ملک کی آمدنی کو اپنے عیش و آرام پر خرچ کرنا اپنا حق سمجھتا ہو اور اپنی ذاتی منفعت کو ملک کے عام مفاد پر بہر حال ترجیح دیتا ہو، جب کسی حکومت سے یہ گناہ سرزد ہوتا ہے، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم تو اس کو اس گناہ میں جتنا انہماک بڑھتا جاتا ہے اسی قدر وہ اپنی موت سے قریب تر آتی جاتی ہے۔ ایک بادشاہ ذاتی قیّش و آرام کی حد تک اگر فسق و فجور میں مبتلا رہتا ہے۔ مگر ساتھ ہی وہ نظام مملکت سے غافل اور رعایا کے معاملات میں عدل و انصاف کا سرشتہ اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا قدرت ایسے بادشاہ سے درگزر تو کر سکتی ہے اور تاریخ میں اس کی متعدد نظیریں موجود بھی ہیں لیکن ظالم و جابر اور خود غرض و مطلب پرست حکومت کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری اپنی تاریخ ہمارے اچھے اور برے اعمال کی آئینہ دار ہے۔ آج مسلم اُمہ جس بد حالی اور یورپی اقوام کے زیرِ عتاب ہے وہ یقیناً ہمارے گزشتہ اعمال کا

شمرہ ہے۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی ان تمام بد عملیوں کا جائزہ لیں جو ہم نے تاریخ کے عہد ماضی میں کی ہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ کسی مسلمان حکومت کا گناہ تنہا اس حکومت کا نہیں بلکہ پوری قوم کا گناہ ہے اور اپنی ان بد عملیوں کا جائزہ لینے کے بعد بارگاہ ایزدی میں صدق دل سے توبہ کر کے آئندہ کے لیے عہد صمیم کریں کہ ہم پھر ان گناہوں کا ارتکاب نہ کریں گے ہمیں چاہیے کہ اس عہد و پیمان کے ساتھ اپنے تنزل کی ویرانیوں کو عروج و اقبال کی آبادیوں میں تبدیل کر دینے کے لیے سرفروشانہ طور پر اٹھیں۔ راہ عمل ہمارے لیے متعین ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: اس امت کا آخر انہیں طریقوں سے اصلاح یاب ہوگا۔ جن سے اس امت کے اول کی اصلاح ہوئی تھی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلم اُمہ کو شیطانی مکر و فریب سے اپنی خصوصی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین

الداعی الی الخیر

میاں محمد سعید شاہ

لاہور

9۔ ستمبر 2007ء

فارمولا

سانچہ ”کرب و بلا“ کے تقریباً تمام مورخین نے واقعات سن ہجری میں بیان کئے ہیں جب کہ فی زمانہ سن عیسوی کا زیادہ رواج ہے جس کی وجہ سے قارئین کرام کو پرانے زمانہ اور عرصہ کے تعین میں دشواری ہوتی ہے۔ اس لئے سن ہجری کو سن عیسوی میں تبدیل کرنے کا فارمولا بتایا جا رہا ہے تاکہ سن عیسوی کا تعین بھی کیا جاسکے۔ مثلاً آج کل سن ہجری 1428 ہے جس کا سن عیسوی اس طرح سے ہوگا:-

$$\text{سال ہجری} \times .97 + 622.00$$

$$1428 \times .97 + 622.00$$

$$1428 \times .97$$

$$= 9996$$

$$12852 = 62200$$

$$= 1385.16$$

$$+ 622.00$$

$$\text{سال عیسوی} = 2007.16$$

☆☆☆☆

بسم الله الرحمن الرحيم

القرآن

ترجمہ: (سورہ آل عمران آیت 169 تا 172)

169 ”اور ہرگز خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کئے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس اور رزق دیئے جاتے ہیں۔“

170 ”شاد ہیں وہ ان نعمتوں سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اور خوش ہو رہے ہیں بسبب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آئے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہو گئے۔“

171 خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور اس پر کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا۔“

172 ”جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور رسول ﷺ کی دعوت پر اس کے بعد کہ لگ چکا تھا انہیں گہرا زخم ان کے لئے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے۔“

☆☆☆☆

سانحہ ”کرب و بلا کا حاصل“

۱
بہر حق در خاک و خون غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است
اسرار و رموز (اقبال علیہ السلام)

۲
بنا کردند خوش رے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را
(مظہر جان جاناں)

دُعا

اے صبا اے ایک دور افتادگان
لشکِ ما بر خاکِ او رساں
اقبال (اسرار خودی)

باب دوم ﴿شخصیات و اماکن﴾

شخصیات و اماکن

۱۔ واقعہ کرب و بلا میں جن شخصیات اور اماکن کا ذکر آتا ہے، باواسطہ یا بلاواسطہ ان کے مختصر حالات بیان کرنے سے قارئین کرام کو اس سانحہ کے پس منظر سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس کام کے لئے اردو انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ فیروز سنز لاہور اور دوسرا اردو جامع انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور سے استفادہ کرنے پڑا۔

۲۔ اسی واقعہ میں کئی شہروں کے نام آتے ہیں جن میں زیادہ مشہور قسطنطنیہ (قسطنطنیہ) (Constantinople) اس شہر کے حالات کچھ اسی طرح سے ہیں:

قسطنطنیہ (Constantinople)

بحیرہ مارمورا میں رودبار باسفورس پر واقع ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ”کانسٹنٹائن کا شہر“ کیونکہ کانسٹنٹائن اعظم نے روما سے دارالحکومت تبدیل کر کے اپنی حکومت کا صدر مقام اسے قرار دیا تھا۔ ۳۳۰ء میں اسے صلیبی جنگ آزماؤں نے فتح کیا۔ ۱۴۵۳ء میں اسے سلطان محمد دوم والے ٹرکی نے تسخیر کیا اور اس کے بعد یہاں پر عثمانی ترکوں کی حکومت قائم ہوئی۔ جونو مبر ۱۹۲۲ء تک قائم رہی۔ ۲۸ مارچ ۱۹۳۰ء کو اس کا نام ”استنبول“ قرار دیا گیا۔

(ب) برنطینی اور عثمانی سلطنتوں کا دارالحکومت،

قسطنطنیہ: (جدید شہر کے لیے) (استنبول) کانسٹنٹائن اول نے سلطنت رومہ کے نئے دارالحکومت کی بنیاد قدیم رنطیم کے مقام پر رکھی۔ (۳۳۰ء) اور اسی کے نام

سے موسوم ہوا۔ اس نے برنطینی سلطنت کی بہاریں اور زوال کی نیزنگیاں دیکھیں اور اٹری دور میں برنطینی حکومت صرف اس شہر اور چند نواحی علاقوں تک محدود رہ گئی تھی۔ کی بار محاصرہ کیا گیا لیکن صرف تین حملہ آور کامیاب ہو سکے۔

اول چوتھی صلیبی مہم کی فوج (۱۲۰۴)

دوم میکائیل ہشتم (۱۲۶۱) اور

سوم سلطان محمد دوم (۱۴۵۳)

یہ باسفورس کے کنارے سات پہاڑیوں پر بسایا گیا تھا اور دفاع کی غرض سے اس کے گرد تین فصیلیں تعمیر کی گئی تھیں۔ قرون وسطی کے یورپ کا یہ سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کی شکل مخصوص قلعے کی سی تھی۔ جس کے دامن میں بیشمار شاندار محل، طبع کئے ہوئے گنبد اور مینار تھے۔ انتہائی عروج کے دور (۱۰ویں صدی) میں اس کی آبادی اس لاکھ تک تھی۔ مشہور ترین یادگاروں میں ایسا صوفیہ کا گرجا ہٹا ہٹا ہوں کا مقدس محل گلدوز کا وسیع میدان اور باب زریں شامل تھے۔ اس کی تباہی (۱۲۰۴، ۱۴۵۳) سے قبل اس کی دولت علم و فن کا اندازہ کرنا حد تخیل سے بالاتر ہے۔ ترکوں کے قبضے میں آیا تو آبادی بہت گھٹ گئی تھی لیکن سلاطین عثمانیہ کے دور میں (جن کا دربار باب عالی کہلاتا تھا) اس کی شان و شوکت بحال ہو گئی اور یہ بڑا یورپی مرکز شمار ہونے لگا۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد اس پر اتحادیوں نے قبضہ کر لیا (۱۹۱۸-۲۳) ۱۹۲۳ء میں اس کی تجدید و بہار یہ ترکیہ کا دارالحکومت بن گیا۔

حدیث قسطنطنیہ

حضرت امیر معاویہ کے دور حکومت میں جنگ قسطنطنیہ کا واقعہ پیش

آیا تھا، اس ضمن میں ایک حدیث مبارکہ کا کثر حوالہ دیا جاتا ہے کہ جو لشکر حملہ آور ہوا اس میں یزید بھی شریک تھا۔ اس حدیث کے مطابق وہ مغفرت پا چکا ہے۔ یزید کی شرکت یا عدم شرکت کے بارے میں مختلف مکاتب فکر کے علماء مفسرین اور محققین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اس حدیث کی رو سے یزید کی لشکر میں شمولیت ثابت کرتے ہیں اور بعض اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس موضوع پر واجب الاحترام جناب سید نصیر الدین نصیر گیلانی گولڑہ شریف نے اپنی مشہور کتاب نام و نسب اور حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ نے اپنے مقالہ جلد دوم میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ تفصیلات وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

☆☆☆☆

سانحہ کرب و بلا کے قدیمی مورخین

بہتر ہوگا کہ سانحہ ”کرب و بلا“ کے اولین مورخین کے مختصر حالات زندگی بیان کر دیے جائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ وہ کس پایہ کی شخصیات تھیں۔ ان میں سے چند لوگ کے نام درج ذیل ہیں۔

ابو حنیفہ دینوری، احمد بن داؤد

(م ۲۷۹ھ/۸۹۲ء) مشہور عرب مورخ پیدائش دینور (عراق عجم) نباتیات، نباتیات اور ہندسہ پر کتابیں لکھیں۔ لیکن اس کی زیادہ شہرت کتاب ”الاخبار والعلوم“ کی وجہ سے ہے۔ یہ کتاب یورپ اور مصر میں چھپ چکی ہے۔ اختصار کے نام سے بھی مشہور ہے۔ قدیم اقوام کے بیان کے بعد کتاب کا بیشتر حصہ ایران و عرب کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ کتاب ۲۱۸ھ/۸۳۲ء یعنی خلیفہ معتمد باللہ کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس تاریخ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ دینوری نے ایران اور اہل بیت سے متعلق تاریخی واقعات کو زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کی تالیف کتاب الہبات بھی بہت اہم ہے۔ دیگر اہم کتابیں یہ ہیں ”کتاب الجمع فی حساب الہد“ کتاب الجہر والمقابلہ، کتاب القبلۃ والازوال وغیرہ۔

زیر نظر کتاب کی تدوین و تالیف پر زیادہ انحصار ”الاخبار والعلوم“ پر ہی کیا ہے اس لئے کہ اس کا شمار اولین تاریخی کتب میں شمار ہوتا ہے۔ اصل کتاب عربی زبان میں ہے جس کا ترجمہ مرزا محمد منور رحمۃ اللہ علیہ سابق ڈائریکٹر اقبال اکادمی لاہور نے

۳۔ اپریل 1986ء میں کیا تھا۔ پھر یہ کتاب ناپید ہو گئی۔ الحمد للہ! یہ کتاب کہیں سے میرے ہاتھ لگ گئی ہے جس کے مطالعہ نے بڑا متاثر کیا اور کئی بار اسے پڑھا دینوری کی یہ کتاب پہلی بار 1888ء میں (لابدن) ہالینڈ سے شائع ہوئی تھی اس میں اولاد آدم سے لے کر محمد المصنم کی حکومت تک حالات و واقعات کا تذکرہ ہے۔ حضرت عثمان کی شہادت کے باعث رونما ہونے والے فتنے جنگ جمل و صفین، خواج، واقعہ کربلا، اور بنو امیہ کے خلاف عباسی داعیوں کی سرگرمیوں کا با تفصیل ذکر ہے۔ اسلامی تاریخ کی تعمیر میں جن افسوس ناک واقعات نے سنگ و خشت کا کام کیا ان کا نقطہ آغاز حضرت عثمان کی شہادت کے بعد واقعات سے ہوا۔ اسلامی تاریخ کے زوال کا دور یہیں سے شروع ہوتا ہے۔

۱۔ ابن اسحاق / ابن ہشام۔

(م تقریباً ۱۵۱ھ / ۷۶۸ء) : دوسری صدی ہجری کا ایک قدیم عرب مؤرخ جس کا پورا نام ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن یسار ہے۔ پیدائشی مدینہ۔ تاریخی روایات خصوصاً رسول اکرم ﷺ کے حالات زندگی کے دریافت کرنے سے خاص شغف رکھتا تھا۔ ابن ہشام (م ۲۱۳ھ / ۸۲۸ء) نے اس کی کتاب المغازی پر نظر ثانی کی جو "سیرت ابن ہشام" کے نام سے مشہور ہے اور رسول اکرم ﷺ کے حالات میں بہت قدیم اور مفصل کتاب ہے اور بعد کی تصانیف کا آخذ ہے۔ بغداد میں خلیفہ منصور کے عہد میں وفات پائی۔

۲۔ ابن الاثیر، عز الدین بن ابوالکرم اثیر الدین موصلی۔

(۵۵۵ھ - ۶۳۰ھ / ۱۲۱۱ء - ۱۲۳۳ء) : موصلی اور بغداد میں تعلیم حاصل

کرنے کے بعد اپنی ساری عمر بمقام موصلی تصنیف و تالیف میں گزار دی۔ اس کی سب سے مشہور کتاب "الکامل فی التاريخ" ہے، جس میں ابتدا سے ۶۲۸ھ / ۱۲۳۱ء تک کے تاریخی واقعات سال بسال مندرج ہیں۔ اس کی دوسری مشہور تالیف "اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ" ہے، جو ساڑھے سات ہزار صحابہؓ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے، جو ساڑھے سات ہزار صحابہؓ کے حالات زندگی پر مشتمل ہے۔ ان کے علاوہ اس نے "تاجک موصلی کی تاریخ لکھی اور "المہاب" کے نام سے سمعانی کی کتاب "الانساب" کی تفسیر کی۔

۳۔ ابن سعد، ابو عبد اللہ محمد۔

(۱۶۸ھ - ۲۴۰ھ / ۷۸۵ء - ۸۴۳ء) : (پ) بصرہ۔ عمر کا زیادہ حصہ بغداد میں گزرا۔ ایک شاگرد کی حیثیت سے واقفی کی مؤلفات کی کتابت کیا کرتے تھے، اس لیے کاتب الواقفی کہلائے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ اور تابعین کے حالات میں ایک ضخیم اور جامع کتاب لکھی جس کا نام "کتاب الطبقات الکبیر" ہے اور جو عموماً طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ چند جرمن علما کی کوشش سے آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ اس کا شمار صدر اسلام کی تاریخ کے نہایت مفید اور مستند مصادر میں ہوتا ہے۔

۴۔ الاصابہ فی تمییز الصحابہ یا اصابہ۔

صحابہ کرام کے احوال میں ابن جریر عسقلانی کی مشہور کتاب جس میں مؤلف نے "الاستیعاب" اور اس کے ذیل "اسد الغابۃ" وغیرہ کی تمام مستند معلومات یکجا جمع

کردی ہیں اور جہاں جہاں اشتباہات تھے، ان کا ازالہ کر کے ضروری توضیح و ترمیم بھی کر دی ہے۔ سیوطی نے "الاصابہ" کا اختصار "عین الاصابہ" کے نام سے کیا تھا۔ خیال ہے کہ یہ کتاب پہلی بار ۱۸۴۸ اور ۱۸۵۷ء کے درمیان کلکتے میں چھپی اور اس کے بعد دوسری بار مصر میں طبع ہوئی۔

بدایہ ونہایہ (البدایہ والنہایہ):۔

عبد الدین ابو الفدا اسماعیل ابن عمر ابن کثیر قرشی دمشقی (۷۰۱-۷۷۷ھ/۱۳۰۲-۱۳۷۳ء) کی مرتبہ تاریخ، جس میں ۷۶۷ھ/۱۳۵۷ء تک کے واقعات آگئے ہیں ابن کثیر کی تفسیر کی طرح اس کی تاریخ بھی بہت مستند مانی جاتی ہے اور اس میں عام تاریخی واقعات کے علاوہ مشاہیر، علماء و عرف کے حالات بھی عمدگی سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ چودہ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

☆☆☆☆

عثمان بن عفان - عثمان نام - ابو عمر و کنیت۔

۱۔ مسلمان ہونے کے بعد ابو عبد اللہ کہلائے چونکہ رسول خدا کی دو صاحبزادیاں آپ کے نکاح میں آئیں اس لئے ذوالنورین لقب پڑا۔ یہ ایک مقبول گھرانے کے چشم و چراغ تھے تجارت کا پیشہ رکھتے تھے اور علوم مروجہ سے واقف تھے اور بڑے نخی تھے۔ اس لئے ان کو عثمان غنی بھی کہتے ہیں۔ ان کے والد کا نام عفان تھا قریش کے خاندان بنو امیہ میں سے تھے اعلان نبوت کے وقت ۳۴ سال کے تھے اور اسی سال مسلمان ہوئے۔ یہ چھپتویں فرد تھے جو دائرہ اسلام میں آئے۔ مکہ میں بہت پرست اعزاء کے مظالم سے تنگ آ کر حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ پانچ سال کے بعد واپس آئے تو پھر مدینہ کو ہجرت کرنا پڑی۔ ان کی بیوی رقیہ ہر سفر میں ساتھ رہیں۔ یہ ۶۳۴ء میں خلیفہ منتخب ہوئے اور بارہ سال تک حکومت کر کے ۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ مطابق ۶۵۶ء عیسائی سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

(ii) عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے چھ مہینہ بعد ہی ہمدان پورے ہوئے، آذربائیجان اور مصر میں بغاوت اور شورش پھیل گئی جو فوراً فرد کردی گئی۔

(iii) ان کے وقت میں ۴۷ھ میں قرطاج فتح ہوا اور ۲۸ھ میں جزیرہ قبرص (سائپرس) فتح ہو گیا۔ اس جزیرہ پر حملہ کے لئے بحری بیڑہ کا وجود لازمی تھا۔ اسلامی سامان جنگ میں یہ پہلی بحری فوج تھی جو حضرت امیر معاویہؓ نے تیار کی۔ ان کے وقت میں ساسانی خاندان کا آخری بادشاہ یزدجرد مارا گیا اور ایران کی پوری مملکت میں اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ بلکہ مکران، بلخ اور ارینا تک ان کی حکومت پھیل گئی۔ مسلمانوں

میں دولت کی فراوانی نے آرام طلبی، عیش پسندی اور امارت کی ہوس پیدا کر دی۔ جس کا لازمی نتیجہ فتنہ پروازی، حسد اور نفاق کی شکل میں نمایاں ہوا۔

(iv) بصرہ کا عبداللہ بن سبا ایک منافق تھا جس نے یہ فتنہ اٹھایا کہ خلافت خاندان رسالت کا حق ہے اس لئے حضرت عثمان غنی کو معزول کر کے حضرت علی کو خلیفہ ہونا چاہیئے بہت سے سادہ لوح مسلمان اس دام فریب میں مبتلا ہو گئے اور ان کی جماعت بڑھتی گئی۔ حضرت عثمان غنی نے باوجود لوگوں کے مشورہ کے، اپنی نیکی اور رحمدلی سے مجبور اس فتنہ کو دبا ہانے کے لئے کوئی موثر اقدام نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے ان کے گھر میں گھس کر ان کو صبح کی نماز کے بعد تلاوت قرآن پاک کرتے وقت، شہید کر دیا۔ ان کے وقت میں قرآن پاک کی متعدد نقلیں مختلف ممالک میں بھیجی گئیں۔ مسجد نبوی ﷺ میں حضرت عمرؓ نے جو توسیع کی تھی اس میں اور اضافہ کیا گیا اور وہ پتھر اور چوٹے سے تعمیر ہوئی یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی تجارت کرتے تھے اور وحی کی کتابت بھی کیا کرتے تھے۔ حضرت عثمان بن عفان مسلمانوں میں پہلے حافظ قرآن تھے۔

۲: علی، حضرت، کرم اللہ وجہہ۔ علی نام۔ ابو تراب کنیت، اور لقب حیدر تھا۔ رسول اللہ ﷺ خدا کے چچا ابو طالب کے صاحبزادے تھے۔ خانہ کعبہ میں ۶۰۰ء میں پیدا ہوئے اور بارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔ ہجرت کے دوسرے سال مدینہ میں رسول اللہ ﷺ خدا نے اپنی صاحبزادی بی بی فاطمہ سے آپ کا عقد کر دیا۔ آپ بڑے طاقتور، بہادر اور تلوار کے ذہنی تھے۔ سارے غزوات میں شریک رہے اور بڑے بڑے کارنامے دکھائے۔ قلعہ خیبر جو مدینہ سے دو سو میل پر واقع ہے اس کی فتح اور اس کے حاکم مرحب کا قتل آپ کا مشہور کارنامہ ہے۔ مرحب ایک بہت بڑا پہلوان اور

بہادر تھا جس کے نام سے سارا عرب تھراتا تھا۔

(ii) حضرت علیؓ بڑے صاحب الرائے اور ذہین اور فقیہ اور خدا ترس عالم تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت کے بعد لوگوں کے اصرار پر دو شنبہ کے دن ۲۱ ذوالحجہ ۳۵ھ مطابق ۶۵۶ء کو آپ نے عنان خلافت اپنے ہاتھ میں لی لیکن اس وقت ملک میں مختلف سیاسی گروہ پیدا ہو چکے تھے۔ حاکم شام امیر معاویہؓ نے آپ کی خلافت کی مخالفت کی۔ حضرت زبیرؓ طلحہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بھی اطاعت سے منہ موڑ کر بصرہ پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عائشہ کو جنگ جمل میں شکست دے کر بصرہ پر قبضہ کیا یہاں سے کوفہ پہنچے اس کو دار الخلافہ بنا کر امیر معاویہؓ کی طرف بڑھے۔ صفین کے مقام پر کئی ماہ تک جنگ رہی لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا آخر میں طے پایا کہ دونوں فریق ثالث مقرر کریں جس کے فیصلہ پر وہ کاربند ہوں حضرت علیؓ واپس ہو گئے۔ ان کی ساتھیوں میں ایک جماعت اس پر ناراض ہو گئی کہ عائشہ کیوں قبول کی گئی اور جماعت سے خارج ہو کر امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ دونوں کی مخالف ہو گئی۔ حضرت علیؓ نے ان کو نہروان کے مقام پر شکست دے کر ان کا استیصال کر دیا لیکن جو بھاگ کر بچ رہے ان میں سے ایک شخص ابن طلحہ نے حضرت علیؓ کو کوفہ کی مسجد میں تلوار سے زخمی کر دیا جس کی وجہ سے ۲۱ رمضان کو اور ایک دوسری روایت کے مطابق ۱۷ رمضان ۴۰ھ شب جمعہ برطانی ۶۶۱ء آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۰ سال تھی۔ آپ کو کم سال نو ماہ خلافت کرنے کا موقع ملا۔ اس وقت ملک اندرونی اختلافات اور فتنوں سے معمور تھا جس کے استیصال کی کوششوں نے مزید فتوحات کا موقعتہ آپ کو نہیں دیا۔ پھر بھی کابل اور سیستان سے آگے تک اسلامی فوج بڑھ چکی تھی

اور ایک بحری دستہ فوج ۳۸ھ ہندوستان میں کوکن کے مقام پر قایم ہو چکا تھا۔

۳۔ فاطمہ الزہراءؑ

آنحضرت ﷺ کی چھوٹی صاحبزادی، حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔ ۶۰۵ء میں بمقام مکہ پیدا ہوئیں۔ ہجرت کے بعد مدینہ تشریف لائیں اور ۲۷ھ میں جنگ بدر کے بعد آپ کی شادی حضرت علیؑ کے ساتھ ہوئی۔ آپ کے بطن سے ۴۷ھ میں امام حسنؑ اور ۵۷ھ میں امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ اہل تشیع کے نزدیک تیسرے صاحبزادے حضرت محسنؑ تھے۔ جن کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ نسب اور ام کلثومؑ دختر ان تھیں۔ فتح مکہ اور حجۃ الوداع میں حضرت فاطمہؑ حضور ﷺ کے ہمراہ تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے بعد آپ بہت اداس اور اسی رہنے لگیں اور صحت بھی خراب ہو گئی اور ۶۳۳ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کا تقدس اور سخاوت مشہور ہے۔ آپ کا دوسرا نام زہرا اور بتول ہے اور خاتون جنت بھی کہلاتی ہیں کیونکہ بعض روایات کے مطابق اہل جنت کی مہمانداری اور خاطر داری آپ ہی کے ذمہ ہوگی۔

۴۔ حسینؑ، حضرت امامؑ:-

(شعبان ۴ھ۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ / جنوری ۶۲۶ء۔ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء) حضرت علیؑ ابن ابی طالب اور حضرت فاطمہ الزہراءؑ کے دوسرے جگر بند (بڑے فرزند امام حسنؑ تھے) امام و شہید کربلا۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو آنحضرت ﷺ نے نوجوانان بہشت کے سردار فرمایا۔ حضرت عثمانؓ پر باغیوں کے جھوم کے وقت امام حسینؑ بھی برادر اکبر امام حسنؑ کے ہمراہ حفاظت کی خدمت انجام دیتے رہے۔ بعض لڑائیوں میں بھی شریک

رہے۔ امام حسنؑ کے ترک خلافت کے بعد امام حسینؑ بھی مدینہ منورہ میں آ گئے تھے اور پورا وقت عبادت ہی میں گزارتے۔ زندگی میں ۲۵ حج پیادہ پا کیے۔ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد خلافت کا معاملہ امت کی رضا پر موقوف رہ گیا تھا۔ شامیوں نے معاویہؓ کے بیٹے یزید کی بیعت کر لی۔ عراقیوں نے امام حسینؑ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔ چنانچہ امام موصوف مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ اور وہاں سے بجانب کوفہ تشریف لے گئے۔ اس اثنا میں یزید کے گورنر عبید اللہ ابن زیاد نے اہل کوفہ سے یزید کی بیعت لے لی۔ مسلم بن عقیلؓ اور بعض دوسرے ممتاز حامیان امام حسینؑ کو راستے سے گھیر کر کربلا کے میدان میں لے گیا۔ حضرت امامؑ نے فیصلے کی جتنی منصفانہ صورتیں پیش کیں، ابن زیاد نے رد کر دیں۔ آخر جنگ ہوئی، جس میں خود حضرت امام حسینؑ، آپ کے دو فرزند، امام حسنؑ کے تین فرزند نیز امام کے چچیرے بھائی، اقربا اور محبت شہادت پا گئے، بچھے بیٹے علیؑ اور سبط حج گئے۔ حسینی سید انبی کی نسل سے ہیں۔

۵۔ کربلا کا سانحہ۔

امیر معاویہؓ کی وفات پر اسلام کے جمہوری اصولوں کے خلاف یزید تخت خلافت پر بیٹھا اور اس نے بزور اہل بیت اور دیگر صحابہؓ سے اپنی بیعت کا تقاضا شروع کیا۔ امام حسینؑ، شیعان علیؑ (کوفہ) کی دعوت پر عراق روانہ ہوئے۔ لیکن کوفیوں نے بدعہدی کی اور عبید اللہ ابن زیاد کے ورغلائے پر امام علیہ السلام کی حمایت چھوڑ کر یزید کی افواج کا ساتھ دیا۔ یزید کی افواج نے امام حسینؑ کو کربلا کے قریب وادی میں گھیر کر قافلہء اہل بیت پر فرات کا پانی بند کر دیا۔ یزیدی افواج کی تعداد چار ہزاری تھی جو عمرو بن سعد، شمر ذی الجوشن اور حر بن یزید تمیمی کے ماتحت تھے۔ امام حسینؑ کے ساتھ صرف

اہل بیت کے بہتر افراد تھے اور وہ بھی بھوکے پیاسے اور سفر کی صعوبتوں سے نڈھال۔ امام علیہ السلام نے اتمام حجت کے طور پر بیعت یزید کے سوا صلح کے لئے مختلف شرائط پیش کیں۔ لیکن یزیدی سرداروں نے سب شرائط مسترد کرتے ہوئے ایک ہی تقاضا جاری رکھا کہ یا تو امام بیعت یزید کریں یا سر دیں۔ جب جنگ ناگزیر ہو گئی تو امام حسین علیہ السلام اپنے بہتر (۷۲) جاں نثروں کے ساتھ مقابلہ کو نکلے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو کربلا کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ امام عالی مقام کے ساتھی بڑی بہادری سے لڑے مگر چار ہزار مسلح لشکریوں کے سامنے بہتر آدمیوں کی مختصر سی جماعت کیا حیثیت رکھتی تھی۔ تھوڑے ہی عرصے میں امام حسین علیہ السلام اور ان کے سب جاں باز شہید کر دیے گئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک تن سے جدا کر کے اور نیزے پر چڑھا کر حرم اہل بیت کے ہمراہ یزید کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ سانحہ کربلا میں علی بن حسین (امام زین العابدین) کے اہل بیت کے تمام مرد کام آئے۔ شہداء میں امام حسین علیہ السلام کے بھائی عباس، جوان سال، بیٹا علی اکبر، شیر خوار بچہ علی اصغر اور افواج یزید کا ایک سردار خوجا امام علیہ السلام سے آملاتھا، شامل تھے، سانحہ کربلا نے عالم اسلام میں رنج و الم کی ایک لہر دوڑادی اور بنو امیہ کے خلاف لوگوں میں نفرت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ انہی جذبات نے پرورش پا کر خراسان میں بغاوت کی صورت اختیار کر لی۔ جس نے ۱۲۲ ہجری میں بنو امیہ کے اقتدار کی شمع گل کر دی۔

۶۔ معاویہ (بن سفیان) وفات ۶۸۰ء

بڑے بردبار، فیاض، دانا، مدبر اور سیاست دان، فتح مکہ کے دن اسلام لائے جنین اور طائف کے معرکوں میں شریک ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ پہنچے

تو کاتب وحی مقرر ہوئے دمشق کے امیر، بنو امیہ کی حکومت کے بانی۔ حضرت حسن کے دستبردار ہونے کے بعد (۶۶۱) عالم اسلام کے خلیفہ بنے۔ ان کے عہد میں افریقہ اور بربر کا سارا علاقہ فتح ہوا۔ قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا گیا۔ ملک کا انتظام از سر نو درست ہوا۔ نظم و نسق کے مختلف صیغے اور سر رشتے استوار ہو گئے۔ قیروان آباد ہوا۔ بیس برس (۶۶۱-۶۸۰ء) کی حکومت کے بعد بھر ۷۸ سال دمشق میں جوان کے زمانے میں مرکز خلافت بن گیا تھا وفات پائی۔

۷۔ امیر معاویہ: آپ ابو سفیان کے چھوٹے لڑکے تھے۔ فتح مکہ کے بعد اپنے باپ کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے کچھ عرصہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کاتب وحی بھی رہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے اپنے عہد خلافت میں امیر معاویہؓ کے بڑے بھائی زیاد کو ایک دست کا سردار مقرر کر کے شام بھیجا اور دمشق کی فتح کے بعد اسے وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ جب زیاد کا انتقال ہو گیا تو اس کی جگہ امیر معاویہؓ کو ملی۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کیا۔ حضرت علیؓ نے انہیں شام کی گورنری سے معزول کر دیا۔ مگر امیر معاویہؓ نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا۔ اس پر حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے درمیان صفین کی جنگ ہوئی۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ امیر معاویہؓ شام اور مغرب کے علاقوں اور حضرت علیؓ حجاز، عراق اور ایران کے مشرقی علاقوں پر قابض رہے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسنؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ مگر انہوں نے مسلمانوں میں خونریزی کو ناپسند کرتے ہوئے خلافت سے دستبرداری کا اعلان کر دیا اور امیر معاویہؓ بلا شرکت غیر سے تمام عالم اسلام کے خلیفہ تسلیم کر لئے گئے۔

امیر معاویہؓ نے نہایت شان و شوکت کیساتھ انیس سال حکومت کی۔ آپ نے ہی سب سے پہلے بحری بیڑا تیار کیا اور بحیرہ روم میں نصاریٰ کو شکستیں دیں نیز حدود سلطنت کو دور دراز ملکوں تک وسعت دی ملک میں امن و امان قائم کیا۔ انتظام مملکت بہتر بنانے کے لئے کئی نئے حکاموں کو قائم کیا۔ ”برید“ یعنی ڈاک کا سلسلہ سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے ہی شروع کیا تھا۔

امیر معاویہؓ بہت بڑے سیاستدان۔ متحمل مزاج اور انصاف پسند تھے۔ مسجد میں بیٹھ کر عوام کی شکایات سنتے۔ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کر کے خلافت اسلامی کو موروثی بادشاہت میں تبدیل کر دیا۔ ان کا عہد حکومت ۴۱ھ تا ۶۵ھ مطابق ۶۶۱ء تا ۶۸۰ء ہے۔

۸۔ یزید بن معاویہ (۶۴۲ء - ۶۸۳ء)

امیر معاویہؓ کا بیٹا اور خاندان بنو امیہ کا دوسرا خلیفہ، امیر معاویہؓ کی وفات (۶۸۰ء) پر نظم حکومت سنبھالا، اس اعتبار سے وہ تاریخ اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے وارث کی حیثیت سے نظام حکومت سے سنبھالا۔ قریش کے چند بااثر اشخاص کے علاوہ تمام مسلمانوں نے یزید کی ولی عہدی کو قبول کر لیا نظام حکومت سنبھالنے سے قبل جنگی معرکوں میں حصہ لیا اور امیر حج بھی مقرر ہوا۔ علم و ادب اور شعر گوئی سے شغف تھا۔ امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد جب حضرت امام حسینؑ نے یزید کے آگے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا اور مدینہ سے کوفہ روانہ ہوئے۔ تو کچھ مدت کے بعد کربلا کے میدان میں یزید کے لشکر نے حضرت امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کا محاصرہ کر لیا جس کے نتیجے میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت ہوئی۔ یہ واقعہ ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء کا ہے ساخوہ

کربلا کا اہل مدینہ کو بڑا دکھ پہنچا چنانچہ انہوں نے اس کے خلاف عملی کارروائی کرنے کا پختہ عزم کر لیا۔ مکہ میں عبداللہ بن زبیر نے یزید کے اس فعل کی شدید مذمت کی اور اہل مکہ کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔ یزید کو جب اس صورت حال کا پتہ چلا تو اس نے نعمان بن بشیر انصاری کی قیادت میں ایک وفد مکہ بھیجا لیکن ناکام رہا۔ پھر مسلم بن عقبہ نے مدینہ جا کر لوگوں کو یزید کی اطاعت کے لیے کہا لیکن انہوں نے بھی صاف انکار کر دیا جس کے نتیجے میں حرہ کے میدان میں یزید کی فوج نے زبردست شکست دی یہ واقعہ ۲۶ اگست ۶۸۳ء کا ہے اہل مدینہ کو شکست کے بعد یزیدی لشکر نے مکہ کا محاصرہ کیا لیکن یزید کی موت کے باعث یہ محاصرہ اٹھانا پڑا۔

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان امیر معاویہؓ کے بعد (جب ۶۰ھ میں تحت نشین ہوا) اس کے عہد کا سب سے بڑا واقعہ سانحہ کربلا ہے اور دوسرا واقعہ عبداللہ بن زبیر کے دعویٰ خلافت کے بعد یزیدی فوجوں کا مدینہ منورہ پر حملہ کرنا۔ تیسرا واقعہ مکہ کا محاصرہ ہے اس نے ۳ سال ۹ ماہ حکومت کی اور ۱۰ ربیع الاول ۶۲ھ ہجری کو انتقال کیا۔

۹۔ ابن زیاد، عبید اللہ

(م ۶۷ھ/ ۶۸۶ء): میں یزید بن معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کا والی مقرر ہوا۔ اس نے پہلے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو شہید کیا جو ان دنوں امام حسینؑ کی طرف سے کوفہ کے حالات دریافت کرنے کے لیے آئے ہوئے تھے، پھر عمر بن سعد کو امام حسینؑ کے مقابلے پر بھیجا جو کربلا کے میدان میں خیمہ زن تھے اور وہیں (محرم ۶۱ھ/ ۶۸۰ء) شہید ہو گئے ۶۶ھ/ ۶۸۵ء میں مقدس ثقیفی امام حسینؑ کے انتقام کے لیے اٹھا اور ابن زیاد شکست کھا کر مارا گیا۔ قتل کئے جانے کے بعد اس کا سر کوفہ

میں اسی جگہ رکھا گیا۔ جہاں حضرت امام حسینؑ کا سر مبارک چھ برس پہلے رکھوایا گیا تھا۔
۱۰: شمر ذی الجوشن:-

یزید اول کا ایک جرنیل تھا جسے ابن زیاد نے اس کی سخت طبیعت کے باعث عمر بن سعد کی جگہ اپنے اس لشکر کا کمانڈر بنا کر بھیجا جو حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ میں خیمہ زن تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت امامؑ پر ناروا سختیاں کیں اور اسی کے حکم سے شہدائے لشکر حسینؑ کے سر قلم کیے گئے۔

یہ شخص پہلے حضرت علیؑ کے حامیوں میں سے تھا چنانچہ جنگ صفین، میں آپ کی طرف سے بہت بہادری سے لڑا تھا اور اپنی ایک بہن کی شادی بھی ان سے کر دی تھی۔ امام حسینؑ کے بھائی حضرت عباسؑ اس کے ہمیر زادے تھے۔ مگر اب یہ یزید کے ساتھ مل چکا تھا۔

۱۱: عبداللہ بن زبیر:-

نام عبداللہ۔ کنیت ابو بکر اور حبیب۔ آپ کے والد زبیر بن العوام آنحضرت کے حواری اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ رشتہ میں آنحضرت کے بھانجے تھے۔

آپ کی پیدائش ۱ھ:-

۲۲ھ میں ہمارے ۲۱ سال سے جب سے پہلے جنگ یرموک میں شریک ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں جنگ طرابلس میں حصہ لیا۔ فتح افریقہ کے بعد ۳۰ھ میں طبرستان پر فوج کشی ہوئی۔ جس میں آپ نے بڑے کارہائے نمایاں دکھائے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی طرف سے حضرت علیؑ کے خلاف صف آرا ہوئے۔

معاویہؓ نے جب اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد اور خلافت کا حقدار بنایا۔ تو آپ نے

اس کی سخت مخالفت کی۔ چنانچہ یزید نے تخت پر بیٹھتے ہی عبداللہ بن زبیر سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ لیکن انہوں نے انکار کیا۔ اور مدینہ میں خود لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دی۔ چنانچہ یزید کے لشکر نے مدینہ پر حملہ کیا۔ اہل مدینہ کو شکست ہوئی اور تین دن تک مدینہ میں لوٹ مار کا سلسلہ جاری رہا۔ یزید کی افواج نے زبردستی اہل مدینہ سے یزید کے حق میں بیعت لی۔ ابن زبیر مکہ جا کر حرم میں بیٹھ رہے تھے۔ یزیدی افواج نے مکہ پر حملہ کیا۔ اسی دوران میں یزید کی وفات کی خبر آگئی جس پر شامیوں نے ابن زبیر کو صلح کا پیغام دیا۔ یزید کے بعد اس کے بیٹے معاویہ نے تخت پر بیٹھتے ہی خلافت سے دست برداری کا اعلان کر دیا۔ جس پر تمام اسلامی ممالک نے ابن زبیر کی خلافت تسلیم کر لی۔ ابن زبیر نے انتقام کے طور پر تمام بنی امیہ کو مدینہ سے نکلوا دیا۔ چنانچہ مردان نے شام پہنچ کر تخت خلافت پر قبضہ کر لیا اور یکے بعد دیگرے ابن زبیر کے سارے حامیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ مردان نے مصر پر بھی قبضہ کر لیا اور مصریوں سے بھی بیعت لے لی۔ مردان کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس زمانے میں ایک چالاک اور زیرک شخص مختار بن ابی عبید ثقفی کو قسمت آزمائی کا موقع ملا۔ اس نے اپنی حکمت عملی سے محمد بن حنفیہ کو ساتھ ملایا اور انہیں حضرت علیؑ کا جانشین ظاہر کر کے لوگوں سے ان کی امداد کے لئے تحریک شروع کر دی۔ دوسری طرف خفیہ طور پر ابن زبیر سے بھی تعلقات قائم رکھے۔ غرضیکہ اپنے حسن تدبیر سے اس نے عراق پر قبضہ کر لیا۔ صرف بصرہ ابن زبیر کے پاس رہ گیا۔ اس کے بعد مختار قاتلان حسینؑ کے درپے ہوا اور اس طرح بنو امیہ کے مقابلہ میں تمام مسلمانوں کی حمایت اسے حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اس نے ابن زیاد، ابن سعد اور دیگر تمام قاتلان حسینؑ کا یکے بعد دیگرے

خاتمہ کر دیا بنی امیہ کے علاوہ ابن زبیر کا بھی برابر مقابلہ کرتا رہا اور ساتھ ہی کوفیوں پر اس قدر تشدد کیا کہ وہ لوگ کوفہ چھوڑ کر مصعب کے ہاں بصرہ جانے لگے۔ چنانچہ مصعب کی طرف سے احمد بن سلیط ساٹھ ہزار فوج نے کرمیہ کے مقابلہ کو نکالا اور اسے شکست دے کر قتل کر دیا۔ مختار کے قتل کے بعد اس کا سارا مفتوعہ علاقہ ابن زبیر کے قبضہ میں آ گیا۔ جس سے عبد الملک کو خطرہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ابن زبیر کے خلاف فوج کشی کی۔ حجاج عبد الملک کی افواج کا امیر تھا۔ اس نے ابن زبیر کو قتل کر کے ان کا سر عبد الملک کے ہاں بھجوا دیا۔

۱۲: ابن ماجہ:-

ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی مشہور محدث ابن چھ محدثین کو سب سے زیادہ مستند تسلیم کیا جاتا ہے اور جن کی کتابیں صحاح ستہ کے نام سے مشہور ہیں ان میں سے ایک ابن ماجہ بھی ہیں ۳۰۹ھ مطابق ۸۲۳ء میں پیدا ہوئے ان کی زندگی کے حالات کا بہت کم علم ہے۔ انہیں ابتداء ہی سے احادیث جمع کرنے کا شوق تھا اور اس سلسلے میں عراق، عرب، شام اور مصر جا کر احادیث جمع کیں۔ ان کی تصنیف کا نام "سنن ابن ماجہ" ہے ابن خاکن نے لکھا ہے کہ انہوں نے تفسیر قرآن بھی لکھی تھی۔ لیکن اب وہ ناپید ہے۔ ۳۷۳ھ مطابق ۸۸۶ء میں انتقال کیا۔

۱۳: ابن حزم:-

عبد الرحمن ابن حزم خوارزمی میں سے تھا شہر وان کی شکست کے بعد خارجیوں نے تین آدمیوں کو حضرت عی امیر معاویہ اور عمرو بن العاص کو بیک وقت قتل کر دینے پر

ماہور کیا۔ ابن حزم نے حضرت علیؑ کو شہید کرنے کا ذمہ لیا تینوں نے تجویز کے مطابق ایک ہی دن فجر کی نماز کے وقت دار کیے۔ امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا عمرو بن العاصؓ کی جگہ دوسرا آدمی قتل ہوا۔ لیکن حضرت علیؑ کو زہر آلود خنجر کا کاری زخم لگا اور تیسرے روز ۳۰ رمضان ۴۰ھ کو آپ رحلت فرما گئے۔

۱۴: ابن ہشام:-

عبد الملک بن ہشام الخمری نامور محدث اور مورخ بن پیدائش معلوم نہیں۔ تمیم کے قبیلہ سے تھے غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انہوں نے فن سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں ان کی توضیح بھی کر دی۔ انہوں نے محمد بن اسحاق کی مشہور کتاب موسومہ بہ "المغازی کو تنقیح اور اضافہ کے ساتھ مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے چونکہ محمد بن اسحاق کی کتاب نایاب ہے اس لیے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔ ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ میں انتقال کیا۔

۱۵: حسن بن صباح

(م ۵۱۸ھ/۱۱۲۳ء)۔ حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین الصباح، فرقہ اسمعیلیہ کا پر جوش مبلغ۔ باپ کوفے سے قم آ کر آباد ہوا۔ سترہ سال کی عمر میں حدیث اور فقہ کی منہجیانہ تعلیم حاصل کی۔ اثنا عشری فرقے سے تعلق تھا، پھر اسمعیلی داعی امر خراب سے متاثر ہو کر اسمعیلی مذہب قبول کیا اور مبلغ بنا (۳۷۱ھ/۱۰۷۸ء) مصر بھی گیا۔ فاطمی خلیفہ المستنصر نے بڑی عزت افزائی کی واپسی پر حسن بن صباح نے مذہب کی اشاعت کے لئے سیاسی قوت حاصل کرنا ضروری سمجھا اور 483ھ 1090ء)

میں قلعہ الاموت پر قبضہ کر لیا۔ نیز دہشت پسند نوجوانوں کی جماعت منظم کی جو فدائی کہلاتے تھے۔ قلعہ الاموت میں ایک باغ بنوایا جسے جنت کہا جاتا تھا۔ جنت کی سیر کے لیے فداویوں کو حسن بن صباح کی طرف سے اجازت بھی ملتی تھی۔ فداویوں سے ان بادشاہوں اور شہزادوں کو ہلاک کرنے کا کام لیا جاتا۔ جنہیں یہ لوگ راستے سے ہٹانا چاہتے تھے۔

۱۶: حشیشین (Assassins):

یہ فتنہ یہ نام حسن بن صباح کی قائم کردہ نیم مذہبی، نیم عسکری تنظیم کو دیا گیا تھا۔ اس تنظیم کی بنیاد ۱۰۹۰ء کے قریب فارس (ایران) میں رکھی گئی تھی۔ بعد میں یہ لوگ شام کی طرف منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے مختلف اطراف میں اپنی شاخیں پھیلا دیں۔ ان کا صدر مقام لبنان کے ایک 10,000 فٹ اونچے پہاڑ پر تھا جہاں حسن بن صباح قلعہ الاموت پر قابض ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ حسن بن صباح جو شیخ الجبل کے نام سے مشہور ہو گیا، اپنے مریدوں پر بے پناہ اثر رکھتا تھا۔ یہ اثر حاصل کرنے کے لیے اس نے مختلف قسم کے عیارانہ ہتھکنڈے استعمال کیے۔ اس نے اپنے پہاڑ پر ایک جنت ارضی بھی بنا رکھی تھی، جس میں وہ اپنے خاص خاص مریدوں کو جو ”فدائی“ کہلاتے تھے، بھنگ پلو کر مختصر مدت کے لیے رکھتا تھا اور پھر اسی طرح نکال لیتا تھا۔ یہ لوگ اس مصنوعی جنت کی دلاویزیوں سے اس قدر مسحور ہو جاتے تھے کہ اس میں دوبارہ داخل ہونے کے لیے جان پر کھیل جانا بھی انہیں گوارا ہو جاتا تھا۔ حسن بن صباح نے ”فداویوں“ سے بے شمار قتل کرائے اور مسلمان اور عیسائی سلطنتوں میں فتنے پھیلائے۔ اس کا مذہب مجوسیت، یہودیت، مسیحیت اور اسلام کا عجیب و غریب ملغوبا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس میں روح القدس حلول کر چکی ہے اور اس کا ہر حکم خدا کا حکم

ہے۔ حسن بن صباح (م ۱۱۲۴ء) کے بعد بھی یہ تنظیم قائم رہی اور مختلف اوقات پر مختلف شیوخ الجبل اس تنظیم کے مقتدا رہے۔ ان لوگوں نے اپنے فداویوں کی مدد سے تقریباً ۱۰ صدیوں تک دور دراز دہشت انگیزیوں کا ہنگامہ برپا رکھا۔ آخر ۱۲۵۶ء کے قریب ہلاکو خاں اور اس کی بہن نے ان کا مرکز برباد کر کے اس تنظیم کا خاتمہ کر دیا۔ انگریزی کا لفظ ”assassin“ حشیشین ہی کا بگاڑ ہے، چونکہ یہ لوگ بے دریغ قتل پر قائل کرتے رہتے تھے، اس لیے اس لفظ کا مفہوم ہی انگریزی میں قاتل مقرر ہو گیا۔

۱۷: عبد اللہ بن سبا:

(بہ عہد حضرت عثمان غنیؓ) صنعا کا یہودی اور صوبائی تحریک کا بانی اس کے بارے میں متعدد روایات مشہور ہیں۔ بعض روایات کے مطابق یہ شیعہ مسلک کا بانی تھی۔ لیکن شیعہ مصنفین اسے تسلیم نہیں کرتے۔ بعض روایات کی رو سے یہ شخص یمن کا یہودی تھا۔ اور حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں اس نے مسلمانوں میں نفاق کا بیج بونے کی غرض سے سہائی تحریک کا آغاز کیا۔ بقول اس کے حضرت علیؓ رسول اکرمؐ کے دہی ہیں۔ ان کی موجودگی میں دوسروں کو حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس کے نزدیک حضرت علیؓ خدا کے اوتار تھے۔ اس کی تخریب کاریوں کے باعث اکثر ممالک کے باشندے حضرت عثمانؓ سے بدظن ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے اس کے غلط عقائد اور اسلام کے خلاف ناپاک سرگرمیوں کو جاری رکھنے کی بنا پر اسے سزائے موت دے دی۔

باب سوم

واقعہ کرب و بلا کے اصل محرکات

حالات و واقعات ابوحنیفہ

الدینوری قدیمی مورخ کی زبانی

واقعہ کرب و بلا کے اصل محرکات، وجوہات، حالات و واقعات معلوم کرنے کی خواہش ہر ذی ہوش شخص کو ہوتی ہے۔ دراصل اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کا یہ ایک نہایت الم ناک اور دردناک واقعہ ہے جس کا اثر..... کے حالات پر نہایت منفی انداز سے ہوا۔ کئی طرح سے یہ واقعہ بیان ہو چکا ہے۔ مگر جس انداز سے ایک قدیمی مورخ ابوحنیفہ الدینوری نے اپنی کتاب ”اخبار الطوال“ میں بیان کیا وہ بہت حد تک اصل حالات کے قریب تر ہے۔ اصل کتاب کا متن عربی زبان میں ہے مگر پھر کئی دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہوا ہمارے ہاں یہ سعادت جناب پروفیسر مرزا محمد منور علیہ السلام کو نصیب ہوئی۔ پروفیسر صاحب نے خود کہا کہ جہاں تک ان کے ترجمے کا تعلق ہے انہوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ وہ خود کو ابوحنیفہ بنالیں اور انہیں کی طرح سلیبس اور سادہ زبان کو کام میں لائیں۔ لہذا مولف کتاب ہذا نے بھی یہی کوشش کی ہے کہ مترجم کا ڈھنگ اختیار کرے۔ تاہم مترجم نے جا بجا واقعات بیان کرتے وقت عربی زبان میں بڑے طویل اقتباسات دیئے ہیں۔ میں نے صرف ان کے اردو تراجم پر اکتفا کیا ہے ورنہ کتاب بڑی ضخیم ہو جاتی جو آج کے سہل انگار قارئین کرام پر بارگراں ہوتی۔ اس دل گداز واقعہ کی ابتدا حضرت عثمان کی خلافت کے دور سے شروع کر رہا ہوں۔

حضرت عثمان بن عفانؓ کی خلافت

ماہ ذوالحجہ ۲۳ھ کی چار راتیں باقی تھیں کہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز رحلت فرما گئے۔ ان کی مدت خلافت دس سال اور چھ ماہ تھی۔ ان کی جگہ حضرت عثمان بن عفانؓ کو خلیفہ بنادیا گیا۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمارؓ بن یاسر کو کوفے کی حکومت سے معزول کر کے ان کی جگہ ولید بن عتبہ بن ابی معیط کو مقرر کیا جو ماں کی طرف سے حضرت عثمانؓ کے بھائی تھے۔ ماں دونوں کی اردو بنت ام حکیم بن عبدالمطلب بن ہاشم تھی۔ اسی طرح انہوں نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو بصرے کی حکومت سے معزول کر کے وہاں عبداللہ بن عامر بن کریم کو تعینات کیا جو ان کے ماموں زاد بھائی تھے۔ ابھی ٹوہیز ہی تھے۔ ازاں بعد عمرو بن العاص کو مصر کا حاکم جنگ متعین کر کے وہاں کا حاکم خراج عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر کر دیا۔ جو ان کے رضاعی بھائی تھے۔ کچھ عرصے کے بعد عمرو بن العاص کو ہٹا کے حرب و خراج دونوں کی المارت عبداللہ بن ابی سرح کے حوالے کر دی۔

عبداللہ عثمان کی فتوحات

کچھ عرصے کے بعد سرزمین فارس میں غزوہ شاپور اور اس کی تسخیر عمل میں آئی۔ اس غزوہ کی قیادت عثمان بن العاص نے کی تھی۔ ۲۹ھ میں فتح افریقہ عمل میں آئی۔ اس فتح کی قیادت عبداللہ بن ابی سرح نے کی تھی۔ پھر قبرص فتح ہوا۔ اس کارروائی کی قیادت امیر معاویہ بن ابی سفیان نے کی تھی۔

کچھ عرصے کے بعد اہل اصطخر نے اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا۔ یزدجرد ہادشاہ ایرانوں کی ایک جمیعت کے ساتھ وہاں پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ عثمان بن ابی العاص اور

عبداللہ بن عامرؓ نے ان کی طرف کوچ کیا۔ مسلمانوں نے فتح پائی، یزدجرد خراساں کی طرف بھاگا اور مرو میں جا پہنچا۔ وہاں اپنے عامل سے جس کا نام ”ماہویہ“ تھا اموال کے ضمن میں مواخذہ کیا۔ ماہویہ خاقان شاہ ترکان کا سر تھا۔ جب یزدجرد نے اس پر خنقی کی تو اس نے خاقان کو اطلاع بھیج دی۔ خاقان نے لاؤ لشکر لیا اور ماہویہ کے قریب دریا کو عبور کیا اور ریگستان کو قطع کر کے مرو میں آن وارد ہوا۔ ماہویہ نے شہر کے دروازے کھول دیے۔ یزدجرد اکیلا پیادہ بھاگ نکلا۔ کوئی دوفرخ گیا ہوگا۔ سحری کا وقت تھا۔ ایک چکی نظر آئی جس میں چراغ جل رہا تھا وہ چکی میں داخل ہو گیا اور آٹا پیسنے والے سے کہا ”آج کی رات مجھے یہاں جگہ دے دو“۔ آٹا پیسنے والے سے کہا ”آج کی رات مجھے یہاں جگہ دے دو“۔ آٹا پیسنے والے نے کہا مجھے چار درہم ادا کرو جو میں چکی کے مالک کو ادا کروں گا۔ یزدجرد نے اپنی تلوار اور کمر بند دے دیا اور کہا ”یہ لے لو“۔ چکی والے نے اپنا کمبل بچھا دیا۔ یزدجرد بہت تھکا ماندہ تھا پڑ کے سو گیا۔ جب وہ گہری نیند کے مزے لینے لگا تو چکی والے نے چکی راہنے کی سلاخ ہاتھ میں لی اور اٹھ کے اُسے مار ڈالا۔ پھر اس کے جملہ ملبوسات وغیرہ اتار لیے اور اُسے دریا میں پھینک دیا۔

صبح ہوئی تو پکار پڑی اور اہل ایران ترکوں پر ہر جانب سے ٹوٹ پڑے۔ خاقان شکست کھا کر ریگستان میں گھس گیا۔ جنگ سے فارغ ہو کر لوگ بادشاہ کو ڈھونڈنے لگے۔ اس کا کوئی نشان نہ ملا۔ آخر کھوج لگاتے لگاتے چکی والے کے پاس پہنچ گئے۔ دیکھا کہ وہ پانی میں مرا پڑا ہے۔ پوشاک اس کی چکی والے کے پاس پڑی مل گئی۔

یہ حضرت عثمانؓ کے خلافت کے چھٹے سال کا واقعہ ہے۔ ہجری کا تیسواں سال تھا۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی گویا اہل فارس کی حکومت ختم ہو گئی۔ اہل ایران نے مرگ یزدجرد سے نیا سن شروع کیا جو ان میں تاحال مروج ہے۔ مابو یہ اہل مرو کے ذریعے بھاگا کہ مبادا وہ اسے قتل کر ڈالیں اور اہل شہر میں جان بھر اور وہیں رہائی عدم ہوا۔

عبداللہ بن خازم سلمی نے سرخس کی جانب کوچ کیا اور اسے مسخر کر لیا۔ عبداللہ بن مرثدہ کرمان و جہان پر چڑھائی کی اور دونوں علاقے فتح کر لیے۔

حضرت علی بن ابی طالب کی بیعت

اس کے بعد حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل کے بعد تین روز تک مسلمان بلا امام رہے۔ حضرت عافقی لوگوں کو نماز پڑھا دیتے تھے۔ آخر لوگوں نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جب بیعت ہو چکی تو حضرت علیؓ نے خطاب کیا ”اے لوگو! تم نے میری بیعت انہی شرائط پر کی ہے جن شرائط پر میرے پیشروؤں کی بیعت کی تھی۔ انتخاب کا حق بیعت سے قبل ہوتا ہے۔ جب بیعت ہو گئی تو انتخاب ختم ہو گیا۔ پھر امام کا فرض یہ ہے کہ سیدھی راہ پر گامزن رہے اور رعیت کا فرض یہ ہے کہ سر تسلیم خم کرے۔ یہ بیعت بیعت عام ہے جو اسے قبول نہ کرے گا وہ اسلام سے دور ہو جائے گا۔ بیعت سوچ سمجھ کر عمل میں لائی گئی ہے۔ ناگہانی طور پر ظہور میں نہیں آئی۔“

اب حضرت علیؓ نے لوگوں کو مطلع کیا کہ وہ عراق کی سمت کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شام پر ان دنوں امیر معاویہ بن ابی سفیان کی حکومت تھی۔ جنہیں حضرت عمرؓ نے سات برس اور حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کا سارا عرصہ یعنی بارہ برس اس

منصب پر برقرار رکھا تھا۔ یہ سن کر تین افراد کے سوا سبھی نے حضرت علیؓ کے کوچ کرنے کی تائید کی۔ وہ تین افراد یہ تھے: سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمرؓ اور بن مسلمہ انصاریؓ۔ اسی اثنا میں حضرت علیؓ نے مختلف صوبجات میں اپنے گورنروں کو روک دیا۔ عثمان بن حنیفؓ کو بصرے کا گورنر مقرر کیا۔ غمارہ بن حسانؓ کو کوفہ کا۔ عمارہ ہجرت کرنے والوں میں سے تھے۔ عبداللہ بن عباسؓ کو تمام سرزمین یمن کا۔ قیس بن سعد بن عبادہؓ کو مصر کا اور سہل بن حنیفؓ کو شام کا۔ مگر سہلؓ جب تبوک کے مقام پر پہنچے جو شام کی سرحد پر واقع ہے تو انہیں امیر معاویہ کے سوار ملے اور انہیں واپس کر دیا۔ وہ حضرت علیؓ کے پاس آ گئے۔ اس وقت حضرت علیؓ کو یہ معلوم ہو گیا کہ معاویہ مخالفت کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ نیز یہ بھی پتہ چل گیا کہ اہل شام نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ اتنے میں موسم حج آ گیا اور حضرت زبیرؓ و طلحہؓ نے حضرت علیؓ سے حج کی اجازت حاصل کر لی۔ حضرت عائشہؓ عمرہ کرنے کی غرض سے پہلے ہی وہاں تشریف لے جا چکی تھیں۔ جب وہ رخصت ہوئی تھیں تو ابھی حضرت عثمانؓ محصور تھے۔ یہ ان کے قتل سے بیس روز پہلے کی بات ہے۔ پھر جب وہ عمرہ کر چکیں تو وہیں ٹھہر گئیں۔ اب حضرت زبیرؓ و طلحہؓ بھی ان کے پاس پہنچ گئے۔

حضرت علیؓ نے امیر معاویہؓ کے نام خط لکھا ”ابا بعد! حضرت عثمانؓ جس آفت کا شکار ہوئے تمہیں معلوم ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ لوگوں نے متفقہ طور پر میری بیعت کر لی ہے۔ اب خواہ سلامتی کے حلقے میں داخل ہو جاؤ۔ خواہ جنگ کی راہ اختیار کرو۔“ یہ خط حجاج بن غزیہ انصاریؓ کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ انہوں نے امیر معاویہؓ کے پاس پہنچنے کے بعد حضرت علیؓ کا خط پیش کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے پڑھا اور کہا ”تم اپنے آقا کے پاس واپس

چلے جاؤ۔ میرا قصد میرا خط لے کر تمہارے پیچھے پیچھے آتا ہے۔

تجارت واپس چلے گئے۔ اب امیر معاویہؓ نے ورق طلب کیے۔ ایک کو دوسرے سے جوڑا۔ پھر انہیں پیٹا۔ ان پر حرف "بسم اللہ الرحمن الرحیم" تحریر کر دیا۔ عنوان نامہ یہ تھا۔ "معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے علی بن ابی طالب کے نام" اور وہ خط ایک عیسیٰ شخص کو جو بڑا چرب زبان اور دلیر تھا دے کر روانہ کر دیا۔ عیسیٰ حضرت علیؓ کے پاس حاضر ہوا اور خط دے دیا۔ انہوں نے خط کھولا وہاں "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اس وقت حضرت علیؓ کے پاس بہت سے روساء و اشراف موجود تھے۔

اب عیسیٰ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا "اے لوگو! آپ میں کوئی بنو عیسٰی کا فرد بھی موجود ہے۔" انہوں نے جواب دیا "ہاں"۔ کہا "تو پھر میری زبان سے سن لو اور میری طرف سے یہ دشمن نشین کر لو کہ میں اپنے پیچھے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو چھوڑ آیا ہوں جنہوں نے قیص۔ عثمان کے سائے میں رو رو کر اپنی داڑھیوں کو رنگ لیا ہے۔ انہوں نے وہ قیص نیزوں پر اٹھا رکھی تھی اور خدا سے یہ عہد کر رکھا تھا کہ جب تک عثمان کے قاتلوں کو حلاک نہیں کر لیتے تم لوگوں کو نیا م میں نہیں کریں گے یا یہ کہ خود ان کی رو میں بھی اللہ سے جائیں۔"

یہ سن کر خالد بن زفر عیسیٰ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "قسم خدا کی اے قاصد شام تو بہت برا قصد ہے۔ کیا تو مہاجرین و انصار پر شام کے عساکر اور قیص۔ عثمان کے زیر سایہ ان کے گریہ و زاری کا رعب ڈالتا ہے۔ خدا کی قسم نہ وہ قیص قیص۔ یوسف ہے۔ نہ وہ غم غم۔ یہ قیص ہے۔ یہ شام میں عثمان پر رونے والے وہی ہیں جنہوں نے ان کو عراق میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا تھا۔"

اسی اثنا میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا "اے امیر المؤمنین آپ کو صاحب رسول ہونے کا شرف حاصل ہے (آپ کو معاویہ کے مقابلے میں کیا خطرہ ہے) لہذا آپ معاویہ کو شام کی گورنری پر بحال رکھیں۔ اسی طرح حضرت عثمان کے دیگر گورنروں کو بھی بحال رہنے دیں۔ جب آپ کو ان کی اطاعت و بیعت حاصل ہو جائے تو پھر چاہے ان کی جگہ کسی اور کا تقرر کر دیں خواہ انہیں کو رہنے دیں۔" اس پر حضرت علیؓ نے کہا "میں اس مسئلہ پر غور کروں گا۔"

اس وقت تو مغیرہ بن شعبہؓ چلے گئے۔ اگلے روز پھر آئے اور کہا "اے امیر المؤمنین۔ کل میں نے جس رائے کا اظہار کیا تھا اس پر بعد میں غور کیا تو پتہ چلا کہ وہ درست نہ تھی۔ آپ جلد از جلد معاویہؓ و دیگر عثمانی گورنروں کو معزول کر دیں۔ اس طرح معلوم ہو جائے گا کہ مطیع کون ہے اور باغی کون اور پھر آپ ہر ایک کا بدلہ چکا سکیں گے۔" یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ جارہے تھے کہ عبداللہ بن عباسؓ آگئے اور آ کے حضرت علیؓ سے پوچھا "آپ کے پاس مغیرہ کس غرض سے آئے تھے۔" حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو مغیرہ کے گزشتہ روز اور اس روز والے مشورہ سے آگاہ کیا۔ سن کر ابن عباسؓ بولے "مطلب یہ ہوا کہ کل انہوں نے آپ کو خلاصانہ مشورہ دیا تھا مگر آن آپ کو بل دیا ہے۔"

"حضرت مغیرہ تک بھی بات پہنچ گئی۔ چنانچہ انہوں نے کہا "ابن عباسؓ سچ کہتے ہیں۔ میں نے اخلاص کے ساتھ رائے دی تھی مگر جب علیؓ نے اسے رد کر دیا تو میں نے بھی بیان بدل لیا۔" پھر جب لوگ اس ضمن میں باہم الجھنے لگے تو مغیرہ کے چلے گئے۔ وہاں تین ماہ قیام رہا وہاں مدینے کی راہ لی۔

آخر حضرت علیؑ نے اعلان کر دیا کہ ”لوگو! عراق کی جانب کوچ کر بنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہ بن کر سعد بن ابی وقاصؓ، عبد اللہ بن عمرؓ بن خطاب اور بن مسلمہؓ ان کے پاس آئے۔“ علیؑ نے ان سے کہا ”مجھ تک آپ کی کچھ باتیں پہنچی ہیں جنہیں میں نے پسند نہیں کیا۔“ اس پر حضرت سعدؓ نے کہا ”جو کچھ آپ تک پہنچا وہ صحیح ہے۔ آپ مجھے کوئی ایسی تلوار دے دیں جو مسلم اور کافر میں تمیز کر سکتی ہو تاکہ میں اسے ہاتھ میں لے کر آپ کی معیت میں جنگ کروں۔“

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا ”میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ آپ مجھے ایسے کام پر مجبور نہ کریں جس سے میں آگاہ نہیں ہوں۔“ محمد بن مسلمہؓ نے کہا ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ہدایت فرمائی تھی کہ جب تک تمہاری تلوار سے مشرک قتل ہوتے رہیں تم لڑتے رہو اور جب اہل صلاۃ مارے جانے لگیں تو اسے کوہ احد کی کسی چٹان پر مار کے توڑ دینا۔ تو کل میں نے اسے توڑ دیا۔“ اس کے بعد وہ تینوں رخصت ہو گئے۔ اتنے میں حضرت اسامہ بن زیدؓ علیؑ کے پاس آئے اور کہا ”اس معاملے میں مجھے اپنے ہمراہ جانے سے معاف فرمائیے کیونکہ میں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے کہ جو شخص اشد ان لا الہ الا اللہ کہے گا میں اس سے نہ لڑوں گا۔“

جب اشتر کو اس بات کا علم ہوا تو حضرت علیؑ کے پاس آیا اور کہا ”اے امیر المؤمنین، ہم اگرچہ مہاجرین و انصار میں سے نہیں مگر ہم بڑے نیکو کار تابعین ہیں۔ یہ لوگ ان معاملات میں تقدم کے مالک ہیں جو ہم سے قبل ظہور میں آئے۔ اس معاملے میں جس میں ہم بھی ان کے شریک و سہم ہیں، انہیں ہم پر کوئی تقدم حاصل نہیں۔ یہ بیعت بیعت عام تھی اب جو اس سے عیدگی اختیار کرتا ہے وہ گویا بھالا بھی مارتا ہے اور بھلائی کا

طالب بھی ہے۔ لہذا آپ ان لوگوں کو جو چلنا نہیں چاہتے پہلے زبانی آمادہ کیجیے کہ چلیں اور جب انکار کریں تو سزائے قید دے کر راہ پر لائیے۔“

مگر حضرت علیؑ نے کہا ”میں انہیں کچھ نہ کہوں گا۔ وہ جانیں اور ان کی رائے۔“

اور جب حضرت علیؑ نے عراق کی سمت کوچ کرنے کا تہیہ کر لیا تو شرفائے انصار جمع ہو کر حضرت علیؑ کے پاس حاضر ہوئے۔ عقبہ بن عامرؓ نے جو بدری صحابہ میں سے تھے گفتگو کا آغاز کیا اور کہا ”اے امیر المؤمنین! مسجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نماز کی سعادت اور ان کے مزار اور منبر کے مابین آمد و رفت سے محرومی ایسا نقصان ہے جس کا بدلہ وہ شے ہرگز نہیں جس کو آپ عراق میں حاصل کر لینے کی توقع رکھتے ہیں۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ اہل شام کے خلاف جنگ کرنے کی خاطر جانا ضروری ہے تو جان لیجیے کہ عمرؓ ہمارے ہی پاس ٹھہرے رہے تھے۔ جنگ قادسیہ میں ان کی نمائندگی کا حق سعد بن وقاصؓ نے ادا کر دیا اور جنگ امواز میں ابو موسیٰ اشعریؓ نے۔ ان لوگوں کے ہم پایہ لوگ آپ کے پاس بھی موجود ہیں۔ مرد یکساں رہتے ہیں زمانہ گزراں رہتا ہے۔“ حضرت علیؑ نے جواب دیا ”اموال بھی عراق میں ہیں اور افراد بھی۔ حملہ اہل شام پر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ شام سے قریب رہوں۔“ پھر کوچ کا فقرہ بجا کے رخصت ہو چلے۔ لوگ بھی ہمراہ روانہ ہو گئے۔“

جنگ جمل (جمادی الآخرہ 36ھ)

کہتے ہیں کہ جب حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ نے حج کر لیا تو قتل عثمان کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔ حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ نے کہا ”اگر آپ متفق ہوں تو ہم خون۔ عثمان کا دعویٰ کیے دیتے ہیں۔“ حضرت عائشہؓ نے پوچھا ”آپ ان کے

خون کا دعویٰ کس پر کریں گے؟ انہوں نے کہا "وہ لوگ تو جانے پہچانے ہیں، علی کے خاص معتمد اور ان کے اصحاب کے سربراہ۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ ہم اپنے تجازی ہمراہیوں کو لے کر بصرہ میں پہنچیں۔ جب اہل بصرہ آپ کو دیکھیں گے تو متحد و متفق ہو کر آپ کی اعانت پر اتر آئیں گے۔" آخر حضرت عائشہ ان کے ہمراہ جانے پر رضامند ہو گئیں اور چل دیں۔ لوگ ان کے دائیں بائیں ہو گئے۔

جب علی مدینے سے کوفہ کا ارادہ لے کر نکلے تو انہیں حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ کے معاملے کی بھی خبر ہو گئی لہذا اپنے ساتھیوں سے کہا "یہ لوگ بصرے کی جانب جا رہے ہیں اور کسی سوچی سمجھی تدبیر کے تحت جا رہے ہیں۔ آذان کا تعاقب کریں۔ ممکن ہے ہم ان کے بصرہ پہنچنے سے قبل انہیں جالیں کیونکہ اگر وہ بصرے میں وارد ہو گئے تو وہاں کے تمام باشندے ان کے ساتھ ہو جائیں گے۔" لوگوں نے جواب دیا "اے امیر المؤمنین! ہمیں لے چلیے۔" مگر جب وہ منزلیں ہارتے ہوئے مقام "ذی قار" پر پہنچے تو پتہ چلا کہ حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ کی جمعیت بصرے میں پہنچ چکی ہے اور بنی سعد کے سوا باقی تمام اہل شہر نے ان کی بیعت بھی کر لی ہے۔ بنی سعد نے ان لوگوں کے ساتھ اشتراک عمل سے انکار کر دیا اور اہل بصرہ سے کہا "ہم نہ تمہاری مدد کریں گے نہ مخالفت۔" اسی طرح کعب بن سور بھی ان سے کنارہ کش ہو کر اہل و عیال سمیت خانہ نشین ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عائشہ ان کے گھر پہنچ گئیں۔ یہ دیکھ کر وہ بولے "یہ بات مجھے پسند نہیں کہ ماں کا حکم نالوں۔" کعب بصرے کے عامل۔ قضا تھا۔

جب اس امر کی اطلاع حضرت علیؓ کو ملی تو انہوں نے حاشم بن عتبہ بن ابی

وقاس کو کوفہ میں بھیجا تاکہ وہ اہل کوفہ کو ہمراہ چھٹنے پر آمادہ کریں۔ پھر حاشم کے پیچھے اپنے فرزند حضرت حسنؓ اور حضرت عمار بن یاسرؓ کو بھی روانہ کر دیا۔ غرضیکہ تینوں روانہ ہو پڑے اور کوفہ میں جا پہنچے۔ ان دنوں ابو موسیٰ کوفہ میں موجود تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھے تھے لوگ ارد گرد تھے اور وہ لوگوں سے کد رہے تھے "اے اہل کوفہ! میری بات مانو تو اہل عرب کا مرکز و محور بن جاؤ گے۔ مظلوم تمہارے پاس پناہ گزین ہوں گے اور کوفہ زندگان مامون۔ اے لوگو! جب فتنہ آتا ہے تو مشتبہ ہوتا ہے۔ لوٹنا ہے تو واضح ہو جاتا ہے۔ مگر یہ انتشار خیز فتنہ نہ جانے کہاں سے آرہا ہے اور کون اُسے لا رہا ہے۔ اپنی تلواریں نیام میں کرلو۔ نیزوں کی سنا میں نکال دو، کمائوں کی تانتیں توڑ دو۔ گھروں کے تنگ تر گوشوں میں لگ کر کے بیٹھ رہو۔ اے لوگو فتنے کے عالم میں سونے والا بیدار سے بہتر ہے، کھڑا رہنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہے۔"

اتنے میں حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسرؓ بڑی مسجد میں جا پہنچے۔ لوگوں کا ہجوم حضرت ابو موسیٰ کے گرد تھا اور وہ اُن سے یہ اور اسی قسم کی دیگر باتیں کد رہے تھے۔ اس پر حضرت حسنؓ نے ان سے کہا "آپ ہماری مسجد کو چھوڑ دیں اور جہاں جی چاہے تشریف لے جائیں۔" ازاں بعد حضرت حسنؓ حضرت عمار بن یاسرؓ کی معیت میں منبر پر چڑھ گئے اور لوگوں سے لشکر میں شامل ہونے کی اپیل کی۔ یہ سن کر حضرت حجر بن عدی الکندیؓ جو کوفہ کے بزرگ ترین افراد میں سے تھے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا "مسلح و غیر مسلح ہر حالت میں شامل لشکر ہو جاؤ۔ خدا تم پر رحم کرے۔" ان کی بات پر لوگوں نے ہر طرف سے رضا مندی کا آواز بلند کیا اور کہا "امیر المؤمنین کا حکم سر آنکھوں پر۔ ہم ہر حالت میں چل دیں گے۔ فراخی ہو خواہ تنگی، سختی ہو خواہ نرمی۔"

بہر حال لوگ اگلی صبح کو تیار ہو کر نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت حسنؑ نے انہیں گن، وہ کل نو ہزار پانچ سو جواں مرد تھے۔ یہ سارے حضرت علیؑ کے ”ذی قار“ سے رخصت ہونے سے قبل ان کے پاس پہنچ گئے اور جب منہ اندھیرے حضرت علیؑ کو جھگڑنے لگے تو مناد کو حکم دیا کہ وہ سارے لشکر میں کوچ کی منادی کر دے۔ اس وقت حضرت حسنؑ نے ان کے قریب آ کے کہا ”ابا جان! جب حضرت عثمانؓ قتل ہوئے اور لوگوں نے آپ کے پاس سحر و شام آنا شروع کر دیا اور چاہا کہ آپ خلافت کا بار اٹھالیں تو میں نے مشورہ دیا تھا کہ جب تک ہر جانب کے لوگ متفقہ طور پر آپ کے سامنے سر تسلیم خم نہ کر دیں آپ یہ منصب قبول نہ فرمائیں اور پھر جب آپ کو زہر اور طلحہ کے حضرت عائشہؓ کے ہمراہ بصرے کی جانب کوچ کرنے کی اطلاع ملی تھی تو میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ مدینہ شریف کی طرف لوٹ جائیں اور گھر میں بیٹھ رہیں۔ اسی طرح جب حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا گیا تھا تو میں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ آپ مدینے سے باہر چلے جائیں۔ اگر عثمانؓ قتل بھی ہو گئے تو بہر حال آپ کی موجودگی میں نہ ہوں گے۔ مگر آپ نے کسی بھی معاملے میں میرا مشورہ قبول نہ کیا۔“

حضرت علیؑ نے جواب دیا ”یہ کہ میں ہر جانب کے لوگوں کی اطاعت کا انتظار کرتا تو یہ جان لو کہ بیعت (انتخاب غلیفہ) کا حق انہیں مہاجرین و انصار کو حاصل ہوتا ہے جو حرمین میں موجود ہوں۔ جب وہ لوگ اظہار رضا مندی کر چکیں اور سلام (خافت) کہ دیں تو باقی لوگوں پر اطاعت و تسلیم فرض ہو جاتی ہے۔ رہا میرا گھر کو لوٹنا اور جا کے بیٹھ رہنا تو جان لو کہ یہ امت کے ساتھ غداری ہوتی۔ پھر یہ کہ ایسا کرنے سے مجھے یہ اطمینان کیونکر حاصل ہو سکتا تھا کہ فتنہ سر نہ اٹھائے گا اور اس امت کا اتحاد

پارہ پاروندہ ہو جائے گا۔ رہا یہ کہ میں عثمانؓ کے محصور ہو جانے کے وقت مدینے سے نکل جاتا تو یہ میرے بس میں کب تھا، لوگوں نے مجھے بھی تو اسی طرح گھیر رکھا تھا جس طرح عثمانؓ کو، لہذا اپنا جان جس معاملے کو میں تم سے بہتر جانتا ہوں تم اس میں دخل نہ دو۔“

ازاں بعد حضرت علیؑ نے اپنی جمعیت سمیت کوچ کیا اور بصرے کے قریب پہنچ کر دستے مرتب کر دیے۔ پرچم اور علم تقسیم کر دیے۔ کل لشکر کو سات دستوں میں بانٹ دیا۔ بنو حمیر اور ہمدان کا ایک دستہ بنا کر سعید بن قیس ہمدانی کو ان کا قائد مقرر کیا۔ بنو مدحج اور اشعر سین کا ایک دستہ بنا کر زیاد بن نصر حارثی کو ان کا امیر مقرر کیا۔ بنو طے کا ایک دستہ بنا کر عدی بن حاتم کو ان کا قائد مقرر کیا۔ بنو قیس، عبس اور زبان کا ایک دستہ بنا کر سعد بن مسعود ثقفی کو ان کا قائد مقرر کیا۔ یہ سعد مختار بن عبید ثقفی کا چچا تھا۔ بنو کنده، حضر موت اور قضاعہ اور مہرہ کا ایک دستہ بنا کر جریر بن عدی کنذی کو ان کا قائد مقرر کیا۔ بنو ازد، بنو جلیہ، خثعم اور خزاعہ کا ایک دستہ بنا کر خثعم بن سلیم ازدی کو ان کا قائد مقرر کیا۔ بنو بکر، تغلب اور ربیعہ کی شاخوں کا ایک دستہ بنا کر محمد و ج ذہلی کو ان کا قائد مقرر کیا۔ سارے قریش و انصار اور دیگر اہل حجاز کا ایک دستہ بنا کر عبداللہ بن عباس کو ان کا قائد مقرر کیا۔ یہ بھی لوگ اسی طرح سات گروہوں میں جنگ جمل میں بھی شریک تھے۔ صفین میں بھی اور نہروان میں بھی۔ پیدل سپاہ کے قائد جنذب بن زہیر ازدی تھے۔

جب حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو یہ اطلاع ملی کہ حضرت علیؑ لشکر سمیت کوچ کر کے ”خریبہ“ تک آ پہنچے ہیں تو انہوں نے بھی اپنے لشکر کو منظم کیا اور دستے مرتب کر کے علم بانٹ دیے۔ رسالے کا قائد محمد بن طلحہؓ کو اور پیادوں کا عبداللہ بن زبیرؓ کو مقرر کیا۔ شہ

نشان عبداللہ بن حرام بن خویلد کے حوالے کیا۔ بنو ازد کا علم کعب بن سور کے سپرد کر کے اسے مہینہ کا کماندار مقرر کیا۔ قریش اور کنانہ کی قیادت عبدالرحمن بن عتاب بن اسید کے سپرد کی۔ میسرہ کی قیادت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کو سونپ دی اور یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ اگر میں اس معاملے میں گھر سے نکلنے کی بجائے وہیں بیٹھی رہتی تو یہ بات میرے نزدیک رسول خدا کی نشانی کے طور پر حاصل ہونے والی دس بیٹیوں اور عبدالرحمن بن حارث بن ہشام کی دانش و طاعت سے زیادہ عزیز ہوتی۔ اسی طرح انہوں نے بنو قیس کا مجاشع بن مسعود کو، بنو تیم رباب کا عمرو بن شریب کو، بنو قیس، انصار اور بنو ثقیف کا عبداللہ بن عامر بن کریر کو، بنو خزاعہ کا عبداللہ بن خلف خزاعی کو، بنو قضاہ کا عبدالرحمن بن جابر راہبی کو و مدحج کا ربیعہ بن زیاد حارثی کو اور بنو ربیعہ کا عبداللہ بن مالک کو کماندار متعین کر دیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ تین روز تک ٹھہرے رہے اور اہل بصرہ کے پاس قاصد روانہ کر کے انہیں اطاعت قبول کرنے اور جماعت میں شامل ہو جانے کی دعوت دیتے رہے۔ مگر کامیابی نہ ہوئی چنانچہ جمہرات کے روز کہ جمادی آخرہ میں سے دس روز گزر چکے تھے انہوں نے حریفوں کی جانب پیش قدمی کی۔ مہینہ کی قیادت اشتر کے پاس تھی۔ میسرہ کی حضرت عمار بن یاسرؓ کے پاس۔ بذا علم ان کے اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کے ہاتھ میں تھا۔ چلتے چلتے اتنے قریب جا پہنچے کہ ان کی صفیں حریفوں کی صفوں سے جا ملیں تاہم انہوں نے اپنے لشکر کو سپیدہ سحر سے لے کر صلاۃ ظہر تک روکے رکھا۔ وہ مسلسل اپنے مخالفین کو بلاتے اور واسطے دیتے رہے۔ دوسری طرف اہل بصرہ اپنے اپنے جھنڈوں تلے صف آرا تھے۔ حضرت عائشہؓ کا ہودہ لشکر کے

آگے تھا۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت زبیرؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عمار بن یاسرؓ بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں تو وہ اپنے موقف سے متعلق شش و پنج میں پڑ گئے۔ اس لیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ”حق عمارؓ کے ساتھ ہوگا۔ اے عمار تجھے ایک باغی گردہ قتل کرے گا۔“

کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اہل بصرہ کی صفوں کے قریب آئے اور حضرت زبیرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ قریب آ کے ان سے جو کہنا ہو کہ لیں۔ اس پر حضرت زبیرؓ آئے اور علیؓ کے قریب پہنچ گئے۔ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں باہم مل رہی تھیں۔ علیؓ نے کہا ”اے ابو عبداللہ! میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ کیا تمہیں وہ دن یاد ہے جب ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ جا رہے تھے۔ میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں تھا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا ”کیا تمہیں علیؓ سے محبت ہے۔“ تم نے جواب دیا تھا ”جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ“۔ اس پر انہوں نے فرمایا تھا ”مگر تم اس سے جنگ کرو گے اور یہ اس کے حق میں تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی۔“ حضرت زبیرؓ نے کہا ہاں مجھے وہ بات یاد ہے یہ کہ کے حضرت علیؓ واپس اپنی جمعیت میں پہنچے اور ساتھیوں سے کہا ”ان پر حملہ کر دو ہم اتمام حجت کر چکے۔“ چنانچہ دونوں لشکر ایک دوسرے پر پل پڑے۔ نیزے بھی چلے اور تلواریں بھی۔ اتنے میں حضرت زبیرؓ اپنے بیٹے عبداللہ کے قریب آئے جن کے ہاتھ میں شہ نشان تھا اور ان سے کہا ”بیٹا میں تو واپس جا رہا ہوں۔“ عبداللہ نے کہا ”ابا جان وہ کیونکر۔“ جواب دیا ”میں اس معاملے میں سوچو جو مجھ سے محروم ہوں۔ مجھے علیؓ نے ابھی ابھی ایک بات یاد دلائی ہے

جو میرے ذہن سے اتر چکی تھی۔ بیٹا تم بھی میرے ساتھ واپس چلے چلو۔“ عبد اللہ نے کہا: ”بخدا میں تو نہ جاؤں گا۔ تاکہ خدا ہمارے مابین فیصلہ کر دے۔“ بہر حال حضرت زبیرؓ نے انہیں چھوڑا اور بصرے کی راہ لی تاکہ وہاں سے اپنا سب کچھ لاد لے کر حجاز کی جانب چلے جائیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب طلحہؓ کو حضرت زبیرؓ کے لوٹ جانے کا علم ہوا تو انہوں نے بھی رخصت ہو جانا چاہا مگر مروان کو ان کے ارادے کا علم ہو گیا لہذا انہیں تیر مارا جو ان کے گھٹنے میں جا لگا اور اس قدر خون بہا کہ وہ جانبر نہ ہو سکے۔

بہر حال حضرت زبیرؓ بصرے میں جا داخل ہوئے اور اپنے غلاموں سے کہا کہ سامان لادیں اور ان سے آئیں۔ خود خریہ کی جانب نکل گئے۔ جاتے ہوئے اخف بن قیس کے پاس سے گزرے۔ وہ اپنے گھر کے صحن میں بیٹھے تھے۔ ارد گرد ایسے اور بھی کئی افراد جمع تھے جو جنگ سے کنارہ کش رہے تھے۔ اخف نے کہا: ”یہ زبیرؓ ہیں اور یہ کسی وجہ سے واپس آئے ہوں گے۔ کون ہے جو ان کی حقیقت حال معلوم کر کے بتائے؟“ چنانچہ عمرو بن جرموز نے ان سے کہا: ”میں آپ کو آ کے بتاتا ہوں۔“ یہ کہا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ تلوار لگالی اور حضرت زبیرؓ کے پیچھے پیچھے روانہ ہو پڑا۔ یہ نماز ظہر سے پہلے کی بات ہے۔ جلد ہی وہ ان سے جا ملا۔ اس وقت وہ بصرے کے محلوں سے باہر نکل چکے تھے اور پوچھا: ”اے ابو عبد اللہ! آپ نے لوگوں کو کس عالم میں چھوڑا؟“ انہوں نے جواب دیا: ”جب میں چلا تو وہ ایک دوسرے کے منہ پر تلواریں مار رہے تھے۔“ پوچھا: ”اب آپ کہاں چلے؟“ جواب دیا: ”میں اپنے دل کی ایک کیفیت کے باعث لوٹ رہا ہوں۔ میں اس معاملے کو ٹھیک سے سمجھ نہیں پایا۔“ عمرو نے کہا: ”میں بھی خریہ ہی جا رہا ہوں آپ میرے ساتھ ہی چلیں“ اور پھر دونوں

چلے گئے۔ اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت زبیرؓ نے کہا: ”یہ نماز کا وقت ہے اور میں پڑھ لینا چاہتا ہوں۔“ عمرو نے کہا: ”میں بھی پڑھ لینا چاہتا ہوں۔“ حضرت زبیرؓ بولے تم میری طرف سے امان میں ہو۔ کیا میں بھی تمہاری طرف سے امان میں ہوں؟“ عمرو نے کہا: ”جی ہاں“ پھر وہ دونوں اتر پڑے اور حضرت زبیرؓ نے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ جب وہ سجدے میں گئے تو عمرو نے ان پر تلوار سے وار کیا اور قتل کر ڈالا۔ پھر ان کی زرہ، تلوار اور گھوڑا لے کر حضرت علیؓ کے پاس جا پہنچا۔ وہ کھڑے تھے اور لوگ ان کے ارد گرد تلواروں کے جوہر دکھا رہے تھے۔ عمرو نے جا کے ہتھیاراں ان کے سامنے پھینک دیے۔ جب حضرت علیؓ نے تلوار دیکھی تو کہا: ”یہ وہ تلوار ہے جس کی مدد سے اس کا مالک عرصہ دراز تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے کرب کے آثار مٹاتا رہا ہے۔ خوش ہو جاؤ اے قاتل، ابن حنفیہؓ کہ تم جہنم واصل ہو گے۔“ عمرو بولا: ”ہم آپ کے دشمنوں کو ہلاک کریں اور آپ ہمیں جہنم کی خوش خبریاں دیں۔“

کہتے ہیں کہ ازاں بعد علیؓ نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہؓ کو حکم دیا کہ علم آگے بڑھاؤ۔ محمد کے ہاتھ میں شہ نشان تھا انہوں نے اُسے آگے بڑھا دیا۔ اس وقت اہل بصرہ عبد اللہ بن زبیرؓ کے گرد جم گئے ہوئے تھے۔ قیادت انہیں کے سپرد کر رکھی تھی۔ جب محمد بن حنفیہؓ جھنڈا لے کر آگے بڑھے تو اہل بصرہ نے ان کا نیزوں اور تلواروں کے ساتھ استقبال کیا۔ چنانچہ وہ علم بدست رک گئے۔ لہذا علم ان کے ہاتھ سے حضرت علیؓ نے لے لیا اور دیگر لوگوں کے ہمراہ ہلہ بھول دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد علم پھر اپنے بیٹے کے سپرد کر دیا۔ اب لوگ دھڑا دھڑا کرنے لگے۔ آتشِ حرب بھڑک اٹھی، جو لوگ اونٹ کے ارد گرد تھے وہ اوھڑا دھڑا منتشر ہو گئے۔ کعب بن سور مارے گئے لیکن بنو ازد

اور ضہ ڈٹے رہے اور جان تو ڈکڑے۔

جب حضرت علیؑ نے اہل بصرہ کی ثابت قدمی دیکھی تو اپنے حامی اصحاب کو اکٹھا کیا اور کہا ”یہ لوگ تو بہت تاؤ کھائے ہوئے ہیں لہذا انہیں جنگ کا مزہ چکھا دو“ اس پر اشتر، عدی بن حاتم، عمرو بن حمق اور عمار بن یاسرؓ اپنے آدمیوں کی ایک جمعیت لے کر نکل گئے۔ عمرو بن یثربؓ نے اپنی جمعیت لے کر جو اہل بصرہ کے سینہ کا حصہ تھی کہا ”یہ لوگ جو تمہاری طرف آرہے ہیں عراقی ہیں اور یہی قاتلین عثمان ہیں۔ لہذا جانے نہ پائیں“ عمرو نے بنوضہ کو اپنی جمعیت کے آگے آگے رکھا۔ اب تو عجمسان کا رن پڑا۔ ہودے پر تیروں کی بارش ہونے لگی یہاں تک کہ وہ خار پشت کی طرح نظر آنے لگا۔ اونٹ لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور ہودے پر لوہے کے پترے منڈھے ہوئے تھے۔

فریقین نے ایک دوسرے کے مقابل بڑی پامردی کا مظاہرہ کیا۔ جسم دھڑا دھڑا گر رہے تھے۔ وہ غبار تھا کہ تاریکی چھا گئی۔ پرچم اور علم خون آلود ہو گئے۔ اسی اثنا میں خود علیؑ نے بھی حملہ کر دیا اور یوں لڑے کہ تلوار دوہری ہو گئی۔ اس وقت ایک بھری سوار برآمد ہوا نام اس کا عمرو بن اشرف تھا۔ اصحاب علیؑ میں سے جو کوئی بھی آتا وہ اُسے مار ڈالتا۔

آخر اُس کے مقابلے کو ایک کوفی حارث بن زہیر از دی نکلا جو حضرت علیؑ کے بہادر شہسواروں میں سے تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر وار کرنے لگے دونوں نے ایک دوسرے کو کاری ضرب لگائی۔ دونوں گرے اور دونوں ایڑیاں رگڑتے ہوئے چل بسے۔ کہتے ہیں کہ اب اہل بصرہ کی جمعیت چھٹ چکی تھی اور اشتر اونٹ تک جا پہنچا

تھا۔ نکیل حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ میں تھی۔ اشتر نے اپنے آپ کو عبداللہ پر گرا دیا۔ وہ اوپر تھا اور عبداللہ نیچے۔ عبداللہ لکارے ”مجھے اور مالک کو قتل کر دو“۔

یہ سن کر عبداللہ کے ساتھی ان کی طرف بھاگ کر آگئے اور جب اشتر کو جان کے لالے پڑے تو حضرت عبداللہ کے اوپر سے اٹھ کھڑا ہوا اور وار پر وار کرتا ہوا اپنے ساتھیوں کی جانب بچ کر نکل گیا۔ گھوڑا اس کا بھاگ گیا تھا اس لیے وہاں جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا ”تجھے تو محض عبداللہ کے اس قول نے بچا لیا کہ مجھے اور مالک کو مار ڈالو۔ لوگ یہ نہ جانتے تھے کہ مالک کون ہے۔ اگر عبداللہ کہتے کہ مجھے اور اشتر کو مار ڈالو تو وہ مجھے مار ڈالتے۔“

عدی بن حاتم کی لڑتے لڑتے ایک آنکھ اڑ گئی۔ عمرو بن حمق زہاد۔ اہل کوفہ میں سے تھے۔ زہاد کی پوری جمعیت نبرد آزما تھی۔ حق یہ ہے کہ عمرو بن حمق جان تو ڈکڑے یہاں تک کہ ان کی تلوار دوہری ہو گئی اور وہ اپنے بھائی رباح کی طرف مڑے۔ رباح نے کہا ”بھائی آج ہم جو کچھ کر رہے ہیں کیا خوب ہے بشرطیکہ غلبہ ہمیں کو حاصل ہو۔“

کہتے ہیں کہ علیؑ نے دیکھا کہ اہل بصرہ اونٹ کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں۔ ذرا چھٹے ہیں تو پھر لوٹ آتے ہیں اور گھیر لیتے ہیں لہذا عمار، سعید بن قیس اور قیس بن سعد بن عبادہ، اشتر، محمد بن ابی بکر اور اپنے دیگر حامی رفقاء سے کہا ”جب تک یہ اونٹ ان لوگوں کے پیش نظر ہے یہ لڑتے چلے جائیں گے۔ اگر اس کی کونچیں کاٹ دی جائیں اور وہ گر پڑے تو پھر انہیں روکنے والی کوئی شے نہیں ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علیؑ کے بعض جانباز ساتھیوں کے ہمراہ اونٹ پر ہلہ بول دیا۔ اہل بصرہ اونٹ کے گرد سے چپے گئے چنانچہ ایک کوفی سردار ضبیعہ نامی اونٹ کے پاس بھا بھنچا اور تلوار سے اس کی

کوئیں کاٹ ڈالیں، وہ بلبلا تا ہوا گر پڑا اور مردوں کے ڈھیر میں ڈوب گیا۔ ہودہ حضرت عائشہ سمیت زمین پر آ رہا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکر سے کہا ”جاؤ ہمیشہ کی خبر لو“۔ چنانچہ محمد قریب آیا اور ہودے میں ہاتھ ڈال کے حضرت عائشہ کا پڑا پکڑا۔ ان کے منہ سے یہ نکلا ”انا للہ۔ تو کون ہے، تجھے تیری ماں ڈھونڈے اور نہ پائے“ محمد نے جواب دیا ”میں آپ کا بھائی ہوں۔ محمد“

ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اپنی جمعیت میں یہ منادی کرا دی ”جو منہ موڑیں ان کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ مال نہ لوٹا جائے۔ جس نے ہتھیار ڈال دیے اس کے لیے امان ہے۔ جس نے دروازہ بند کر لیا اس کے لیے بھی امان ہے۔“

کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے آدمی حریفوں کی لشکرگاہ میں سونے چاندی اور دیگر مال اسباب کے پاس سے گزر گزر جاتے تھے مگر وہ اس اسلحہ کے سوا جو انہوں نے جنگ میں استعمال کیا تھا یا ان گھوڑوں کے سوا جن پر وہ سوار ہو کر لڑے تھے دیگر کسی چیز سے تعرض نہ کرتے تھے۔ اس پر بعض رفقاء نے حضرت علیؓ سے پوچھا ”اے امیر المومنین! یہ کیا ہے کہ ہمارے لیے ان سے جنگ کرنا حلال ہے مگر انہیں غلام بنانا اور ان کے اموال پر قبضہ کرنا حلال نہیں؟“ اس کا جواب حضرت علیؓ نے یہ دیا کہ ”نہ موصدین کو غلام بنایا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کا مال بطور غنیمت لیا جاسکتا ہے، سوا اس چیز کے جس کے ساتھ اور جس کی بدولت ان کی جنگ ہوئی ہو۔ لہذا تم جس چیز کو نہیں جانتے اسے جانے دو اور جس بات کا حکم دیا گیا ہے اس پر کاربند رہو۔“

کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے محمد بن ابوبکر کو ہدایت کی کہ وہ حضرت عائشہؓ کے

قیام کا اہتمام کرے چنانچہ اس نے انہیں عبداللہ بن خلف خزاعی کے یہاں اتارا۔ عبد اللہ خود تو اس روز کام آگیا تھا لہذا حضرت عائشہؓ کی میزبانی عبداللہ کی بیوی صفیہؓ نے کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ سے کہا ”دیکھ بھال لیا؟ تمہاری ہمیشہ کے کوئی چوٹ تو نہیں آئی“۔ جواب دیا ”انکی کلائی پر ایک تیر کی خراش ہے جو لوہے کے پتروں کے درمیانی شکاف میں سے داخل ہو گیا تھا۔“

بہر حال حضرت علیؓ بصرہ پر قابض ہو گئے اور پھر بڑی مسجد میں پہنچے۔ لوگ ان کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے منبر پر چڑھ کر خدا کی حمد و ثنائیاں کی اور رسول خدا ﷺ پر درود کہا اور فرمایا ”اما بعد! خدا کی رحمت و وسیع ہے اور عقوبت دردناک۔ اے اہل بصرہ، میرے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے۔ اے عورت (حضرت عائشہؓ) کے سپاہیو اور جانور (اونٹ) کا اتباع کرنے والو اونٹ بلبلا یا اور تم لڑ پڑے اس کی کوئیں کاٹی گئیں تو تم بھاگ نکلے۔ تمہارے اخلاق بیہودہ، تمہارے بیان فرسودہ اور تمہارا پانی آلودہ۔ تمہاری سر زمین پانی سے قریب اور آسمان سے دور۔ خدا کی قسم عنقریب وہ دور آئے گا کہ یہ شہر سمندر میں ڈوب جائے گا۔ مساجد کے میناروں کے سوا جو صدر سفینہ کی طرح دکھائی دیں گے اور کچھ نظر نہ آئے گا۔ جاؤ اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔“ یہ کچھ کر منبر سے اتر آئے اور لشکرگاہ میں جا کے محمد ابی بکرؓ سے کہا ”تم اپنی ہمیشہ کے ساتھ جاؤ اور انہیں مدینہ میں پہنچا کے جلدی کوفہ میں مجھ سے آن ملو“ مگر حضرت علیؓ نے کہا ”کوئی معافی نہیں۔ تمہیں جانا ہی ہوگا۔“ چنانچہ محمد حضرت عائشہؓ کے ساتھ گیا اور انہیں مدینہ میں پہنچا دیا۔

حضرت علیؓ نے بصرے کا گورنر عبداللہ بن عباسؓ کو بنا دیا اور خود وہاں سے

رخصت ہو گئے۔ جب بمقام سر بد پہنچے تو بھرے کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا ”خدا ہی لائق حمد و ثنا ہے۔ اُس نے مجھے اس علاقے سے نکالا جس کی مٹی بُری ہے جو بہت جلد خرابہ بننے والا ہے جو پانی سے بہت ہی قریب اور آسمان سے بہت ہی دور ہے“ اور جب کوچ کرتے ہوئے کوفے کے قریب پہنچے تو کہا ”واہ دامیرے کوفے! تیری ہوا کیا خوشبودار ہے۔ تیری خاک کیا پُر غذا ہے جو یہاں سے جائے گا وہ گناہ کی پاداش میں جائے گا جو آئے گا سو وہ رحمت کے سائے میں آئے گا۔ تھوڑے ہی عرصے میں تیرا یہ عالم ہوگا کہ ہر مومن تیری راہ لے گا اور ہر فاجر کے لیے یہاں ٹھہرنا دو بھر ہو جائے گا۔ تو یوں آباد ہوگا کہ تیرا ساکن صبح سویرے نماز جمعہ کی خاطر گھر سے نکلے گا مگر تیری وسعت کے باعث وقت پر پہنچ نہ سکے گا۔“

کہتے ہیں کہ ان کی کوفے میں تشریف آوری منگل کے روز ہوئی تھی۔ ماہ رجب ۳۶ھ کی بارہ تاریخ تھی جب وہاں پہنچے تو ان سے عرض کیا گیا؟“ اے امیر المومنین! کیا آپ قصر میں رہائش اختیار کریں گے؟“ جواب دیا ”مجھے اس میں رہنے کی خواہش، اس لیے نہیں کہ عمر بن خطاب اسے ناپسند کرتے تھے۔ میں تو میدان میں ڈیرو ڈالوں گا۔“ پھر بڑی مسجد میں آئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور میدان میں اتر پڑے۔

کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کوفے میں پہلا جمعہ پڑھنے کے موقع پر خطبہ میں کہا تھا ”حمد و ثنا کا مستحق خدا ہے، میں اسی کا حمد گو ثنا خوان ہوں۔ اُسی سے اعانت کا خواستگار اور ہدایت کا طلبگار ہوں۔ اسی پر میرا ایمان ہے اور اسی پر بھروسہ۔ گمراہی اور بربادی سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ جسے خدا ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا جسے خدا گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے

سوا کوئی معبود نہیں اُس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ خدا کے بندے ہی تھے اور رسول بھی۔ خدا نے انہیں اپنی رسالت کے لیے منتخب کر لیا اور اپنے امر کی تبلیغ کے لیے مخصوص کر دیا۔ اپنی مخلوق کو ان کے حق میں مہربان کر دیا اور خلق کو ان کے لیے محبوب بنا دیا۔ چنانچہ انہوں نے خدا کے پیغام کی بخوبی تبلیغ کی اور اپنی امت کی خیر خواہی کا حق ادا کر دیا۔ جو فرض ان پر عائد تھا اُسے بطریق احسن سرانجام دیا۔ ﷺ۔ اے بندگان خدا میں تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتے رہو۔ خدا سے ڈرتے رہنے کی تلقین بہترین تلقین ہے جو بندگان خدا کو باہم کرنی چاہیے۔ یہ تلقین خدا کی خوشنودی کو قریب تر کر دیتی ہے اور خدا کے نزدیک بہترین انجام امور یہی ہے۔ تم لوگوں کو خدا سے ڈرتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تمہیں بھلائی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ جس چیز کے ضمن میں خدا تمہیں اپنی عقوبت سے متنبہ کرتا ہے تم اس کے قریب مت پھٹو کیونکہ اس نے تمہیں جس عقوبت سے ڈرایا ہے وہ بڑی شدید ہوگی۔ خدا کی عظمت کے خیال سے کانپنا تعزیر نہیں ہے۔ نمود و نمائش کے شوق سے بچ کر کام کرو۔ جس نے خدا کے سوا کسی اور کی خاطر کوئی کام کیا، خدا نے اسے اسی کے سپرد کر دیا جس کی خاطر اس نے کام کیا تھا۔ جس نے کوئی کام خالصتاً خدا کی خاطر کیا، خدا نے اُسے اپنا لیا اور پھر وہ ایسے شخص کی عظیم ترین آرزوئیں پوری کر دیتا ہے۔ خدا کے عذاب سے لرزاں رہو۔ جان لو کہ اس نے تمہیں بے مقصد پیدا نہیں کیا اور تمہارے معاملے کو بے باز پرس نہیں چھوڑ دیا۔ تمہارا ہر نشانِ عمل اُس کے یہاں واضح ہے۔ (یوں گویا وہ نام والی کوئی شے ہے) وہ تمہارے بھیدوں سے آگاہ ہے، تمہارے اعمال کا محاسبہ کرتا ہے۔ اس نے تمہاری میعادیں مقرر کر دی ہیں۔ لہذا چاہیے کہ دنیا تمہیں فریب نہ دے

کیونکہ وہ اپنے سائیکلو کو دھوکا دینے کی عادی ہے۔ دھوکا اُس نے کھایا جو اُس کے دائرے میں آیا۔ چلو عدم کی طرف یہ کچھ نہیں۔ آخرت ہی دارالقرار ہے۔ ہم خدا سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں مراتب عطا کرے شہیدوں کے۔ رفاقت بخشے پیغمبروں کی اور معیت ارزانی کرے سعادت مندوں کی۔ ہم خدا ہی کے باعث ہیں اور خدا ہی کی خاطر۔

ازاں بعد انہوں نے مختلف علاقوں کی جانب اپنے عامل روانہ کر دیے۔ سارے مدائن اور بخاری کا یزید بن قیس ارحسی کو جبل و اصفہان کا محمد بن سلیم کو، یہ قباذات کا قرط بن کعب کو، کسک اور مشمولات کسک کا قدامہ بن عجلان ازدی کو، بہرہیر اور اس کے پرگنوں کا عدی بن حارث کو اور استان عالی کا حسان بن عبداللہ بکری کو، استان زوالی کا سعد بن مسعود کو، ثقفی اور بختا مشمولات بختان کا ربیع بن کاس کو حاکم مقرر کر دیا اور پورے خراسان کی حکومت خلید بن کاس کے سپرد کر دی۔

خلید کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ خراسان کے قریب پہنچے تو انہیں اطلاع ملی کہ اہل نیشاپور نے بغاوت کر دی ہے اس لئے کہ ان کے پاس کابل سے کسریٰ کی ایک بیٹی پہنچ گئی تھی اور وہ سب اس کی طرف جھک پڑے تھے۔ چنانچہ خلید نے ان سے جنگ کی اور شکست دے کر بنت کسریٰ کو شرط امان پر گرفتار کیا اور حضرت علیؑ کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ ان کے حضور میں لائی گئی تو انہوں نے دریافت کیا ”کیا تم میرے اس بیٹے کے ساتھ شادی کرنا پسند کرو گی؟“ اشارہ حسینؑ کی طرف تھا۔ وہ بولی ”میں کسی بھی ایسے شخص کے ساتھ شادی نہ کروں گی جس کے اوپر کوئی اور بھی ہو، اگر آپ خود شادی کرنا چاہیں تو میں رضا مند ہو جاؤں گی۔“ انہوں نے فرمایا ”میں تو بوڑھا

ہوں اور یہ میرا بیٹا فلاں فلاں کمالات کا مالک ہے۔“ بولی ”مجھے جو کچھ کہنا تھا کہ ہاں۔“ اس پر عراق کے سرداروں میں سے ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا۔ نام اس کا نرسی تھا اور کہا ”آپ کو معلوم ہے کہ میں مملکت کے خالص شاہی خاندان سے بھی ہوں اور اس کے اقربا میں سے بھی۔ اسے مجھ سے بیاہ دیجیے۔ حضرت علیؑ نے کہا ”اپنے وجود پر جو اختیار اسے ہے وہ کسی اور کو نہیں۔“ ازاں بعد شہزادی سے کہا ”تم جہاں چاہو جاؤ اور جس سے چاہو شادی کر لو۔ کسی سے مت ڈرو۔“

حضرت علیؑ نے موصل، نصیبین، دارا، سنجا، آمد، میافارقین، ہیبت عانات اور سرزمین شام سے میں مفتوحہ جس قدر علاقے تھے ان سب کی زمام حکومت اشتر کے ہاتھ میں دے دی۔ اشتر روانہ ہو گیا۔ راستے میں ضحاک بن قیس فہری سے آمنا سامنا ہوا جو اس نواح پر معاویہ کی طرف سے حکمران تھا۔ چنانچہ حران اور رقة کے مابین ایک مقام پر جسے مرج کہتے ہیں شام تک معرکہ رہا۔ اس بات کی اطلاع معاویہؓ کو پہنچی تو انہوں نے سواروں کا ایک بہت بڑا لشکر عبدالرحمن بن خالد بن ولید کی قیادت میں روانہ کر دیا۔ جب کمک کی آمد آمد کا اشتر کو پتہ چلا تو وہ موصل چلا گیا اور وہاں دیکھ کر معاویہؓ کی جانب سے آنے والے عساکر کا مقابلہ کرنے لگا۔ جلد ہی بعد جنگ صفین وقوع پذیر ہوئی۔

جنگ۔ صفین

جنگ صفین کی جھڑپوں کا آغاز شروع صفر ۳۷ھ میں ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ سوار شام کی طرف بھاگے تاکہ امیر معاویہؓ کو قتل کیا۔

عثمانؓ کی سناؤنی سنائیں اور انہیں ان کے خون کا دعویٰ کرنے پر اکسائیں۔ چنانچہ ایک روز جبکہ معاویہؓ مجلس آرا تھے ایک شخص ان کے پاس پہنچا اور کہا: "اے امیر المومنین! السلام علیکم۔"

معاویہؓ نے جواب دیا: "علیکم السلام" تم کون ہو؟ بھلا ہو تیرے باپ کا میں کب غلیفہ بنا ہوں کہ تم نے مجھے سلام۔ خلافت کہہ دیا ہے۔ میں تو ڈر گیا ہوں۔" اس نے کہا: "میں حجاج بن خزیمہ بن الیقتمہ ہوں۔" پوچھا: "کیسے آئے ہو؟" کہا: "میں عثمانؓ کی خبر موت پہنچانے آیا ہوں۔"

نیز یہ کہا کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جو یزید بن اسد کی معیت میں حضرت عثمانؓ کی مدد کو نکلے لیکن ان تک پہنچ نہ سکے۔ مجھے راہ میں ایک شخص ملا۔ میرے ہمراہ حارث بن زفر تھا۔ ہم دونوں نے اس سے پوچھا: "کوئی نئی بات؟" اس نے ہمیں قتل عثمانؓ کی خبر سنا دی۔ اس کا بیان تھا کہ وہ بھی قاتلین عثمانؓ کے حامیوں میں سے تھا۔ لہذا ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ میں آپ کوئی بتا دوں کہ جو قوت آپ کو حاصل ہے وہ علیؓ کو میسر نہیں۔ آپ کے پاس وہ لوگ ہیں کہ آپ چپ ہوں تو وہ بات نہیں کرتے۔ جب آپ بولیں تو وہ چپ رہتے ہیں اور جب آپ حکم دیں تو وہ جرس نہیں کرتے۔ مگر دوسری طرف جو لوگ علیؓ کے پاس ہیں ان کا عالم یہ ہے کہ جب علیؓ بولیں تو وہ بھی بولنا شروع کر دیتے ہیں اور جب علیؓ چپ ہو جائیں تو وہ پوچھنا شروع کر دیتے ہیں۔ لہذا آپ کا قلیل ان کے کثیر سے بہتر ہے۔ علیؓ کو آپ کی عداوت ہی پسند ہے۔ وہ اس عراق کو لے کر خوش نہیں ہو سکتے جس میں شام شامل نہ ہو حالانکہ آپ اس شام کو لے کر خوش ہو جائیں گے جس میں عراق شامل نہ ہو۔ غرضیکہ حجاج بن

خزیمہ نے آ کے امیر معاویہؓ کو جو کچھ بتایا اور سنایا اس نے انہیں بہت ہی بے تاب کر دیا۔ حضرت علیؓ نے جریرؓ بن عبداللہؓ بکلی کو جو حضرت عثمانؓ کی طرف سے زحر بن قیسؓ بعضی کے اشتراک سے سرزمین جبل کے عامل تھے خط لکھا کہ ان کی بیعت کر لیں۔ چنانچہ جریرؓ نے خود بھی بیعت کر لی اور اپنے ماتحت علاقے کے لوگوں سے بھی بیعت لے لی۔ اس کے بعد زحرؓ سفر باندھا اور کوفہ میں پہنچ گئے۔

حضرت علیؓ نے اسی مضمون کا ایک خط اشعث بن قیس کے نام لکھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا سارا عرصہ آذربائجان میں گورنر کی حیثیت سے مقیم رہے تھے۔ ان کی حکمرانی بھی ان امور میں سے تھی جن کی بنا پر لوگ حضرت عثمانؓ سے بگڑ بیٹھے تھے۔ اس لیے کہ حضرت عثمانؓ نے اشعث کے ساتھ نسبتی رشتہ قائم ہونے پر انہیں حاکم بنایا تھا۔ رشتہ یہ تھا کہ اشعث کی بیٹی اپنے بیٹے سے بیاہ دی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آذر بائجان کا اکثر و بیشتر حصہ اشعث ہی نے مسخر کیا تھا۔ اس علاقے میں اشعث کا بڑا رعب و خوف تھا۔ انہوں نے وہاں بہبود کے کئی کام کیے تھے اور بڑی مشقت اٹھائی تھی۔ حضرت علیؓ کا یہ خط اشعث کے پاس زیاد بن مرحب لے گیا تھا۔ اشعث نے حضرت علیؓ کی بیعت کر لی۔ پھر کوچ کر کے کوفہ میں آئے اور ان کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اب حضرت علیؓ نے جریرؓ بن عبداللہؓ بکلی کو معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ وہ انہیں بھی حلقہ اطاعت میں شامل ہونے اور بیعت کر لینے کی دعوت دیں اور اگر وہ انکار کریں تو انہیں جنگ کے لیے تیار رہنے کے لیے کہ دیں۔ اس پر اشعث نے کہا: "کسی اور کو بھیجے مجھے ان کی پابندی پر بھروسہ نہیں۔" مگر علیؓ نے اشعث کی بات پر کوئی توجہ نہ دی۔ بہر حال جریرؓ حضرت علیؓ کا خط لے کر معاویہؓ کی طرف چل دیے۔ جب

معاویہ کے یہاں پہنچے تو اس وقت ان کے پاس کئی شامی رؤسا موجود تھے۔ انہوں نے خط دے دیا اور کہا ”یہ حضرت علیؑ کا خط ہے آپ کے اہل شام کے نام۔ وہ آپ کو حلقہ اطاعت میں داخل ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ دونوں حرم، کوفہ و بصرہ، دونوں حجاز، یمن، بحرین، عمان، یمامہ، مصر، فارس، جبل اور خراسان سب مجتمعاً انہیں خلیفہ مان چکے ہیں۔ آپ کے اس علاقے کے سوا اور کوئی علاقہ باقی نہیں اور اگر حضرت علیؑ کی سیال وادیوں میں سے ایک وادی بھی اس ملک کی طرف بہ نکلی تو یہ ڈوب جائے گا۔

امیر معاویہ نے خط کھولا اور پڑھا ”بسم اللہ الرحمن۔ خدا کے بندے علی امیر المومنین کی جانب سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام۔ اما بعد! آپ پر اور جن کے آپ نمائندے ہیں ان پر میری بیعت لازم ہے۔ اس لیے کہ میں مدینہ میں ہوں اور آپ لوگ شام میں ہیں۔ اس لیے کہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی بیعت کی تھی۔ ازاں بعد نہ کسی حاضر کو کوئی حق انتخاب حاصل رہا اور نہ کسی غائب کو حق تردید۔ کہ معاملہ مہاجرین و انصار کی رائے ہی سے فیصلہ ہوتا ہے اور جب مہاجرین و انصار کسی مرد مسلم کے ضمن میں متفق ہو جائیں اور اُسے امام قرار دے دیں اور ظاہر ہے کہ اس معاملے میں خالصتاً رضائے الٰہی پیش نظر ہوتی ہے تو پھر کسی کو ان کے فیصلے سے کسی ناپسندیدگی یا نہ گواری کے باعث سرتابی کی اجازت نہیں ہوتی۔ جو حلقہ اطاعت سے باہر قدم رکھے اُسے واپس لایا جاتا ہے اور جو واپس آنے سے انکار کرے اس سے جنگ واجب ہے اس لیے کہ اس نے وہ راہ اختیار کی جو مومنوں کی راہ نہیں ہے۔ خدا اسے اس کے کیے کا ذمہ دار قرار دے کر جہنم رسید کرتا ہے اور جہنم بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ لہذا آپ بھی اس امر پر متفق ہو جائیں جس پر مہاجرین

و انصار متفق ہیں۔ آپ کے ضمن میں بھی اور ان کے ضمن میں بھی جن کے نمائندے آپ ہیں عافیت و سلامت ہی ہر شے سے زیادہ بہتر ہے آپ یہ بات مان لیں تو فہما ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ آپ نے قاتلین۔ عثمانؓ کے بارے میں بہت زیادہ داویلا مچایا ہے۔ پہلے آپ دوسروں کے ہمراہ داخل حلقہ اطاعت ہوں اور پھر قوم سے کہیں کہ مجھ سے محاکمہ کرے۔ میں آپ کو اور انہیں احکام قرآن اور سنت نبویؐ کی راہ پر ڈال دوں گا۔ رہی وہ بات جو آپ چاہ رہے ہیں تو یہ بچے کو دھوکا دے کر دودھ پینے سے روک دینے کے مترادف ہے۔“

اس پر امیر معاویہؓ نے اپنے کنبے کے اکابر کو جمع کر کے اپنی صورت حال کے ضمن میں مشورہ طلب کیا۔ ان کے بھائی عقبہ بن ابی سفیان نے کہا ”آپ اپنے موقف کے حق میں عمرو بن عاصؓ سے مدد طلب کریں۔ عمروؓ ان دنوں اپنی جاگیر میں جو فلسطین کی حدود میں شامل تھی مقیم تھے۔ انہوں نے فتنہ و فساد میں کوئی حصہ نہ لیا تھا۔ چنانچہ معاویہؓ نے لکھا ”طلحہ، زبیرؓ اور امو المومنین کے معاملہ میں علیؑ کی کاروائی کا آپ کو علم ہوگا۔ اب جریر بن عبد اللہ آئے ہیں کہ ہم سے علیؑ کی بیعت لیں۔ میں نے اپنا فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا ہے۔ آپ آئیں۔ میں اس معاملے میں آپ سے تبادلہ خیال کرنا چاہتا ہوں۔ والسلام“

اس پر عمروؓ بن عاصؓ نے رخت باندھا اور معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے صاحبزادے عبد اللہ اور محمد بھی ہمراہ تھے۔ عمروؓ جانتے تھے کہ معاویہؓ کو ان کی ضرورت ہے۔ چنانچہ معاویہؓ نے ان سے کہا ”اے ابو عبد اللہ ہمیں تین معاملات درپیش ہیں جن کے مقابلے میں نہ بھاگتے بنتی ہے نہ ٹھہرتے۔“ عمروؓ نے پوچھا ”وہ کیا

ہیں۔“ جواب دیا ”سب سے پہلا معاملہ یہ ہے کہ محمد بن ابوحذیفہ قید خانہ توڑ کر اپنی جمعیت سمیت مصر کی جانب مفرور ہو گیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ ہمارے شدید ترین دشمنوں میں سے ہے۔ دوسرا معاملہ یہ ہے کہ قیصر روم نے لشکر جمع کر لیے ہیں اور شام پر حملہ کر کے ہم سے ٹرنا چاہتا ہے۔ تیسرا معاملہ یہ ہے کہ جریر بن عبد اللہ بجلي علی بن ابی طالب کے قاصد بن کر آئے ہیں اور ہم سے علی کی بیعت کا مطالبہ کرتے ہیں اور بصورت انکار جنگ کے لیے تیار ہو جانے کی دھمکی دیتے ہیں۔“

عمر نے جواب دیا ”ابن حذیفہ زندان سے نکل کر اپنے ساتھیوں سمیت مفرور ہو گئے اور یہ معاملہ آپ کی پریشانی کا باعث ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آپ تعاقب میں سواروں کے دستے روانہ کریں۔ اگر اس پر قابو پالیں تو فبھا۔ قابونہ پاسکیں تو بہر حال وہ آپ کو کوئی ضرر نہیں پہنچانے کا۔ رہا قیصر تو اسے اطلاع دے دیں کہ آپ کے پاس جتنے رومی قیدی ہیں آپ انہیں رہا کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی اس امر کا اظہار بھی کریں کہ آپ صلح و آشتی کے طالب ہیں۔ وہ فوراً اس بات کو مان لے گا اور اتنی سی بات پر آپ سے راضی ہو جائے گا۔ مگر علی بن ابی طالب کا معاملہ جدا ہے۔ ظاہر ہے کہ مسلمان انہیں اور آپ کو برابر نہیں جانتے۔“ معاویہ نے کہا ”مگر لوگوں کو قتل عثمان پر علی ہی نے ابھارا۔ فتنہ انہی نے پکایا۔ جمعیت کو انہیں نے پریشان کیا۔“

عمر نے جواب دیا ”اگر انہوں نے آپ کے بقول یہ سب کچھ کیا بھی ہو تو جب بھی انہیں اسلام کے معاملے میں جو سبقت اور رسول خدا سے جو قربت حاصل ہے وہ آپ کو نہیں۔ تاہم بات یہ ہے کہ اگر میں آپ کی مدد کروں اور آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں تو مجھے کیا ملے گا؟“

معاویہ نے کہا ”جو آپ فرمائیں۔“ عمرو نے جواب دیا ”جب تک زمام اللہ ار آپ کے ہاتھ میں رہے مصر کو میرا قلمہ قرار دے دیں۔“

معاویہ ڈرائش و بیخ میں پڑ گئے پھر بولے ”اے ابو عبد اللہ اگر میں چاہوں کہ آپ کو فریب دوں تو دے سکتا ہوں۔“

عمر نے جواب دیا ”میرے جیسے شخص کو فریب نہیں دیا جاسکتا۔“

معاویہ نے کہا ”ذرا میرے قریب آئیں ایک راز کی بات کرنی ہے۔“

عمر وان کے قریب ہوئے تو معاویہ بولے ”یہ ہے فریب حالانکہ اس وقت گھر میں میرے اور آپ کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں۔“

پھر کہا ”کیا آپ جانتے ہیں کہ مصر بھی عراق کے ہم پلہ ہے؟“

عمر نے جواب دیا ”یہ ایک الگ بات ہے کہ مصر میرے حصے میں اس وقت ہو گا جب دنیا آپ کے زیر نگین ہوگی اور عراق آپ کو اس وقت ملے گا جب آپ علی پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔“

معاویہ اس مسئلے میں پھر متاثر ہوئے اور عمر و اٹھ کر جائے پیام کی طرف چلے گئے۔ اس وقت عقبہ نے معاویہ سے کہا ”کیا آپ کو یہ پسند نہیں کہ مصر دے کر عمر کو خرید لیں اور اس طرح نڈیا کا بہترین شور با آپ کے حصے میں آجائے۔ یعنی شام آپ سے کوئی نہ چھین سکے۔“

معاویہ نے عقبہ سے کہا ”یہ رات ہمارے ہی یہاں بسر کرو۔ چنانچہ عقبہ نے رات وہیں بسر کی۔“

لہذا صبح ہوئی تو عمر کو بلوایا اور اس کا مطالبہ مان لیا۔ پھر اس ضمن میں دونوں

کے مابین اقرار نامہ تحریر ہو گیا۔ اب معاویہؓ نے عمروؓ سے اپنے معاملے میں مشورہ طلب کیا اور کہا ”بتائیں کیا رائے ہے؟“

عمروؓ نے کہا ”اس بیعت سے متعلق اہل عراق کے احوال آپ کو خوب ترین شخص کی طرف سے معلوم ہو چکے ہیں۔ میں آپ کو یہ رائے نہ دوں گا کہ آپ اہل شام کو اپنی خلافت کی طرف راغب کریں کیونکہ اس میں عظیم خطرات پوشیدہ ہیں۔ پہلے آپ اکابر شام کو اس ضمن میں اپنا ہم خیال بنائیں کہ علیؓ ہی نے لوگوں کو قتل کیا۔ عثمانؓ پر اکسایا تھا۔ یہ بات ان کے دلوں میں خوب راسخ کریں۔ یہ بھی جان لیں کہ اہل شام کا سر تاج شریحیل بن سمط کنڈی ہے اُسے بلوائیں اور اس کی راہ پر جگہ جگہ ایسے آدمی متعین کر دیں جو اسے بتاتے جائیں کہ عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا تھا۔ وہ آدمی ایسے ہونے چاہیں جو اس کے نزدیک باعتبار ہوں۔ یہ وہ کلمہ ہے جو اہل شام کو آپ کے حق میں متحد کر دے گا۔ پھر اگر یہ بات شریحیل کے دل میں بیٹھ گئی تو کوئی چیز اسے نکال نہ سکے گی۔“

یہ سن کر معاویہؓ نے یزید بن اسد، بشر بن ارطاة، سفیان بن عمرو، مخارق بن حارث، حمزہ بن مالک، حابس بن سعد اور دیگر کئی ایسے افراد کو بلایا جو شریحیل کے نزدیک پسندیدہ لوگوں میں سے تھے اور انہیں اس کی راہ پر متعین کر دیا۔ ازاں بعد کچے بعد دیگرے جو بھی مل رہا ہے یہی کہے جا رہا ہے کہ علیؓ نے لوگوں کو قتل عثمانؓ پر اکسایا تھا۔ یہاں تک کہ بات اس کے دل میں پوری طرح جا گزری ہو گئی۔

جب شریحیل دمشق کے قریب پہنچا تو معاویہؓ نے اکابر دمشق کو اس کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ انہوں نے اس کا استقبال کیا، اس کی بڑی تعظیم کی۔ ان تعظیم کرنے

والوں میں سے بھی جس کے ساتھ شریحیل ذرا تنہا ہوتا وہی اس کے کان میں یہ بات ڈال دیتی کہ جب وہ معاویہؓ کے پاس پہنچا تو غصے سے پھر رہا تھا۔ لہذا آتے ہی کہا ”سب لوگ مصر ہیں کہ علیؓ بن ابی طالب ہی نے عثمانؓ کو قتل کیا۔ خدا کی قسم اگر آپ نے علیؓ کی بیعت کی تو ہم آپ کو شام سے نکال باہر کریں گے۔“ معاویہؓ نے جواب دیا ”میں آپ کے حکم کی خلاف ورزی کیسے کر سکتا ہوں۔ میں تو آپ ہی میں سے ہوں۔“ شریحیل نے کہا ”تو اس شخص کو یعنی جریر بن عبد اللہ کو اس کے رفیق کی جانب واپس بھیج دیں۔“

شریحیل کی بات سے معاویہؓ پر یہ امر روشن ہو گیا کہ اہل شام اس کی پشت پر ہیں لہذا شریحیل سے کہا ”آپ جس امر کا قصد کر رہے ہیں یہ اس وقت تک مناسب نہیں جب تک رضائے عامہ اس میں شامل نہ ہو۔ لہذا آپ ملک شام میں گھوم پھر کے لوگوں کو بتائیں کہ ہم اپنے خلیفہ کے خون کا مطالبہ کر رہے ہیں اور ان سے مدد و معاونت کا عہد لیں۔“

چنانچہ شریحیل نے شامی قصبات میں گھومنا پھرنا شروع کر دیا۔ آج یہ شہر کل وہ۔ ہر جگہ اس کا آوازہ یہی تھا ”اے لوگو عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کر دیا۔ اس بات پر ایک جمیعت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی اور علیؓ سے لڑ گئی مگر علیؓ نے اس جمیعت کو تہ تیغ کر کے اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔“

فقط یہ ملک باقی رہ گیا ہے مگر اب علیؓ تلوار کا ندھے پر رکھے موت کے دریا میں کودیں گے اور تم تک آن پہنچیں گے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے قتل پر معاویہؓ سے بڑھ کر اور کوئی قادر نہیں لہذا اے لوگو اپنے خلیفہ کا انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔“ شریحیل کی بات پر سبھی نے لبیک کہا، البتہ اہل حمص کے ایک گروہ عباد وزہاد نے ہاں

میں ہاں نہ ملائی۔ انہوں نے کہا ”ہم تو اپنے گھروں اور اپنی مسجدوں میں پڑے ہیں آپ جائیں اور آپ کا کام“۔ جب معاویہؓ نے اہل شام کو رام کر لیا اور جان لیا کہ وہ اس کی بیعت کر چکے ہیں تو انہوں نے جریرؓ سے کہا ”اپنے رفیق کے پاس واپس چلے جائیں اور انہیں آگاہ کریں کہ میں اور اہل شام بیعت کے بارے میں ان کا حکم نہیں مانیں گے“۔

جب جریرؓ بن عبد اللہ حضرت علیؓ کے پاس واپس آئے تو لوگوں نے ان پر طرح طرح کے الزام لگانے شروع کر دیے۔ چنانچہ جب وہ اور اشتر حضرت علیؓ کے پاس اکٹھے ہوئے تو اشتر نے کہا ”خدا کی قسم جس غرض سے آپ نے ان کو (جریر) بھیجا تھا اگر مجھے بھیجتے تو میں معاویہؓ کا گلہ دہا دینے میں نرمی سے کام نہ لیتا۔ وہ کوئی دروازہ بھی ایسا نہ کھولنا چاہتا جسے میں بند کیے بغیر رہتا۔ میں اس کی ہر تدبیر کا تذکرہ پہلے سے سوچ لیتا۔“ جریر بوئے ”تمہیں ان کے پاس جانے سے کون روکتا ہے“۔ اشتر نے کہا ”اب تو آپ انہیں بگاڑ چکے ہیں اور بخدا میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آپ ان کے پاس گئے ہی ان کی دوستی اور محبت حاصل کرنے تھے۔ ثبوت اس کا یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی تیاریوں کا بار بار ذکر کرتے ہیں اور ہمیں ان کی فوجوں کی کثرت سے خائف کرتے ہیں۔ اگر امیر المومنین میرا کہنا مانیں تو آپ کو اور آپ جیسے دیگر مشکوک لوگوں کو زندان میں ڈال دیں اور جب تک خلافت کا معاملہ سیدھا نہیں ہو جاتا ہرگز رہانہ کریں“۔ اشتر کی اس گفتگو سے جریرؓ کو فصہ آیا۔ چنانچہ ایک شب وہ اپنے خانوادے کے کئی افراد کو ساتھ لے کر کوفہ سے نکل گئے اور قسریہ میں جا کے بس گئے۔ قسریہ جزیرہ کا ایک ضلع ہے۔

حضرت علیؓ کو جریرؓ کے اس طرح الگ ہو جانے کا بہت رنج ہوا۔ لہذا سوار ہو کر ان کے مکان پر پہنچے اور ان کی بیٹھک کو آگ لگوا دی۔ چنانچہ ابو زرعہ بن عمرو جو جریرؓ کے چچا زاد بھائی تھے باہر نکلے اور کہا ”مانا کہ وہ شخص (جریر) آپ کا قصور وار ہے مگر یہ مکان تو بہت سے ایسے لوگوں کا بھی مسکن ہے جنہوں نے آپ کا کوئی قصور نہیں کیا۔ آپ انہیں بھی ہراساں کر رہے ہیں“۔ اس پر حضرت علیؓ بوئے ”استغفر اللہ“ اور وہاں سے نکل کر جریر کے ایک اور ابن عم ثویسر بن عامر کے مکان میں چلے گئے۔ ثویسر حضرت علیؓ ہی کے ہمراہ مدینے سے کوچ کر کے آئے تھے۔ وہاں ذرا سی دیر کے اور پھر لوٹ گئے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ جنگ جمل سے فارغ ہوئے تو عبید اللہ بن عمرو کو خوف لاحق ہوا کہ مبادا وہ اسے ہرمزان کے قتل کے بدلے میں قتل کر دیں لہذا وہ کھسک کر معاویہ کے پاس جا پہنچا۔ معاویہ نے عمرو بن عاصؓ سے کہا ”خدا نے عبید اللہ بن عمروؓ کو ہمارے پاس بھیج کر ہمارے دلوں میں عمر بن خطابؓ کی یاد تازہ کر دی ہے“۔ پھر چاہا کہ وہ لوگوں میں اس امر کا چرچا کرے کہ خون عثمانؓ کے ذمہ دار حضرت علیؓ ہیں مگر اسے انکار کر دیا۔ لہذا معاویہؓ نے بھی اسے بے مصرف جان کے چھوڑ دیا مگر بعد میں پھر اس کی دلدادگی کی اور مقرب بنالیا۔

کہتے ہیں کہ جب اہل شام نے معاویہ کی اعانت کرنے اور ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا تو ابو مسلم خولانی ان کے پاس عابدوں اور زاہدوں کے ایک گروہ کی معیت میں آئے۔ خود ان کا اپنا شمار بھی شام کے عبادت شعار افراد میں ہوتا تھا۔ انہوں نے آ کر کہا ”اے معاویہؓ ہم نے سنا ہے کہ آپ علیؓ کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریاں کر

رہے ہیں مگر آپ اُن کے مد مقابل کیونکر بن بیٹھے ہیں۔ آپ کو ان جیسی کون سی سبقتیں حاصل ہیں۔ معاویہ بولے ”میں یہ دعویٰ کب کر رہا ہوں کہ فضل و شرف کی رو سے میں علیؑ کا ہم پایہ ہوں مگر کیا آپ نہیں جانتے کہ عثمانؓ کو بے گناہ قتل کر دیا گیا۔“

انہوں نے کہا ”ہاں۔“ کہا ”تو پھر علیؑ کو چاہیے کہ قاتلین عثمان کو ہمارے سپرد کر دیں، خلافت ہم ان کے سپرد کر دیں گے۔“

ابو مسلم نے کہا ”آپ یہ بات علیؑ کے نام تحریر کر دیں میں خود آپ کا خط لیکر جاؤں گا۔“ معاویہ نے خط لکھا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے علی بن ابی طالب کے نام۔ سلام علیکم۔ میں تمہیں اس خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اما بعد: خلیفہ عثمانؓ آپ کے جوار میں قتل ہوئے یوں کہ آپ ان کے گھر میں بچا ہونے والے واویلا اور فریاد کو سن رہے تھے مگر آپ نے ان کی مدافعت نہ کی فعلاً۔ خدا کی قسم اگر آپ صدق دل سے ان کے معاملے میں دلچسپی لیتے اور لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر باز رکھتے تو ہمارے نزدیک آپ کا ہمسر کوئی نہ تھا۔ اور دوسری چیز جو آپ سے بدگمان کرتی ہے یہ ہے کہ آپ نے قاتلین عثمانؓ کو اپنی پناہ میں لے رکھا ہے وہی لوگ آپ کے دست و بازو ہیں۔ وہی لوگ آپ کے مددگار اور رازدار ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ عثمانؓ کے خون سے بری ہونے کے مدعی ہیں اگر یہ بات ٹھیک ہے تو قاتلین عثمانؓ کو ہمارے سپرد کر دیں ہم قتل عثمانؓ کے بدلے میں ان کو قتل کر دیں گے اور فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے۔ اگر یہ نہیں سکتا تو پھر آپ اور آپ کے ساتھی یہاں تلوار کے سوا اور کسی شے کی توقع نہ رکھیں۔ قسم

ہے اس خدا کی جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہم قاتلین عثمانؓ کو خشکی میں بھی احوال دہیں گے اور تری میں بھی تا آنکہ انہیں ہلاک کر دیں یا یہ کہ خود ہماری روحیں اللہ کے پاس جا پہنچیں۔ والسلام۔“

ابو مسلم معاویہؓ کا خط لے کر کوفہ میں پہنچے۔ حضرت علیؑ کی خدمت میں □ حاضر ہوئے اور خط پیش کر دیا۔ جب وہ خط پڑھ چکے تو ابو مسلم نے ان سے کہا ”اے ابولحسن آپ نے ایک ذمہ داری سنبھالی ہے۔ آپ اس کے مستحق بھی ہیں۔ خدا کی قسم ہم نہیں چاہتے کہ وہ کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہو۔ بشرطیکہ آپ اپنی طرف سے اس کا حق ادا کریں۔ کوئی شک نہیں عثمانؓ کو بے گناہ قتل کیا گیا ہے لہذا آپ ان کے قاتل ہمارے سپرد کر دیں اور ہمارے امیر بن جائیں۔ پھر کوئی ہاتھ آپ کے مخالف کا فرما ہو تو ہمارے ہاتھ آپ کے مددگار ہوں گے، ہماری زبانیں آپ کی گواہ ہوں گی، آپ تمام حجت کر چکے ہوں گے۔ آپ کا عذر مقبول ہو چکا ہوگا“ حضرت علیؑ نے ابو مسلم سے کہا ”آپ کل صبح میرے پاس آئیں“ اور حکم دیا کہ انہیں نہایت عزت و احترام کے ساتھ رکھا جائے۔

اگلے روز صبح وہ حضرت علیؑ سے ملنے آئے۔ وہ اس وقت مسجد میں بیٹھے تھے۔ مگر دیکھا کہ کوئی دس ہزار سے زائد اشخاص پوری طرح مسلح ہیں اور پکار رہے ہیں ”ہم سب قاتلین عثمانؓ ہیں۔“ اس پر ابو مسلم نے حضرت علیؑ سے کہا ”میں ان لوگوں کو دیکھ رہا ہوں۔ ان پر آپ کا بس نہیں چل سکتا۔ میرا خیال ہے انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ میں آپ کے پاس کس غرض سے آیا ہوں اور وہ یہ حرکت اس لیے کر رہے ہیں کہ آپ کہیں انہیں میرے حوالے نہ کر دیں۔“

حضرت علیؑ نے کہا میں نے اس معاملے کو خوب چھان چھان کر دیکھا ہے۔ میری رائے میں ان کا آپ کے یا کسی اور کے سپرد کر دینا معاملے کو سلجھا نہیں سکتا۔ بیٹھے میں آپ کے خط کا جواب لکھتا ہوں اور پھر لکھا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم: خدا کے بندے امیر المؤمنین علیؑ کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام۔ اما بعد! بھائی خولان آپ کا خط لے کر آئے۔ جس میں آپ نے مجھ پر عثمانؓ سے قطع رحم اور ان کے خلاف لوگوں کو اکسانے کا الزام لگایا ہے حالانکہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ مرحوم نے لوگوں کو خود ہی اپنا دشمن بنالیا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بعض جان کے درپے ہوئے اور بعض ساتھ چھوڑ گئے۔ یہ دیکھ کر میں گھر میں بیٹھ رہا اور مرحوم کے معاملے سے دستکش ہو گیا۔ رہا یہ کہ آپ ضرور مجھی کو مجرم قرار دیں تو میں کیا لکھوں۔ جو جی میں آئے کہتے جائے۔ رہا یہ کہ میں قاتلین۔ عثمانؓ کو آپ کے سپرد کر دوں؟ تو میں اس خیال سے متفق نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کا یہ مطالبہ اس مقصد تک پہنچنے کا ایک راستہ ہوگا جو آپ کے پیش نظر ہے۔ آپ خون۔ عثمان کا بدلہ ہرگز نہیں چاہتے۔ خدا کی قسم اگر آپ اپنی اس گمراہی اور تفرقہ پردازی سے باز نہ آئے تو آپ پر وہی کچھ نازل ہوگا جو ایک تفرقہ پرداز، سرکش اور باغی پر نازل ہوا کرتا ہے۔

والسلام“

ساتھ ہی ایک خط حضرت عمرو بن العاص کے نام بھی تحریر کیا۔ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدا کے بندے علی امیر المؤمنین کی طرف سے عمرو بن العاص کے نام: اما بعد: دنیا اپنی طرف متوجہ کر کے باقی ہر شے سے غافل کر دیتی ہے اور دنیا کی طلب میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ جوں جوں اسے دنیا سے کچھ حاصل ہوتا ہے توں توں اس کی ہوس بڑھتی

چلی جاتی ہے لہذا جو کچھ حاصل ہو چکا ہوتا ہے وہ اُس سے جو حاصل نہیں ہوا ہوتا ہے نیا نہیں کرتا۔ حالانکہ ذرا آگے چل کے ہر ذخیرے اور اندوختے سے جدائی ہی جدائی ہے۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرے۔ لہذا معاویہؓ کے ساتھ اس کے باطل میں معاونت کر کے اپنے عمل کو تباہ و برباد مت کرو۔ معاویہؓ نے حق پس پشت ڈال دیا ہے اور باطل کو گلے لگا لیا ہے، والسلام“

عمرو بن العاص نے جواب دیا ”عمرو بن العاص کی طرف سے علی بن ابی طالب کے نام: اما بعد: جس شے میں ہم سب کی بہتری اور رفع افتراق پوشیدہ ہے یہ ہے، کہ آپ ہمارا مطالبہ مان لیں، یہ کہ ہم حق پر ہیں یا آپ اس امر کا فیصلہ شوریٰ کرے۔ لوگ ہمیں اس معاملے میں از روئے صداقت بری الذمہ قرار دے دیں گے۔

والسلام“

کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ نے اہل شام کی طرف کوچ کرنے کا تہیہ کیا تو اس اثنا میں یوم جعد آ گیا۔ آپ نے منبر پر چڑھ کے حمد و ثنائے الہی بیان کی اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھا پھر ارشاد کیا ”اے لوگو! کوچ کرو دشمنان۔ سنن اور دشمنان قرآن کی جانب۔ کوچ کرو قاتلین۔ مہاجرین و انصار کی طرف۔ کوچ کرو ان جفا پیشہ بزدلوں کی طرف جنہوں نے ڈاکے مارے اور ہادول خواستہ اسلام قبول کیا تھا۔ کوچ کرو ان لوگوں کی طرف جن کو غنیمت میں تالیف۔ قلب کے لیے حصہ ملتا تھا۔ کوچ کرو تاکہ لوگوں کو ان کے خوف سے بچالو“

اس وقت ہونفرارہ کا ایک فردار بدنامی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا ”کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے ہمراہ جا کے اسی طرح اپنے شامی بھائیوں کو ہلاک کریں جس طرح

آپ کی معیت میں جا کے اپنے بھری بھائیوں کو ہلاک کیا تھا۔ خدا کی قسم ہرگز ہرگز نہیں۔ اب ہم سے یہ نہ ہوگا۔

یہ سن کر اشتراٹھ کھڑا ہوا اور کہا ”اے لوگو! تم میں سے کون اس کا سر لے گا۔“
 فزاری یہ سن کر بھاگ اٹھا اور ایک جتھا اس کا تعاقب کرنے لگا آخر کناسہ کے مقام پر اس کو چالیا، اور اتنے جوتے مارے کہ وہ گر پڑا۔ پھر اسے روندنا شروع کر دیا یہاں تک کہ وہ چل بسا۔ جب حضرت علیؑ کو اس کا علم ہوا تو کہا مقتول جس کا قاتل نامعلوم ہے۔ جانے اسے کس نے مارا۔“ چنانچہ بیت المال سے اس کے وارثوں کو دیت ادا کر دی۔

آپ ہمیں لے کر اپنے دشمنوں کی سمت کوچ بول دیجیے۔ خدا کی قسم موت سے ڈرنے والا موت سے بچ سکتا۔ کسی بھی طالب۔ بٹا کو بقا حاصل نہ ہوگی۔ جو اس امید کے سہارے جیتا ہے فریب خوردہ ہے۔“

یہ سن کر سبھی اصحاب نے کوچ کرنے پر اظہار رضامندی کر دیا مسعود بن مسعود، عبیدہ سلمانی اور ربیع بن خثیم اور ان کے ساتھیوں کے جن کی تعداد چار سو کے لگ بھگ تھی۔ یہ سب لوگ قاری تھے۔ انہوں نے عرض کیا ”اے امیر المؤمنین با وصف اس کے کہ ہم آپ کی فضیلت کے قائل ہیں ہمارے نزدیک اس جنگ کا معاملہ مشکوک ہے۔ آخر آپ کو اور دیگر مسلمانوں کو ان لوگوں کی بھی ضرورت ہے جو مشرکین کے خلاف نبرد آزما ہوں لہذا آپ ہمیں مشرکین کی کسی سرحد پر متعین کر دیں کہ ہم وہاں کے ساکنوں کے خلاف صف آرا ہوں۔ حضرت علیؑ نے انہیں قزوین ورے کی سرحد پر متعین کر کے ربیع بن خثیم کو ان کا امیر مقرر کیا اور ایک جھنڈا ان کے سپرد کر دیا۔ یہ پہلا

جھنڈا ہے جو کوفے میں کسی کے سپرد کیا گیا۔

اسی اثنا میں حضرت علیؑ کو پتہ چلا کہ حجر بن عدیؓ اور عمرو بن حمق، معاویہؓ کو بر ملا گالیاں دیتے ہیں اور شامیوں پر لعنت بھیجتے ہیں لہذا ان کی طرف آدمی بھیج کر ہدایت کی کہ جو کچھ مجھ تک پہنچا ہے اس سے باز رہو۔ اس پر وہ حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا ”اے امیر المؤمنین کیا ہم حق پر نہیں اور کیا وہ لوگ باطل پر نہیں؟“ جواب دیا ”بالکل بجا، کعبہ غلاف پوش کے خدا کی قسم“ بولے ”تو پھر انہیں گالیاں دینے اور ان پر لعنت بھیجنے سے آپ ہمیں منع کیوں کرتے ہیں۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ”میں پسند نہیں کرتا کہ تم لوگ دشنام طراز اور لعنت گو بنو۔ تمہیں یہ کہنا چاہیے کہ اے خدا! نہ ہمارا خون ہے نہ ہمارے دشمنوں کا۔ اے خدا! ہماری باہمی چپقلش کو دور کر دے۔ اے خدا! ان لوگوں کو گمراہی سے بچا کے راہ ہدایت دکھاتا کہ حق کو جہل سے مخیر کیا جاسکے اور حق اس گمراہی کی لہروں سے ابھر کر سامنے آسکے جس میں وہ غرق ہو رہا ہے۔“

کہتے ہیں کہ کوچ کے وقت حضرت علیؑ نے بذریعہ منادی حکم دیا کہ لوگ نکل کے نخیلہ کی لشکر گاہ میں جمع ہو جائیں۔ چنانچہ لوگ تیار ہو کر نکلنے لگے حضرت علیؑ نے کوفے میں اپنا قائم مقام حضرت ابو مسعود انصاریؓ کو مقرر کر دیا۔ یہ ان ستر بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے رسول۔ خدا کے ہاتھ پر شب۔ عقبہ کو بیعت کی تھی۔ بہر حال حضرت علیؑ نے نخیلہ کی جانب باگ اٹھائی۔ عمار بن یاسرؓ ان کے آگے آگے تھے اور جا کے نخیلہ میں ڈیرہ ڈال دیا۔ وہاں سے جملہ عمال کے نام احکام روانہ کیے کہ ان کے پاس حاضر ہو جائیں۔

جب یہ خط حضرت ابن عباسؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے لوگوں کو بلوایا اور

خطاب کیا۔ سب سے پہلے جنہوں نے صدائے رضا بلند کی وہ اخف بن قیس تھے، پھر خالد بن معمر سدوسی، پھر عمرو بن مرحوم عبدی۔ اس کے بعد عبد اللہ بن عباس نے ابو الاسود الدلیلی کو بصرہ میں اپنا قائم مقام مقرر کیا اور اپنی جمعیت کو لے کر خیلہ کے مقام پر حضرت علیؑ کے حضور میں پہنچ گئے۔

جب حضرت علیؑ کے دور افتادہ چار سو بکھرے ہوئے ساتھی ان کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے خیلہ سے عزم رحلت کیا اور پھر زیاد بن نصر اور شریح بن حسانی کو بلا کے چھ چھ ہزار سواروں کی قیادت سپرد کر دی اور ہدایت کی کہ تم دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ کوچ کرو۔ اگر کوئی جھڑپ دونوں کو جمع کر دے تو پھر اسے زیاد دونوں لشکروں کے کماندار تم ہو گے۔ یہ ذہن میں رہے کہ کسی لشکر کا مقدمہ اس کی آنکھوں کے مترادف ہوتا ہے اور مقدمے کی آنکھیں ان کے ہر اول دستے ہوتے ہیں۔ دیکھو ہر اول دستے بھیجنے کے معاملے میں ہرگز ہرگز اکتاہٹ محسوس نہ کرنا۔ جب اپنے دستوں اور قبیلوں کو لے کر چلو تو کوچ سے لے کر مقام تک انتہائی حزم و احتیاط سے کام لو اور جب کسی دشمن پر جا پڑو یا دشمن تم پر آن پڑے تو چاہیے کہ تمہاری لشکر گاہ نسبتاً اونچی جگہ پر ہوتا کہ اونچائی تمہارے لیے محکم حصار کا کام دے۔ جب رات چھا جائے تو پورے لشکر کے گرد نیزوں اور ڈھالوں کو پھیلا دو۔ تیرا انداز بھی قریب ہی رہنے چاہیے۔ جب تک ٹھیرے رہو اسی طرح کرو تا کہ کوئی غفلت کے عالم میں تم پر حملہ نہ کر دے۔ تم دونوں اپنے لشکر کی پاسبانی خود کرنا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے سونا اور وہ نیند بھی غنودگی یا نینو ابی ہو (یعنی غفلت کی نیند نہ ہو)۔ مجھے مسلسل باخبر رکھنا۔ میں تم دونوں کے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہوں۔ کسی چیز کے باعث نہ رکوں گا، الا ماشاء اللہ، اور ہاں جب

تک تمہارے خلاف پہل نہ کی جائے یا میرا حکم نہ پہنچے جنگ شروع نہ کرنا۔ انشاء اللہ۔“ ان کے رخصت ہو جانے کے تیسرے روز بعد انہوں نے اپنے رفقا کو خطاب کرتے ہوئے کہا ”اے لوگو! کل ہم اپنے مقدموں کے نقش، قدم پر روانہ ہو جائیں گے۔ دیکھو تم میں سے کوئی پیچھے نہ رہ جائے۔ میں نے عقب (ساقہ) پر مالک بن حبیب یربوعی کو مقرر کیا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ جو پیچھے رہنے والا ہے اسے ہمارے پاس بھیج دے۔“

صبح ہوتے ہی لوگوں میں کوچ کا نقارہ بجوا دیا اور چل پڑے۔ جب شہر بابل کے آثار پر پہنچے تو قریبی ہمراہیوں سے کہا ”یہ شہر بارہا زمین میں دھانس دیا جاتا رہا لہذا گھوڑوں کو ایڑ لگاؤ اور ان کی لگا میں ڈھیلی چھوڑ دو تا کہ اس مقام کی حدود سے باہر نکل جاؤ۔ ممکن ہے نماز عصر اس کی حدود سے باہر جا کر پڑھی جاسکے۔“ یہ کہہ کے انہوں نے خود بھی ایڑ لگائی اور دوسروں نے بھی اور جلد شہر سے نکل گئے۔ نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا لہذا اترے اور نماز پڑھائی۔ ازاں بعد پھر سوار ہو گئے، یہاں تک کہ دیر کعب سے بھی آگے نکل گئے اور پھر مدائن کے قوس دار دروازے پر جا پہنچے۔ وہاں اپنی جمعیت سمیت اتر پڑے۔ ان کی مہمانی کے لیے پہلے سے اہتمام کیے جا چکے تھے۔

صبح ہوئی تو پھر سوار ہو گئے۔ باقی لوگ بھی ان کی رکاب میں سوار ہو کر چل دیے۔ ان کی کل تعداد اسی ہزار یا شاید اس سے کچھ زیادہ تھی۔ بھیڑ الگ تھی۔ وہاں سے چل کے شہر انبار میں وارد ہوئے۔ جب مدائن میں پہنچے تھے تو معقل بن قیس کو تین ہزار سپاہ کی قیادت دے کر حکم دیا تھا کہ وہ موصل اور نصیبین ہوتے ہوئے رقبہ کے مقام پر ان سے آن ملیں۔ معقل نے کوچ کیا اور موصل کی نئی آبادی کے قریب جا نکلے۔ وہ

ان دنوں ایک سرحدی چھاؤنی کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسے باقاعدہ طور پر بعد میں مروان بن محمد نے تعمیر کرایا تھا۔

جب معقل وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دو مینڈھے باہم لکرا رہے ہیں۔ معقل کے ایک خشمی ساتھی نے یہ منظر دیکھا تو ناگواری کا اظہار کیا اور کہنے لگا ”یہ دیکھو یہ دیکھو“۔ چنانچہ دو آدمیوں نے بڑھ کر ایک ایک مینڈھا پکڑ لیا اور لے کر چلتے بنے۔ اس پر خشمی نے معقل سے کہا ”نہ تم مفتوح ہو گے نہ فاتح“ معقل نے کہا ”انشا اللہ جو ہوگا بہتر ہوگا“۔

وہاں سے کوچ کر کے حضرت علیؑ کے مقام پر اتر پڑے اور تین روز مقیم رہے۔ پھر پل تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ پل تعمیر کر دیا گیا۔ انہوں نے دریا عبور کیا اور زیاد بن نصر اور شریح ابن حانی کو حکم دیا کہ وہ ان کے آگے آگے چلیں۔ وہ دونوں رخصت ہو کر ایک مقام پر جسے ”سور الروم“ کہتے ہیں پہنچ گئے۔ وہاں ان کی ملاقات ابو اسود سلمیٰ سے ہوئی جس کے ہمراہ شامی سواروں کا لشکر جرا تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علیؑ کے پاس اس امر کی اطلاع بھیج دی۔

حضرت علیؑ نے اشر کو حکم دیا کہ وہ نصر اور شریح کے پاس پہنچ جائے اور ان کے عساکر کی بھی زمام۔ قیادت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ اشر رخصت ہوا اور ان دونوں سے جاملا اور پھر سارے لشکر کو لے کر ابو اعمور کے مقابل چاہنچا۔ زوروں کی جنگ ہوئی دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف ڈٹے رہے۔ یہاں تک کہ رات چھا گئی اور ابو اعمور شب کی تاریکی میں کھسک کر معاویہؓ کے پاس پہنچ گیا۔

اب معاویہؓ نے اپنے سواروں کے ہمراہ صفین کی جانب پیش قدمی کی۔ ان

کے مقدمہ کا کماندار سفیان بن عمرو اور عقب کا بسر بن ابی اریطہ عامری تھا۔ سفیان بن عمرو ابو اعمور کی معیت میں آگے آگے روانہ ہوا اور صفین کے مقام پر جا کے ٹھہر گیا۔ یہ ایک ویران قصبہ تھا جسے کسی زمانے میں رومیوں نے تعمیر کیا تھا۔ وہاں سے فرات ایک تیر کے فاصلے پر ہوگا۔ کنار فرات کا علاقہ گھٹنا بیلا تھا جس میں سے کئی نالے گزرتے تھے جن کا سلسلہ دو فرسخ تک چلا گیا تھا۔ دو فرسخ کے فاصلے میں فرات تک فقط ایک راستہ تھا جو پتھر بچھا کر بنایا گیا تھا باقی سارا حصہ گھٹے جھاڑ جنگل سے بھر پور تھا جس میں سے گز رنا ممکن نہ تھا۔ علاوہ ازیں نالے نالیاں اور کچڑ پھیلا ہوا تھا۔ گویا قصبے سے لے کر دریا تک اس راستے کے سوا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر سفیان بن عمرو اور ابو اعمور نے پیش قدمی کی اور قصبے کے قریب پہنچ کے اس راستے پر ڈیرہ ڈال دیا۔ معاویہؓ نے بھی پورے لاؤ لشکر سمیت آ کے ان کے قریب اور قصبے کے دامن میں چھاؤنی جمادی اور ابو اعمور کو دس ہزار شامی سوار دے کر راہ فرات پر کھڑا کر دیا تاکہ عراقیوں میں سے جو بھی فرات پر جانا چاہے اسے روک دے۔

آخر حضرت علیؑ بھی وہاں آن پہنچے اور دیکھا کہ شامیوں نے قصبے اور راستے پر قبضہ کر رکھا ہے اس لیے لشکر کو حکم دیا کہ معاویہؓ کی لشکر گاہ کے قریب ہی اپنا معسکر قائم کر لیں۔ اب جو ستوں اور چاکروں نے پانی کا رخ کیا تو ابو اعمور نے ان کی راہ روک دی۔ حضرت علیؑ کو پتہ چلا تو انہوں نے صعصعہ بن صوحان سے کہا کہ معاویہؓ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو ہم آپ کے پاس جنگ سے قبل اتمام حجت کرنے آئے ہیں۔ اگر آپ مان جائیں تو فوج، سلامتی اور عافیت ہمیں ہر شے سے زیادہ عزیز ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے ہمارے لیے پانی کی راہ بھی روک رکھی ہے اگر آپ کو یہی

پسند ہے کہ جس چیز کے لیے آئے ہیں اسے پس پشت ڈال کر لوگوں کو پانی کے معاملے میں جنگ کرنے کی کھلی چھٹی دے دیں تاکہ جو فاتح ہو وہی پے تو چلو یونہی سہی۔

یہ پیغام پہنچا تو ولید نے کہا ”ان کا پانی اسی طرح بند کر دیجیے جس طرح انہوں نے عثمان کا پانی بند کیا تھا۔ انہیں پیسا مار دیے، خدا ان کا ستیاناس کرے۔“

اس پر معاویہؓ نے عمرو بن عاص سے پوچھا ”آپ کی کیا رائے ہے۔“

انہوں نے جواب دیا ”میرا مشورہ یہ ہے کہ پانی کی راہ نہ روکیں۔ یہ ممکن نہیں کہ وہ لوگ آپ کو سیراب ہوتا دیکھیں اور خود پیا سے بیٹھے رہیں۔“

عبداللہ بن ابی سرح نے جو حضرت عثمانؓ کے ماں کی طرف سے بھائی تھے مشورہ دیا کہ انہیں رات تک پانی سے محروم رکھیں ممکن ہے وہ بیٹے کی طرف لوٹ جائیں اور ان کا لوٹ جانا ہزیمت کی صورت اختیار کر لے۔

آخر حصصہ نے امیر معاویہؓ سے پوچھا ”پھر کیا ارشاد ہے“

امیر معاویہؓ نے جواب دیا ”تم واپس جاؤ میرا جواب تم تک پہنچ جائے گا، چنانچہ حصصہ واپس حضرت علیؓ کے پاس پہنچ گئے اور انہیں صورت حال سے آگاہ کر دیا۔

غرضیکہ اہل عراق کا مل ایک دن تک پانی سے محروم رہے ماسوا ان چھو کروں کے جو بیٹے کی جانب سے دوفرخ راہ طے کر کے پانی پی آئے۔ لوگوں کا یہ حال دیکھ کر حضرت علیؓ کو بہت دکھ ہوا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان بچپاروں کی پیاس کے مارے کیا گت بن رہی ہے چنانچہ وہ بے تاب ہو گئے اسی اثنا میں اشعث بن قیس آئے اور عرض کیا ”اے امیر المؤمنین آپ ہم میں موجود ہوں، تلواریں بھی ہمارے ہاتھوں میں

ہوں اور وہ لوگ ہمیں پانی تک نہ پہنچنے دیں بھلا یہ بھی کوئی بات ہے؟ آپ مجھے مامور فرمائیں میں پانی کی سمت جاتا ہوں (اگر راستہ کھول نہ دوں تو) خدا کی قسم واپس نہ آؤں گا میں جان لڑاؤں گا۔ آپ اشتر کو حکم دیں کہ وہ اپنے رسالے سمیت میرے ہمراہ چلیں۔“ حضرت علیؓ نے فرمایا ”ٹھیک ہے۔ اپنی تجویز کو عملی جامہ پہناؤ۔“

صبح ہوئی تو اشعث نے ابو اعمور پر چڑھائی کر دی۔ گھمسان کارن پڑا۔ اشتر اور اشعث نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے اور آخر دونوں نے ابو اعمور اور اس کی جمعیت کو کنار دریا سے ہٹا دیا اور خود قابض ہو گئے۔ اس وقت عمرو بن عاص نے معاویہؓ سے کہا ”اب فرمائیے جس طرح آپ نے ان کا پانی کل بند کیا تھا اگر آج وہ آپ کا بند کر دیں تو؟“ معاویہؓ نے جواب دیا ”جو ہو گیا اسے چھوڑیں ویسے علیؓ کے بارے میں گمان کیا ہے؟“ جواب دیا ”میرا گمان یہ ہے کہ حضرت علیؓ آپ پر وہ دباؤ نہ ڈالیں گے جو آپ نے ڈالا۔ اس لیے کہ وہ جس مقصد سے آئے ہیں وہ اپنی نہیں کچھ اور ہے۔“

بہر حال کنار دریا پر لڑنے والے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور لڑائی بند ہو گئی تو علیؓ نے حکم صادر کیا کہ شامیوں کو دریا پر جانے سے نہ روکا جائے۔ چنانچہ کبھی مل کر پانی پینے لگے۔

باہم ملاقاتیں ہونے لگیں۔ ایک دوسرے کے عسا کر میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ حالت یہ تھی کہ ہر آدمی اپنے مد مقابل کے فریق سے تعلق رکھنے والے دوست کی غیریت ہی طلب کر رہا تھا۔ ہر ایک کو یہی توقع تھی کہ مصالحت ہو جائے گی۔

اس زمانے میں عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب آیا اور حضرت علیؓ کی خدمت میں

حاضر ہونے کی اجازت چاہیں۔ حضرت علیؑ نے اجازت دے دی۔ جب وہ حاضر ہوا تو انہوں نے پوچھا ”تو نے ہرمزان کو بے گناہ مار ڈالا۔ وہ میرے چچا عباس کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔ تمہارے والد نے اس کا دو ہزار وظیفہ مقرر کر رکھا تھا۔ تو سمجھتا ہے میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔“

اس پر عبد اللہ نے جواب دیا ”شکر ہے اس خدا کا جس نے آپ کو مجھ سے خون ہرمزان کا مطالبہ کرنے پر اور مجھے آپ سے خون عثمان کا مطالبہ کرنے پر مامور کر دیا۔“

حضرت علیؑ نے کہا ”عنقریب جنگ ہمیں یکجا کر دے گا پھر تو دیکھ لے گا۔“

کہتے ہیں کہ فریقین ربیع الثانی (37 ہجری) اور جمادی الاولیٰ کے دو مہینے باہم خط کتابت کرتے رہے۔ کبھی ایک دوسرے کو دھلا بھی دیتے تھے۔ کبھی ایک دوسرے کے خلاف پیش قدمی بھی کرتے تھے مگر قاریوں اور لکھوکاروں کے بیچ بچاؤ سے معاملہ رفع دفع ہو جاتا تھا۔ اس سارے عرصے میں جو تین ماہ پر مشتمل تھا کوئی پچاسی بار چھیڑ چھاڑ ہوئی جو قاریوں کے حائل ہو جانے کے باعث بند ہو جاتی رہی۔

آخر جب جمادی الاولیٰ گزر گیا تو حضرت علیؑ تمام رات اپنی جمعیت کی تنظیم میں مصروف رہے اور اسے دستوں میں تقسیم کر دیا۔ ساتھ ہی امیر معاویہؓ کے پاس پیغام بھیج دیا کہ آپ کو جنگ کی کھلی چھٹی ہے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے بھی اپنی جمعیت کو منظم کیا اور اسے دستوں میں تقسیم کر دیا۔

صبح ہوئی تو دونوں عساکر نے ایک دوسرے کی طرف پیش قدمی کی اور اپنے اپنے جھنڈوں کے نیچے اپنی اپنی صفوں میں جا کے کھڑے ہو گئے مگر رفتہ رفتہ پھر ایک

دوسرے سے دور ہٹ گئے۔ لڑائی ظہور میں نہ آئی۔ انہیں یہ بات پسند نہ تھی کہ دونوں عساکر پورے کے پورے باہم ٹکرا کر تباہ ہو جائیں لہذا ہوتا یہ کہ ایک لشکر سے ایک لکڑی نکلتی اور دوسرے لشکر کی ایک لکڑی کے خلاف دونوں عساکر کے درمیان برسر پیکار رہتی۔ اسی عالم میں ماہِ ربیع الثانی اور فریقین نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔

کہتے ہیں کہ اسی اثنا میں ابوذرؓ اور ابوامامہؓ باہلی آ کے معاویہؓ سے ملے اور کہا ”آپ کس بات پر علیؑ سے لڑ رہے ہیں۔ کیا وہ خلافت کے معاملے میں آپ سے زیادہ مستحق نہیں؟“

جواب دیا ”میں تو خون عثمانؓ کی خاطر لڑ رہا ہوں۔“

دونوں نے پوچھا ”کیا انہیں علیؑ نے قتل کیا تھا۔“

جواب دیا ”انہوں نے عثمانؓ کے قاتلوں کو پناہ دے دی ہے۔“

ان سے کہو کہ قاتلین عثمانؓ کو میرے حوالے کر دیں پھر میں پہلا آدمی ہوں گا جو ان کی بیعت کروں گا۔“

اب وہ دونوں علیؑ کے پاس آئے اور انہیں اس امر سے آگاہ کیا۔ اس پر حضرت علیؑ کے لشکر سے کوئی بیس ہزار آدمی الگ ہو گئے اور نعرہ لگایا ”ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں۔“ یہ رنگ دیکھ کر ابوذرؓ اور ابوامامہؓ کسی ساحلی مقام پر جا ٹھہرے اور اور ان لڑائیوں میں کسی قسم کی شرکت نہ کی۔

ازاں بعد معاویہؓ نے شرجیل بن سبط، حبیب بن مسلمہ اور معن بن زید بن اخص کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ حضرت علیؑ کے پاس جائیں اور ان سے کہیں کہ قاتلین عثمانؓ کو ہمارے سپرد کر دیں اور اپنے موجودہ موقف سے دست بردار ہو جائیں

تاکہ ہم اسے مسلمانوں کی شوری کے سپرد کر دیں۔ پھر وہ اپنے لیے جسے چاہیں اور پسند کریں چن لیں۔

یہ اصحاب حضرت علیؑ کے پاس پہنچے۔ پہلے حبیب بن مسلمہ نے بات کی اور معاویہؓ نے جو پیغام دیا تھا کہ سنایا۔ جواباً حضرت علیؑ نے فرمایا ”تجھے اس معاملے سے کیا تعلق، اے مادر محروم، یہ تیرا منصب نہیں“۔ یہ سن کر حبیب بڑے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا ”خدا کی قسم تم مجھے وہاں دیکھو گے جہاں مجھے دیکھنا تمہیں سخت ناگوار گزرے گا“۔ شرجیل نے کہا ”کیا آپ قاتلین عثمانؓ کو ہمارے سپرد نہیں کریں گے“۔ حضرت علیؑ نے کہا ”یہ میرے بس کی بات نہیں وہ تو کوئی بیس ہزار افراد ہیں“۔ یہ سننا تھا کہ دونوں ان کے یہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ لوگ اسی طرح پڑے رہے تا آنکہ (۳۸ھ کے) محرم کا مہینہ بیت گیا۔

بہر حال جب ماہ محرم ختم ہو گیا تو حضرت علیؑ نے امیر معاویہؓ کے لشکر میں اطلاع کی کہ بھیجا اور اس نے غروب آفتاب کے وقت منادی کر دی ”ہم رکے رہے تاکہ محترم مبینہ بیت جائیں۔ وہ بیت گئے ہیں۔ ہم آپ کو اس امر سے برابر مطلع کر رہے ہیں۔ خدا خیانت کاروں کو پسند نہیں کرتا“

چنانچہ دونوں عسا کر پھر سے اپنے اپنے دستے مرتب کرنے لگے۔ دونوں لشکر گاہوں میں رات بھر آگ روشن رہی۔ صبح ہوئی تو فریقین نے پیش قدمی کی۔ حضرت علیؑ نے رسالے پر حضرت عمار بن یاسرؓ کو اور پیادوں پر عبداللہ بن بدیل بن ورق خزاعی کو مامور کر دیا۔ شاہ نشان ہاشم بن عتبہؓ مرقال کے حوالے کیا۔ میمنہ کے پیادوں کی قیادت سلیمان بن صرد اور میسرہ کے پیادوں کی حارث بن مرہ عہدی کے

سپرد کی۔ قلب میں بنو مضر کو، میمنہ میں بنو ربیعہ کو اور میسرہ میں اہل یمن کو متعین کیا۔ قریش اور کنانہ کی کمان حضرت عبداللہ بن عباس کو سونپی۔ بنو کنندہ کو اشعث بن قیس کے ماتحت کر دیا۔ بنو بکر بصرہ کو حصین بن منذر کے ماتحت اور بنو تمیم۔ بصرہ کو اخف بن قیس کے ماتحت کر دیا۔ خزاعہ کا سالار عمر بن حنظل کو بنایا۔ بنو بکر کوفہ کی قیادت پر نعیم بن حمیرہ کو مامور کیا۔ بنو سعد رباب بصرہ کی قیادت خارجہ بن قدامہ کو، بنو جہلہ کی قیادت پر رفاعہ بن شداد نو، بنو ذہل کوفہ کی قیادت پر روم شیبانی کو، حنظلہ بصرہ کی قیادت پر اعین بن ضبیعہ کو، تمام بنو قضاعہ کی قیادت پر رعدی بن حاتم کو، بنو لہذم کوفہ کی قیادت پر عبداللہ بن بدیل کو، تمیم کوفہ کی قیادت پر عمر بن عطاء در کو، بنو ازد کی قیادت پر جندب بن زہیر کو، بنو ذہل بصرہ کی قیادت پر خالد بن معمر کو، بنو حنظلہ کوفہ کی قیادت پر شمشین ربیعہ کو۔ بنو ہمدان کی قیادت سعد بن قیس کو، بنو لہذم۔ بصرہ کی قیادت پر خزیمہ بن خازم کو، بنو سعد رباب کوفہ کی قیادت پر ابو۔ صمدہ کو نام جس کا طفیل تھا، بنو ذحج کی قیادت پر اشتر کو، بنو عبد قیس۔ کوفہ کی قیادت پر عبداللہ بن طفیل کو، بنو عبد قیس، بصرہ کی قیادت پر عمرو بن حنظلہ کو اور بنو قیس۔ بصرہ کی قیادت پر شداد ہلانی کو مقرر کر دیا۔ باقی تمام دور و نزدیک کے ملے جلے قبائل کی کمان قائم بن حنظلہ جہنی کے سپرد کر دی۔

ادھر امیر معاویہؓ نے رسالے کی قیادت عبداللہ بن عمرو بن عاص کے سپرد کر دی۔ پیدلوں کی مسلم بن عقبہؓ علیہ کے، میمنہ کی عبید اللہ بن عمر کے اور میسرہ کی حبیب بن مسلمہ کے سپرد کر دی۔ شہ نشان عبدالرحمان بن خالد بن ولید کعب حوالے کیا۔ اہل دمشق کی قیادت پر خاک بن قیس کو، اہل حمص کی قیادت پر ذکوان کو، اہل قنسرین کی قیادت پر زفر بن حارث کو، اہل اردن کی قیادت پر سفیان بن عمرو کو، اہ

فلسطین کی قیادت پر مسلمہ بن خالد کو، دمشق پیادوں کی قیادت پر بسر بن ارطاط کو، حمصی پیادوں کی قیادت پر حوشب ذو ظلم کو، قسرینی پیادوں کی قیادت پر طریف بن حابس کو، اردنی پیادوں کی قیادت پر عبدالرحمان قینی کو، فلسطینی پیادوں کی قیادت پر حارث بن خالد ازدی کو، بنوقیس دمشق کی قیادت پر ہمام بن قیسہ کو، بنوقیس حمص کی قیادت پر حال بن ابی ہبیرہ کو، یمینہ کے پیادوں کی قیادت پر حابس بن ہبیرہ کو، بنوقضاء دمشق کی قیادت پر حسان بن بجدر کو، بنوقضاء حمص کی قیادت پر عباد بن زید کو، کندہ دمشق کی قیادت پر عبداللہ بن جون سکسکی کو، بنوکندہ حمص کی قیادت پر یزید بن ہبیرہ کو، بنو نمر بن قاسط کی قیادت پر یزید بن اسد عجلی کو، بنو حمیر کی قیادت پر ہانی بن عمیر کو، بنو قضاعہ اردن کی قیادت پر عمارق بن حارث کو، بنو نم فلسطین کی قیادت پر ثابل بن قیس کو، بنو ہمدان اردن کی قیادت پر حمزہ بن مالک کو، بنو غسان اردن کی قیادت پر زید بن حارث کو اور باقی دور و نزدیک کے مخلوط قبائل کی قیادت پر قعقاع بن ابرہہ کو مامور کر دیا۔ عمرو بن عاص کو تمام رسالوں کی کمان اور ضحاک بن قیس کو تمام پیادوں کی کمان سونپ دی۔

دونوں فریق سات سات صفوں میں بٹ گئے۔ دو صفیں یمینہ میں، دو صفیں میسرہ میں اور تین صفیں قلب میں۔ اس طرح فریقین کی کل چودہ صفیں تھیں۔ ہر صف اپنے اپنے جھنڈے تلے کھڑ ہو گئی۔ کسی کی زبان سے کوئی کلمہ نہ نکلتا تھا۔ آخر اہل عراق میں سے ایک شخص سسی جمل بن اثال جو عرب کے بہادر شہسواروں میں سے تھا نکل کر شامی اور عراقی صفوں کے درمیان آن کھڑا ہوا اور لکارا ”کوئی ہے مجھ سے مقابلہ کرنے والا“۔ چہرہ اس کا لوہے کے نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کا والد اثال

اس کے مقابلے پر آگیا جو چند چوٹی کے شامی شہسواروں میں سے تھا۔ وہ بھی لوہے کے نقاب میں روپوش تھا۔

دونوں میں سے ہر ایک اپنے مد مقابل سے ناواقف تھا۔ بہر حال وہ ایک دوسرے پر جھپٹنے لگے۔ لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی پڑتی تھیں۔ باہم نیزے کے وار کرتے رہے مگر کسی کا کچھ نہ بگڑا اس لیے کہ دونوں سر تا پا زہ پوش تھے۔ آخر والد نے بیٹے پر بھرپور حملہ کیا اور اسے زلین پر سے اچک لیا۔ میناز مین پر اور باپ بیٹے پر گرا۔ اس دھینگا مشقی میں دونوں کے چہرے بے حجاب ہو گئے۔ دونوں نے اپنے مد مقابل کو پہچان لیا۔ لہذا دونوں اپنے اپنے لشکروں کی جانب لوٹ گئے۔ ازاں بعد لوگ بکھر گئے۔ اس روز اس واقعہ کے سوا اور کچھ نہ ہوا۔

صبح ہوئی تو سب لوگ اپنی اپنی جگہ جہاں کل تھے آن کھڑے ہوئے۔ آخر عتبہ بن ابی سفیان نکلا اور اپنے گھوڑے کو دونوں لشکروں کے درمیان لا کے کھڑا کر دیا اور جعدہ بن ہبیرہ بن ابی وہب قرشی کو آواز دی۔ جعدہ اس کے رو برو آگیا۔ کچھ دیر دونوں اپنے موقف کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے رہے۔ بات بڑھتی گئی تا تکہ جعدہ نے عتبہ کو مشتعل کر دیا۔ عتبہ نے اسے برا بھلا کہا۔ پھر دونوں غصے میں بھرے ہوئے لسوٹ گئے اور مد مقابل پر حملہ کرنے کے لیے اپنا اپنا دستہ مرتب کیا اور پھر آ کے دونوں صفوں کے مابین باہم ٹکرا گئے۔ تمام لوگوں کی نگاہیں ان پر تھیں۔ جعدہ ڈنارہا لیکر عتبہ بھاگ نکلا۔ ان دستوں کی جھڑپ کے بعد دونوں لشکر لوٹ گئے۔ اس روز اور کچھ نہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ ایک روز اشعث بہادر ان۔ عراق کا رسالہ لے کر برآمد ہوئے اور

مقابلہ کرنے کے لی، حبیب بن مسلمہ، شام کے اتنے ہی رسالے کے ساتھ نکلا۔ پھر وہ دونوں صفوں کے درمیان دیر تک لڑتے رہے۔ تقریباً سارا دن گزر گیا آخر دونوں لوٹ گئے۔ حق یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے برابر کی چوٹ تھے۔

ایک روز مرقال ہاشم بن عقبہ بن ابی وقاص رسالہ لے کر نمودار ہوئے۔ دوسری جانب ابو عمرو سلمیٰ بھی اتنا ہی رسالہ لے کر ان کے مقابلے پر نکلا۔ پھر وہ دن بھر دونوں صفوں کے مابین برسر پیکار رہے۔ کسی نے کسی کو پیٹھ نہ دکھائی۔

ایک اور دن عمار بن یاسر عراقی رسالہ لے کر نکلے۔ عمرو بن عاصی ان کے مقابل ہوئے۔ انہوں نے اپنے نیزے پر ایک سیاہ پرچم لگا رکھا تھا جسے دیکھ کر لوگوں نے کہا ”یہ وہ پرچم ہے جو عمرو کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیا تھا“ یہ سن کر حضرت علیؑ نے کہا ”میں تمہیں اس پرچم کی کہانی سناتا ہوں۔ یہ وہی جھنڈا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو کو دیا تھا اور ارشاد کیا تھا کہ اسے اس کے حق کے ساتھ کون اٹھائے گا“۔ عمرو نے پوچھا ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا کیا حق ہے؟“ آپ نے فرمایا ”اس کو بے کر کافروں کو پیٹھ نہ دکھانا اور اسے ہاتھ میں لے کر کسی مسلمان سے جنگ نہ کرنا“۔ اور حال یہ ہے کہ عمرو اس پرچم کو ہاتھ میں لے کر کفار کے مقابلے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوران حیات بھاگے تھے اور آج اس جھنڈے کو ہاتھ میں لے کر مسلمانوں سے لڑ رہے ہیں۔ بہر حال عمار اور عمرو اس روز شام تک لڑتے رہے۔ کسی ایک نے دوسرے کو پیٹھ نہ دکھائی۔

اسی طرح ایک روز محمد بن حنفیہ نکلے ان کے مقابلے میں عبید اللہ بن عمرو شامی۔ ان اتنی ہی فتح لے کر آگیا۔ عبید اللہ نے محمد بن حنفیہ سے کہا ”میرے سامنے

آؤ“ محمد نے کہا ”گھوڑوں سے اتر کر“۔ عبید اللہ نے کہا ”ٹھیک ہے“۔ لہذا دونوں اپنے اپنے گھوڑے سے اتر پڑے۔ حضرت علیؑ نے انہیں دیکھا تو گھوڑے کو ایڑ لگائی اور محمد کے قریب آ کے اتر پڑے اور اس سے کہا ”تم میرا گھوڑا پکڑو“۔ محمد نے گھوڑا پکڑ لیا۔ پھر حضرت علیؑ عبید اللہ کی طرف گئے۔ عبید اللہ انہیں دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا اور کہا مجھے آپ سے لڑنے کی خواہش نہیں۔ میں تو آپ کے بیٹے سے لڑنے نکلا تھا۔ اس پر محمد نے کہا ”ابا جان اگر آپ مجھے اس سے لڑنے دیتے تو توقع تھی کہ میں اسے قتل کر دیتا“۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا ”اگر تو اس سے لڑتا تو مجھے بھی یہ توقع ہو سکتی تھی لیکن ساتھ ہی یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں وہ تمہیں قتل نہ کر ڈالے۔ بہر حال محمد اور عبید اللہ کے سواروں میں دو پہر تک لڑائی ہوتی رہی اور پھر دونوں گروہ واپس چلے گئے۔ کسی کا پلہ بھاری نہ تھا۔

ایک روز عبد اللہ بن عباس عراقی سواروں کا دستہ لے کر برآمد ہوئے۔ ان کے مقابلے پر ولید بن عقبہ آیا۔ اس کے ہمراہ اتنے ہی شامی سوار تھے۔ ولید نے ابن عباس سے کہا ”اے ابن عباس آپ لوگوں نے قطع رحم کیا۔ اپنے امام کو مار ڈالنا ہم وہ مقصد حاصل نہ ہوا جس کی امید تھی“۔ ابن عباس نے جواب دیا ”داستان طرازی چھوڑو مقابلے پر آؤ“۔ ولید نے انکار کر دیا (بہر حال دونوں دستوں میں جنگ ہوئی) اُس روز خود ابن عباس خوب جان توڑ کر لڑے۔ آخر دونوں برابر فتح مند و نا فتح مند کے عالم میں لوٹ گئے۔

ایک اور دن عمرو بن عاص شامی سواروں کے ساتھ نکلے۔ سعد بن قیس ان کے مقابلے پر آئے۔ ان کے ہمراہ بھی اتنے ہی عراقی سوار تھے۔ عمرو درجہ کر رہے تھے۔

لَا تَأْمَنَنَّ بَعْدَهَا أَبَا حَسَنٍ
طَاحِنَةً تَذُقُكُمْ دَقَّ الطَّلْعِ
أَنَا لِبَرِّ الْحَرْبِ إِمْرًا لَرَسَنٍ

”اے ابو حسن اس کے بعد تمہیں امن میسر نہ آئے گا۔ جنگ کی چکی تمہیں
آنے کی طرح چیں کر رکھ دے گی۔ ہم جنگ کو رے کی طرح بل دے دے کر مضبوط
کرتے چلے جائیں گے۔“

پھر عمرو کے شامی ساتھیوں میں سے ایک نوجوان حجر الشرنامی باہر آیا اور دعوت
مہازرت دی۔ اس کے مقابلے پر حجر بن عدی نمودار ہوئے۔ دونوں ایک دوسرے پر
نیزوں سے وار کرتے رہے۔ آخر حجر الشرنامی نے ان پر نیزے کا ایسا وار کیا کہ وہ گھوڑے
سے نیچے جا پڑے مگر انہیں ان کے ساتھیوں نے بچالیا۔ دونوں واپس ہوئے۔ حجر بن
عدی کو نیزے نے گھائل کر دیا تھا۔ اب حجر الشرنامی کے مقابلے میں حکم بن ازہر آیا جو
اشراف کوفہ میں سے تھا۔ دونوں میں تلوار چلنے لگی۔ آخر حجر الشرنامی نے ایک پر زور وار کر
کے حکم کو ڈھیر کر دیا اور پھر لاکارا ”اور ہے کوئی سامنے آنے والا“۔ اب اس کے مقابلے
میں حکم کا چچا زاد بھائی رفاعہ بن طلحہ نکلا۔ حجر الشرنامی نے اسے بھی لقمہ شمشیر بنا لیا۔
چنانچہ حضرت علیؑ نے کہا ”شکر ہے اس خدا کا جس نے اسے ہلاک کر دیا۔“

عبداللہ بن بدیل کا قتل

ایک روز عبداللہ بن بدیل خزاعی عراقی سواروں کا ایک دستہ لے کر
نکھے۔ وہ حضرت علیؑ کے بڑے معزز اور محترم ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کے

مقابلے میں ابوعمر سلمیٰ اتنے ہی شامی سوار لے کر آیا۔ گھڑی بھر خوب لڑے۔
پھر عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو جو لڑائی میں مشغول تھے چھوڑ کر گھوڑے کو ایڑ
لاکائی اور بھڑکا کر اسے اہل شام پر چھوڑ دیا۔ ان کی جمعیت پارہ پارہ ہونے لگی۔
جو قریب آتا وہ اسی کو تہ تیغ کر دیتے۔ تاکہ وہ اس ٹیلے پر جا پہنچے جہاں امیر
معاویہؓ کا ڈیرہ تھا۔ ساتھیوں نے معاویہؓ کے گرد گھیرا ڈال لیا معاویہؓ بولے
”دیکھتے کیا ہو۔ اگر اسے لوہا کچھ نہیں کہتا تو پتھر مارو“۔ چنانچہ ان پر پتھروں کی
بارش بر سادی گئی اور وہ قتل ہو گئے۔ معاویہؓ آ کے ان کے پاس کھڑے ہو گئے
اور کہا ”یہ شخص قوم کا مینڈھا تھا کہتے ہیں کہ معاویہؓ کا ایک سوار جس پر انھیں
بہت ناز تھا وہ معاویہؓ کی پوشاک ڈانٹ (پہن) لیا کرتا تھا۔ انہیں کے ہتھیار
بھی لگالیا کرتا تھا۔ انہیں کے گھوڑے پر بھی سوار ہو جاتا تھا۔ شکل و صورت میں
بھی اُن سے مشابہ تھا۔ جب اس نے حملہ کیا تو لوگوں نے کہا ”یہ معاویہؓ
ہیں“۔ ویسے معاویہؓ نے اسے منع کر رکھا تھا کہ علیؑ سے بچ کر رہنا۔ باقی جہاں
جی چاہے نیزے مارتے پھرتا۔ مگر عمرو بن عاص اسے الگ لے گئے اور کہا
”تم علیؑ کے ہمتا ہو۔ ان سے کیوں مقابلہ نہیں کرتے“۔ اس نے جواب دیا
”میرے آقا نے مجھے ان کے مقابل ہونے سے منع کر رکھا ہے۔“ عمرو نے کہا
”خدا کی قسم اگر تم علیؑ سے لڑو تو مجھے امید ہے کہ انہیں مار ڈالو گے اور اس شرف
کا سہرا ہمیشہ تمہارے سر رہے گا۔“ بہر حال عمرو پھسلاتے رہے آخر خُرَیث
کے دل میں اپنی بات اتار دی۔ صبح ہوئی تو حریث نکل کر دونوں صفوں کے
درمیان آن کھڑا ہوا اور پکارا ”اے ابوالحسن میرے سامنے آؤ۔ میں حریث

ہوں۔“ حضرت علیؓ نکلے، تلوار کا ایک ہی وار کیا اور وہ ڈھیر تھا۔

اسی زمانے میں ایک روز حضرت علیؓ نے معاویہؓ کے پاس پیغام بھیجا ”ہم اپنے باہمی جھگڑے کے باعث لوگوں کو کیوں لڑا رہے ہیں۔ آؤ مجھ سے دو دو ہاتھ کر لو۔ جو اپنے مد مقابل کو ہلاک کر دے گا وہ خلیفہ بن جائے گا۔“ معاویہؓ نے عمرو بن عاص سے کہا ”کیا رائے ہے۔“ عمرو نے جواب دیا ”علیؓ نے آپ سے کھری بات کہی ہے۔ ان کا مقابلہ کیجیے۔“ معاویہؓ بولے ”کیا مجھے میرے نفس کے بارے میں دھوکا دیتے ہو۔ میں اس کے مقابلے میں کیوں نکلوں جبکہ میری خاطر لڑنے کے لیے ہنوک اور ہنواشعر موجود ہیں۔“

اور پھر وہ عمرو سے (ایسا مشورہ دینے کی بنا پر) کئی روز سخت ناراض رہے، ملے تک نہیں۔ اس پر عمرو نے معاویہؓ سے کہا ”میں کل علیؓ کے پاس چلا جاؤں گا۔“ صبح ہوئی تو عمرو نکل کر دونوں صفوں کے درمیان آئے۔

اور پھر لاکار کر کہا ”اے ابوالحسن آؤ میرے سامنے، میں عمرو بن عاص ہوں۔“ یہ سن کر حضرت علیؓ ان کے مقابلے میں نکل آئے، دونوں نے ایک دوسرے پر نیزوں سے وار کیے مگر کسی سے کچھ نہ بن پڑا۔ آخر حضرت علیؓ اپنی تلوار سونت کر حملہ آور ہوئے، قریب تھا کہ وہ عمرو کو اڑا دیتے مگر وہ گھوڑے سے کود گئے اور ایک ٹانگ اٹھا کر برہنہ ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے منہ پھیر لیا اور عمرو کو چھوڑ کے ایک طرف ہو گئے۔ عمرو بھی معاویہؓ کی طرف لوٹ چلے۔ معاویہؓ نے ان سے کہا ”اللہ اللہ کیا کہنے تمہاری تشریف کی تاریکی کے۔“

کہتے ہیں کہ اسی زمانے میں ایک روز عبید اللہ بن عمرو عرب کے بہادروں اور

سواروں کے ہمراہ میدان میں آیا۔ اشتر بھی اتنے ہی جتنے کے ساتھ برآمد ہوا۔ دونوں میں شدید جھڑپ ہوئی۔ عبید اللہ اور اشتر دست بدست لڑے۔ عبید اللہ نے اشتر پر وار کیا مگر اشتر پہل کر گیا اور نیزہ دے مارا۔ عبید اللہ نے وار خالی دیا۔ اب اشتر نے آؤ دیکھا نہ تاؤ عبید اللہ کے ساتھیوں پر پل پڑا۔ تھک ہار کے دونوں فریق اپنی اپنی طرف گام میں چلے گئے۔ البتہ پلہ اشتر ہی کا بھاری رہا۔

اسی طرح ایک روز عبدالرحمان بن خالد بن ولید میدان میں آیا۔ وہ معاویہؓ کے گئے پنے آدمیوں میں سے تھا۔ اس کے مقابلے پر عدی بن حاتمؓ اسی کے برابر جھٹھا لیے برآمد ہوئے۔ دونوں دن بھر لڑتے رہے اور آخر لوٹ گئے۔ دونوں میں سے کوئی بھی مغلوب یا غالب نہ تھا۔

ایک روز ذوالکلاع چار ہزار شامی سواروں کو لے کر سامنے آیا۔ یہ سب موت کی بازی لگا کر آئے تھے۔ آتے ہی بنو ربیعہ پر ہلہ بول دیا۔ وہ حضرت علیؓ کے میسرہ پر متعین تھے۔ قیادت ان کی عبد اللہ بن عباس کے سپرد تھی۔ حملے کی شدت کے باعث اور ربیعہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہ دیکھ کر خالد بن معمر نے انہیں لاکار ”اے برادران ربیعہ تم نے خدا کا غضب مول لے لیا۔“ یہ سن کر وہ لوگ اس کی طرف دوڑے۔ اب تو گمرسان کی جنگ ہوئی۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ عبید اللہ بن عمر نے پکارا ”میں طیب ابن طیب ہوں“ عمار نے سنا تو کہا ”میں تو تو خبیث ابن طیب ہے۔“ عبید اللہ نے حملہ کیا۔

اسی عالم میں شمر بن ریان پروار کر کے اسے تیغ کر دیا۔ شمر بنو ربیعہ کے بہادر

سواروں میں سے تھا۔

عبید اللہ بن عمر کا قتل

صبح ہوئی تو عبید اللہ انہیں ساتھیوں کو لے کر جو پہلے روز اس کے ہمراہ تھے پھر میدان میں آگیا۔ بنو ربیعہ مقابلے پر نکلے۔ دونوں صفوں کے مابین خوب جنگ ہوئی۔ عبید اللہ سب سے آگے تھا اور خوب تلوار چلا رہا تھا۔ اچانک حریث بن جابر حنفی نے بڑھ کے اس کے سینہ پر نیزے کا وار کیا اور مار گرایا۔ تاہم لوگ اس کے قتل کی نسبت مختلف رائے رہے ہیں۔ بنو ہمدان کہتے ہیں کہ اسے حانی بن خطاب نے قتل کیا۔ اہل حضر موت کا خیال ہے کہ اسے مالک بن عمرو حضرمی نے ہلاک کیا تھا۔ بنو ربیعہ کا خیال ہے کہ اس کا قاتل حریث بن جابر حنفی ہے اور متفق علیہ رائے یہی ہے۔

ذوکلاع کا قتل

کہتے ہیں کہ ایک روز ذوکلاع اہل شام کا ایک دستہ لے کر نکلا جو بنو عک اور بنو نخم پر مشتمل تھا۔ اس کے مقابلے میں بنو ربیعہ کے ہمراہ عبداللہ بن عباسؓ برآمد ہوئے۔ جب دونوں دستے آمنے سامنے ہوئے تو بنو مدجن عراق میں سے ایک ایک شخص نے لاکار "اے آل مدجن، دیر نہ کرو" مگر مدجن کا سامنا بنو عک سے ہوا اور انہوں نے بنو عک کی پنڈلیاں تلواروں سے اڑانا شروع کر دیں۔ بنو عک ہلبلا اٹھے۔ اس پر ذوکلاع نے لاکار "اے آل عک تم تو اونٹوں کی طرح ہلبلا لگ گئے"۔

اب بنو بکر بن وائل کے ایک شخص خندف نے ذوکلاع پر ایسا حملہ کیا کہ تلوار اس کے کاندھے میں اتار دی جو زہ کو چیرتی چلی گئی تھی۔ کاندھا لگ ہو گیا اور وہ جان

ہمارے گر پڑا۔ جب ذوکلاع گرا تو بنو عک کو طیش آگیا لہذا وہ تلواروں کا سامنا نہایت ثابت قدمی سے کرنے لگ پڑے تا آنکہ رات چھا گئی۔ جنگ صفین کے سارے عرصے میں اہل عراق اور اہل شام جب لڑائی سے لڑتے تو ایک فریق دوسرے فریق کے پاس چلا جاتا۔ کوئی کسی کو نہ روکتا۔ کبھی اپنے اپنے مقتولوں کو ڈھونڈتے اور انہیں میدان جنگ سے نکال کر دفن کر دیتے۔

کہتے ہیں کہ آخر حضرت علیؓ نے اعلان کر دیا کہ اب وہ اپنی ساری جمعیت کے ساتھ اہل شام کے مقابلے پر نکلیں گے اور ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھیں گے جب تک خدا ان کے اور ان کے شامی مخالفین کے مابین فیصلہ نہ کر دے۔ لوگوں نے یہ سنا تو لرز گئے، کہنے لگے "اب تک تو یہ ہوتا رہا کہ ہم دستہ دستہ ایک دوسرے کے مقابلے نکلتے اور دونوں لشکروں کے مابین لڑتے رہتے اب اگر ہم دونوں فریق پورے کے پورے لشکر لے کر لڑے تو اس کا مطلب پورے عرب کی بربادی ہے۔

بہر حال حضرت علیؓ نے لوگوں کو خطاب کیا اور کہا "دیکھو کل تم ان لوگوں سے اپنی پوری جمعیت کے ساتھ جنگ کرو گے۔ آج ساری رات کھڑے ہو کے عبادت کرو۔ زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھو۔ اللہ سے پائیداری اور بخشش طلب کرو اور ان کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کرو"۔

اہل شام کا معاویہؓ کے پاس اجتماع ہوا۔ معاویہ نے ان کا استقبال کیا اور پھر ان کے نقیب نے پکارا۔ "مقدمۃ الجیش کہاں ہے" چنانچہ اہل محض اپنے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ان کا قائد ابوامور سلمیٰ تھی۔ نقیب نے پھر پکارا "اہل اردن کہاں ہیں"۔ چنانچہ وہ بھی نکل کر اپنے جھنڈے تلے جمع ہو گئے، ان کا کماندار زفر بن حارث کلابی

تھا۔ پھر پکارا "لشکر امیر کہاں ہے" چنانچہ اہل دمشق نکل کر اپنے جھنڈے تلے کھڑے ہو گئے، ان کا قہقہہ خفاک بن قیس تھا۔ پھر ان سب نے معاویہ کو گھیرے میں لے لیا۔ معاویہ نے پورے لشکر کا سپہ سالار عمرو بن عاص کو مقرر کر دیا اور پھر سارا لشکر کوچ کر کے اہل عراق کے مقابل جا کھڑا ہوا۔

معاویہ نے نیلے پر منبر بچھایا اور اس کے اوپر بیٹھ گئے تاکہ جب جنگ ہو تو وہ فریقین کو دیکھ سکیں۔ بنو عک نے پیش قدمی کی۔ انہوں نے اپنے سروں کو پتکوں سے کسا ہوا تھا اور اپنے سامنے پتھر ڈال رکھے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم پیٹھ نہ پھیریں گے یا یہ کہ ہمارے ساتھ یہ پتھر بھی پیٹھ پھیر لیں۔ عمرو نے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا اور ان کے آگے کھڑے ہو کر ایک رجز پڑھی:-

پو پھئے حضرت علیؑ نے نماز فجر پڑھائی اور اپنے رفقا کو حکم دیا کہ جا کے اپنے اپنے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اور خود شامی دستوں میں گردش کرنا شروع کر دی۔ وہ پوچھتے "یہ کون لوگ ہیں"۔ انہیں بتا دیا جاتا۔ تاکہ جب وہ ان دستوں اور ان کے مراکز سے آگاہ ہو گئے تو (واپس آ کر) بنو ازہ کو فہ سے کہا "تم میری طرف سے ازہ شام کو کافی ہو رہو"۔ پھر بنو خثعم سے کہا "تم میری طرف سے بنو خثعم کو کافی ہو رہو"۔ غرضیکہ ہر عراقی قبیلے کو حکم دیا کہ وہ ان کی طرف سے اپنی شامی برادری کو کافی ہو رہے۔ از اس بعد حکم دیا کہ وہ سب ہر جانب سے شخص واحد کی طرح حملہ آور ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا۔ خود حضرت علیؑ نے اہل حجاز کے ساتھ جو قریش اور انصار پر مشتمل تھے اس جمعیت پر یورش کی جس میں معاویہ تھے۔ حضرت علیؑ کے یہ ساتھی کوئی بارہ ہزار سوار تھے۔ وہ خود ان کے آگے آگے تھے۔ جب انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ بلند

کیا تو باقی لشکر نے بھی یہی صدا بلند کی جس کی شدت سے زمین لرز گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل شام کی صفیں ٹوٹ گئیں، دستے باہم گڈمڈ ہو گئے، یہاں تک کہ وہ بٹتے بٹتے معاویہ کے پاس جا پہنچے۔ معاویہ اس وقت عمرو بن عاص کے ساتھ اپنے منبر پر بیٹھے لشکر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جب معاویہ نے لوگوں کو یوں بٹتے دیکھا تو گھوڑا مانگا اور سوار ہو گئے۔

پھر اس پسپائی کے بعد شامیوں نے باہم ایک دوسرے کو لکارنا شروع کیا چنانچہ وہ پھر اکٹھے ہو گئے اور اہل عراق کے مقابلے پر دوبارہ ڈٹ گئے۔ اب ہر دو جانب سے بڑی پامردی کا مظاہرہ ہوا کسی نے کسی کو پیٹھ نہ دکھائی تاکہ ان کے درمیان رات حائل نہ ہوئی۔ اس روز عرب کے اکابر و اشراف میں سے بے شمار افراد کام آئے۔ آگاہ دن طلوع ہوا تو وہ لوگ ایک دوسرے کے یہاں پہنچے اور اپنے اپنے مقتولوں کو نکال لے جانے اور دفن کرنے میں مصروف ہو گئے۔ وہ سارا دن اسی عالم میں بیت گیا۔

اسی روز شام ڈھلے حضرت علیؑ نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا "اے لوگو! صبح سویرے اپنی اپنی صفوں میں پہنچ جاؤ اور دشمن پر چڑھ دوڑو، آنکھیں نیچی اور آواز مدھم رکھو، باتیں کم کم کرو، ڈٹ جاؤ، خدا کی یاد سے دل کو خوب آہا رکھو۔ کوئی تنازع تم میں رونہ پائے ورنہ زور ٹوٹ جائے گا۔ استقلال سے کام لو، خدا اہل استقلال کا ساتھی ہے۔"

ادھر معاویہ نے بھی اہل شام کو مخاطب کیا اور کہا "اے لوگو! استقلال کو شعار بناؤ اور پامردی سے مقابلہ کرو۔ نہ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑو نہ اپنی ذمہ داری دوسرے پر ڈالو۔ تم لوگ حق پر ہو۔ تمہارے پاس محکم دلیل ہے۔ تم اس شخص کے

خلاف نبرد آزما ہو جو خون بے گناہ کا مرتکب ہوا۔ زیر آسمان کوئی بھی اس کا عذر قبول نہیں کر سکتا۔

اسی طرح عمرو بن عاص نے خطاب کیا اور کہا "اے لوگو! جو آہن پوش ہیں انہیں آگے اور جو جریدہ ہیں انہیں پیچھے رکھو۔ آج اپنے سر ہمیں مستعار دے دو، حق فیصلہ کن مرحلہ میں پہنچ گیا ہے۔ دیکھیں وہ ظالم کا ساتھ دیتا ہے یا مظلوم کا" (مراد یہ کہ عثمان مظلوم ہیں اور علی ظالم، ایسا نہ ہو کہ تم لوگ بھاگ جاؤ اور ظالم اپنے آپ کو حق پر سمجھنے لگے جائے۔)

غرضیکہ فریقین رات بھر جنگ کے لیے منظم ہوتے رہے۔ مسجد میں اپنے اپنے محاذ پر پہنچ گئے اور ایک دوسرے پر ہلہ بول دیا۔ حبیب بن مسلمہ جو معاویہ کے میسرہ کا کماندار تھا حضرت علیؑ کے میمنہ پر حملہ آور ہوا وہ لوگ پھٹ گئے اور ہٹ گئے۔ حضرت علیؑ نے دیکھا تو سہل بن حنیف سے کہا "اپنی حجازی جمعیت کو ساتھ لے کر میمنہ کی مدد کو پہنچو" سہل حجازی ساتھیوں کو لے کر میمنہ کی طرف بڑھے مگر شامی دستوں نے بڑھ کر انہیں روک لیا۔ چنانچہ سہل اور ان کی جمعیت منتشر ہو گئی اور ہٹ کر علیؑ کے پاس جا پڑی۔ علیؑ قلب میں تھے۔ اب خود ان کی موجودگی کے باوصف قلب بھی اکھڑ گیا اور چند جانباز غیرت مندوں کے سوا ان کے گرد کوئی بھی باقی نہ رہ گیا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے گھوڑا اڑا اور اپنے میسرہ میں جا پہنچے۔ اہل میسرہ اپنے شامی مد مقابل دستوں کا بڑی ثابت قدمی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ میسرہ کا تعلق بنو ربیعہ سے تھا۔

زید بن وہب کا بیان ہے "میں دیکھ رہا تھا کہ حضرت علیؑ نے بنو ربیعہ کی طرف باگ اٹھائی ہے۔ ان کے فرزند حسن، حسین اور محمد ان کے ہمراہ ہیں۔ تیران کے کانوں

اور کانڈھوں کے آس پاس پراں تھے اور تینوں فرزند ان کے سامنے اپنی جانوں کو ڈھال بنائے ہوئے ہیں۔ حضرت علیؑ میسرہ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔ اشتر بھی اسی جمعیت میں تیغ زن تھا اور یہ جمعیت بڑی جگر داری سے شامیوں کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اب حضرت علیؑ نے اشتر کو لاکر کہا "ان بھاگنے والوں کے پاس جاؤ اور کہو۔ تم موت سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے اس کی دسترس سے نکل کے جو زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو وہ بے بقا ہے۔"

اشتر نے یہ سن کر گھوڑا اڑا اور بھاگنے والوں کی راہ روک کر پکارا "اے لوگو میری طرف آؤ میں مالک بن حارث ہوں" انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ چنانچہ وہ جان گیا کہ تعارف نہیں ہوا۔ لہذا کہا "اے لوگو میں اشتر ہوں"۔ یہ سنتے ہی وہ اس کی طرف پلٹ پڑے اور وہ انہیں لے کر اہل شام کے میسرہ پر چڑھ دوڑا اور جان توڑ کر لڑا۔ یہاں تک کہ اہل شام کی جمعیت پریشان ہو گئی اور وہ ہٹ کر اپنے ابتدائی مقام پر پہنچ گئے۔

ازاں بعد اشتر نے حضرت علیؑ کے میمنہ اور قلب کو اسی طرح مرتب کیا جس طرح پساپی سے قبل تھا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر لوٹ آئے تو حضرت علیؑ نے صفوں میں گھوم پھر کر انہیں پساپی پر شرم دلائی۔ یہ نماز عصر اور مغرب کے درمیانی وقفے کی بات ہے۔

کہتے ہیں کہ پھر اہل شام نے بنو تمیم پر جو میمنہ میں تھے حملہ کیا اور ان کی صفیں توڑ دیں۔ یہ دیکھ کر زحر بن نہشل نے لاکر "اے بنو تمیم کہاں چلے؟" وہ بولے "تم دیکھتے نہیں وہ ہم پر کس طرح چھا گئے ہیں"۔ زحر نے کہا "ہرا ہو تمہارا، ایک فرار

دوسرے امتداد؟ اگر تم دین کی خاطر نہیں لڑتے تو اپنے احباب کی خاطر لڑ جاؤ۔ آؤ میرے ہمراہ حملہ کرو۔ یہ کہہ کر زحر نے ہلہ بول دیا۔ تو تم بھی ان کے ہمراہ لوٹ پڑ۔ زحر ان سب کے آگے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اب فریقین بجم گئے۔ وہ رن پڑا کہ نیزے لوٹ گئے، تلواریں کٹ گئیں اور آخر وہ ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹنے لگے اور مٹی کی مٹھیاں بھر بھر کر مارنے لگے۔ پھر ہر جانب سے آوازیں بلند ہوئیں "اے برادران عرب! عورتوں اور بچوں کا کون والی ہوگا۔ خدا کے لیے مقدس ذمہ داریوں کا خیال کرو۔"

خود حضرت علی کا حال یہ تھا کہ دشمنوں کی صفوں میں دو رتک گھس کر تلوار کے وار کرتے پتے جاتے تانکہ وہ دوہری ہو جاتی۔ پھر باہر نکل آتے سر سے پاؤں تک خون میں رنگے ہوئے۔ جب تلوار سیدھی کر دی جاتی تو وہ پھر واپس آتے اور دشمنوں کی صفوں میں گھس جاتے۔ بنو بیعہ نے حضرت علی کا بالکل ساتھ نہ چھوڑا وہ ان کے ہمراہ پامردی کے ساتھ مصروف پیکار رہے تانکہ سورج غروب ہو گیا اور وہ اس وقت معاویہ کے قریب پہنچ گئے تھے۔ معاویہ نے یہ دیکھ کر عمرو سے پوچھا تھا "کیا رائے ہے" عمرو نے جواب دیا تھا "خیسے سے نکل جائیے۔"

چنانچہ معاویہ اپنے منبر سے جو وہاں دھرا ہوا تھا اترے اور خیمہ سے باہر نکل گئے۔ جلد ہی بنو بیعہ آ پہنچے۔ آگے آگے علی تھے اور آخر خیسے پر حملہ کر دیا۔ اس کی جٹائیں کاٹ دیں اور لوٹ گئے۔ حضرت علی نے وہ رات بنو بیعہ کے یہاں بسر کی۔

ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص مرقال کا قتل

اگلی صبح حضرت علی نے بیدار ہوتے ہی اہل شام سے جنگ چھیڑ دی۔ اس روز انہوں نے شہ نشان ہاشم بن عتبہ کے سپرد کر دیا تھا اور وہ شاہ نشان ہاتھ میں لیے دن بھر لڑتے رہے۔ جب شام ڈھل گئی تو ان کے ساتھی تیز تر ہو گئے مگر ہاشم جان باز اور غیرت مند افراد کے ایک گروہ کی معیت میں ڈلے رہے۔ یہ دیکھ کر حارث بن منذر خوشی نے ان پر یورش کر دی اور خود ہاشم بن عتبہ پر نیزے کا وار کیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ہاشم ہاشم نے جنگ سے ہاتھ نہ کھینچا۔ اسی اثنا میں ان کے پاس حضرت علی کا قاصد پہنچا اور حکم دیا کہ اپنا دستہ آگے بڑھائے۔ ہاشم نے قاصد سے کہا "فرامیری کیفیت دیکھو" قاصد نے ان کے پیٹ کی طرف دیکھا تو چاک تھا۔ چنانچہ وہ حضرت علی سے پاس واپس گیا اور صورت حال بیان کی۔ ہاشم جلد ہی بعد گر پڑے اور ساتھی انہیں دیگر مقتولوں میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ ہاشم کی جان نکل گئی۔ باقی اہل لشکر کی راہ میں رات حائل ہو گئی اور انہیں جنگ کرنے سے روک دیا۔

اگلے روز حضرت علی نے صبح سویرے منہ اندھیرے نماز پڑھائی اور اپنے عساکر کو لے کر دشمن کے مقابلے کو آ گئے۔ عساکر کو سابقہ نقشے کے مطابق منظم کیا اور جہنڈا ہاشم بن عتبہ کے فرزند عبداللہ کے سپرد کر دیا۔ بہر حال فریقین نے پیش قدمی کی اور گھسان کی جنگ ہوئی۔ قطعاً ظفری کی روایت ہے کہ "میں نے اس روز تلواروں کے ٹکرانے کی وہ آوازیں سنی کہ بجلی کی کڑک ان کے مقابلے میں جھج تھی۔ حضرت علی کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور ان کے منہ سے یہ الفاظ نکل رہے تھے "لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ مدد خدا ہی سے طلب کی جاسکتی ہے۔ اے خدا ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق کے ساتھ فیصلہ کر دے۔ تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

ازاں بعد حضرت علیؑ نے بنفس نفیس اہل شام پر حملہ کیا اور ان کی جمعیت میں گھس کر نظروں سے اوجھل ہو گئے پھر جولوٹے تو خون میں رنگے ہوئے تھے۔ دن بھر جنگ کا یہی عالم رہا۔ حتیٰ کہ رات کا بھی ایک تہائی حصہ بیت گیا۔ حضرت علیؑ کے پانچ زخم آئے تھے، تین سر میں، دو چہرے پر، آخر فریقین کے لشکر منتشر ہو گئے مگر مصدوم پھر بھی لوگ اپنی اپنی صفوں میں پہنچ گئے۔ آج عمرو بن عاص لشکر کے آگے آگے تھے۔ عمرو کے مقابلے میں عبداللہ بن جعفر ذوالجناحین نے قریش اور انصار کی جمعیت کے ساتھ حملہ کیا۔ دونوں جوان انصاری بھائیوں نے تو شامیوں پر یوں حملہ کیا کہ مارتے مارتے معاویہؓ کے خیمے تک جا پہنچے اور پھر دونوں عین درخیمہ پر مارے گئے۔ جنگ کی چکی چلتی رہی۔ تا نیکہ رات کا ایک تہائی حصہ بیت گیا۔ آخر ہٹ گئے۔ صبح ہوئی تو ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر کے لوگوں کے ساتھ مل جل کر اپنے مقتولوں کو نکالنے اور دفن کرنے میں مصروف ہو گئے۔

اسی اثنا میں معاویہؓ نے حضرت علیؑ کے نام خط لکھا ”اما بعد! میں تو محض خون عثمان کا بدلہ لینے کی خاطر جنگ کر رہا ہوں۔ میں خون عثمان کے معاملے میں کوئی مدد و نصرت کام میں نہ لاؤں گا اور نہ اس حق سے دستکش ہوں گا۔ اگر میں انتقام لے لوں تو فہماور نہ وہ موت جو سچائی کی راہ میں آجائے مظلومی کی زندگی سے بہتر ہے۔

اگلے روز صبح طرفین جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ اہل شام کا شہ نشان عبدالرحمان بن خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جھنڈا ہاتھ میں لیے جس سمت رخ کرتا راہ کی ہر شے کو تھس تھس کر کے رکھ دیتا۔ اسے عرب کے بہادر شہسواروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کے حملے سے اہل عراق کے قدم بری طرح اکھڑ گئے چنانچہ اشتر نے

لوگوں کو لا کار کر کہا ”وہ دیکھو تو جھنڈا کہاں پہنچ گیا ہے پھر اشتر نے اہل عراق کا جھنڈا خود اپنے ہاتھ میں لیا اور آگے بڑھا۔

اشتر نے اہل شام کا خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آخر جھنڈے کو اپنی جگہ پر واپس پہنچا دیا اور شامیوں کے دستے پرے ہٹا دیے۔

حوشب بن ذی ظلم کا قتل

کہتے ہیں کہ جب جنبد بن زہیر نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا تو اس کے مقابلے پر حوشب بن ذی ظلم نکلا۔ وہ شام کے اکابر، بہادروں اور شہسواروں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ جھنڈا ہاتھ میں لیے بڑھتا اور اہل عراق کو مارتا کاٹتا چلا گیا۔ یہ دیکھ کر سلیمان بن صرداس کے مقابلے پر نکلا۔ وہ حضرت علیؑ کے شہسواروں میں سے تھا۔ دونوں میں خوب جھڑپ ہوئی۔ حوشب مارا گیا۔ اہل عراق میں بھگدڑ مچ گئی۔ صفیں ٹوٹ گئیں۔ اہل حمیت حضرت علیؑ کے گردون کے دوسرے کنارے تک گھیرا ڈالے لڑتے رہے۔ اب عدی بن حاتم بڑھے اور جہاں حضرت علیؑ کو چھوڑ کر گئے تھے وہاں ڈھونڈھا مگر نہ پایا لہذا ان کے بارے میں دوسروں سے پوچھا چنانچہ حضرت علیؑ کی طرف ان کی راہنمائی کر دی گئی۔ عدی حاضر خدمت ہوئے اور کہا۔

”اے امیر المومنین آپ زندہ ہیں تو پھر ہر مشکل گوارا ہے۔ ویسے آپ جان لیجیے کہ میں آپ تک نہ نجد لاشوں ہی پر چل کر پہنچا ہوں۔ آج نہ ان کا کوئی سردار باقی رہ گیا ہے نہ ہمارا“

اس وقت حضرت علیؑ کی معیت میں سب سے زیادہ پاکداری کا مظاہر کرنے

اے اور جان توڑ کر کرنے والے بنو رہیہ تھے، چنانچہ حضرت علیؑ نے کہا: "اے بنو رہیہ تم میری زرد ہو۔ تم میری تلوار ہو" پھر وہ اس گھوڑے پر سوار ہو گئے جو رسول خدا کی ملکیت تھا اور جسے "رتح" (سوا) کہتے تھے۔ رسول خدا کے کیت رنگ خچر کو آگے آگے رکھا۔ اس طرح رسول خدا کا سیاہ عمامہ بھی باندھ لیا اور پھر منادی کرا دی "اے اوگو خدا کی خاطر اپنی جان کون کون فروخت کرے گا" یہ سن کر لوگوں نے ان کی امداد پر ایک دوسرے کو لٹکا کر اور گردن جمع ہو گئے وہ ان کو لے کر اہل شام کی طرف بڑھے اور ان کے دستوں کو انکی جگہ سے ہٹا دیا اور ایسا بھگایا کہ معاویہؓ نے سواری کے لیے اپنا گھوڑا مناسب کر لیا اور پھر ان سے مناد نے اہل شام میں منادی کی "اے اوگو کہاں چلے؟ لوٹ لو۔ اہل شام میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہی رہتا ہے" یہ سن کر لوگ معاویہؓ کی جانب لوٹ آئے اور دوبارہ اہل شام پر لوٹ پڑے۔

اُس وقت معاویہؓ نے عمرو سے کہا ”بنو عک اور اشعر کو آگے کرو، کیونکہ اس پسپائی میں سب سے اول اکھڑنے والے وہی تھی۔ عمرو ان کے پاس گئے اور معاویہؓ کا پیغام دیا۔ ان کے سردار مسروق عکی نے کہا ”میرا انتظار کرو۔ میں معاویہؓ سے جا کے ملتا ہوں۔“ پتہ چلا کہ معاویہؓ کے پاس پہنچا اور کہا ”آپ میری قوم کے افراد کے لیے دو دو ہزار درہم وظیفہ مقرر کر دیں۔ جو ہلاک ہو جائے اس کا بیٹا زاد بھائی اس کا قائم مقام ہوگا۔“ معاویہؓ نے کہا ”منظور ہے؟“ مسروق نے واپس اپنی قوم کے پاس جا کے انہیں اس بات سے آگاہ کر دیا۔ لہذا انہوں نے پیش قدمی کی اور بنو ہمدان کے متعلقے میں تیغ زنی کا حق ادا کر دیا۔ قسم کھالی کہ جب تک بنو ہمدان واپس نہ ہوں گے ہم واپس نہیں ہونے دیں۔ یہ سن کر بنو ہمدان نے کھار کھی تھی۔

یہ رنگ دیکھ کر عمرو سے معاویہؓ نے کہا ”شیروں سے شیر لڑے گئے ہیں۔ آج کا سال ہم جنگ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔“

معاویہؓ نے جواب دیا ”اگر تمہارے پاس ایک اور قبیلہ بنو عک کا سا ہوتا اور علیؓ کے پاس بنو ہمدان کا سا تو پھر بربادی ہی بربادی تھی۔“ اب معاویہؓ نے علیؓ کے نام رقعہ لکھا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ معاویہ بن ابوسفیان کی جانب سے علی بن ابی طالبؓ کے نام۔ اما بعد! یہ میرا گمان ہے کہ اگر آپؐ کو اور اسی طرح مجھ کو یہ علم ہوتا کہ لڑائی آپؐ کو اور مجھے اس حال تک پہنچا دے گی تو ہم لوگ یہ پاپ نہ کاتے۔ اگر ہم لوگوں کی عقل پر پردہ پڑ بھی گیا ہے تو جب بھی اتنی عقل ضرور باقی ہے جو احساس دلاتی ہے کہ ہمیں گزشتہ پر کف افسوس ملنا چاہیے اور آئندہ کی اصلاح کرنی چاہیے۔ آپؐ بھی بقا کے اتنے ہی خواہاں ہیں جتنا میں ہوں اور میں بھی قتل سے اتنا ہی ڈرتا ہوں جتنے آپؐ۔ بخدا دیکھیے تو سہی لشکر پتلے پڑ گئے ہیں۔ مرد ہلاک ہو گئے ہیں۔ ہم دونوں بنو ہمدان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کسی کو کسی پر فضیلت نہیں۔ اگر کوئی فرق ہو سکتا ہے تو وہ اسی چیز کے باعث ہو سکتا ہے جو معزز کو ذلیل کر دیتی ہے اور آزاد کو غلام بنا دیتی ہے۔ والسلام“

حضرت علیؑ نے جواباً تحریر کیا ”اما بعد! آپ کا خط ملا۔ آپ نے بیان کیا ہے کہ آپ کو اور ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہمیں یہاں پہنچائے گی جہاں اس نے پہنچا دیا ہے تو ہم لوگ یہ پاپ نہ کھاتے، مگر جان لیجیے کہ آپ کے اور ہمارے پیش نظر کوئی غایت تھی۔ ہمیں تاحال حاصل نہیں ہوئی۔ رہا خوف ورجائیں ہمارا مساوی ہونا تو جان لیجیے کہ آپ کو شک پر وہ اعتدائیں ہو سکتا جو مجھے یقین پر ہے اور اہل شام کی دنیوی حرص الہی

عراق کی آخری حرص سے زیادہ شدید نہیں ہے۔ باقی رہا آپ کا یہ قول کہ ہم دونوں بنو عبد مناف میں سے ہیں اور ہم میں سے کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں تو یہ بات نادرست ہے، نہ امیہ ہاشم کا ہمسر ہے نہ حرب عبدالمطلب کا اور نہ ابوسفیان ابوطالب کا۔ مہاجرین ان لوگوں کے سے نہیں جنہیں آزادی خیرات کے طور پر ملی تھی اور پھر ہمارے ہاتھ میں نبوت کی فضیلت ہے جس کی مدد سے ہم نے قوی اور معزز کو تہ تیغ کر دیا اور جس کے باعث بے کس و بے بس ہمارے حلقہ بگوش بن گئے۔“

اگلے روز حضرت علیؑ نے منہ اندھیرے نماز فجر ادا کی اور پھر اپنے عہدہ کرکولے کر اہل شام کی جانب کوچ بول دیا۔ جلد ہی دونوں فریق اپنے اپنے جھنڈوں تلے کھڑے تھے۔ اشتر اپنے کیت رنگ اور دراز دم گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا، وہ سر تا پا لوہے میں غرق تھا۔ اس نے نیزہ ہاتھ میں لیے اہل شام پر بلہ بول دیا۔ اہل لشکر نے بھی اسی کے ساتھ حملہ کر دیا۔ شامیوں سے لڑتے لڑتے اشتر کے تین نیزے ٹوٹے۔ فریقین نے ایک دوسرے کو شمشیر زنی کے خوب جوھر دکھائے۔ لوہے کے ڈنڈوں سے بھی لڑے۔ اتنے میں ایک شامی برآمد ہوا، وہ بھی لوہے میں غرق تھا، آتے ہی پکارا ”اے ابوالحسن! میرے قریب آؤ، مجھے تم سے ایک بات کرنا ہے۔ چنانچہ علیؑ اس سے قریب ہوئے۔ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں آمنے سامنے سے باہم مل گئیں۔ اس نے علیؑ سے کہا ”آپ کو اسلام میں جو تقدم حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں۔ آپ نے رسول خدا کے ہمراہ ہجرت کی، جہاد کیا، کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ خون خرابہ بند ہو جائے اور آپ عراق واپس چلے چلیں تاکہ یہ لڑائی ملتوی ہو جائے۔ اسی طرح ہم شام کی جانب لوٹ جائیں تاکہ آپ اپنے معاملے پر غور کر لیں اور ہم اپنے موقف پر۔“

حضرت علیؑ نے جواب دیا ”اے مرد! میں نے اس مسئلے کی خوب چھان بھنگ کی ہے۔ اب میرے پاس جنگ کے سوا یا رسول خدا پر خدا کی طرف سے نازل شدہ ہدایت سے روگردانی کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔ اللہ کو اپنے دوستوں کی یہ بات پسند نہیں کہ دنیا میں نافرمانی ہو رہی ہو اور وہ چپ سادھے رہیں۔ نہ نیکی کا حکم دیں اور نہ بدی سے روکیں۔ لہذا میں نے جنگ کو سہل تر جانا ہے۔ اس کے مقابلے میں جہنم کے اپنی طوق زیادہ گراں بار اور تکلیف دہ ہوں گے۔“

شامی لوٹ گیا۔ زبان پر تھا انا للہ وانا الیہ راجعون، ازاں بعد ورن پڑا کہ نیزے ٹوٹ گئے۔ تلواریں کٹ گئیں۔ وہ غبار اٹھا کہ زمین تاریک ہو گئی۔ ہر شخص کے چمکے چھوٹ گئے۔ حالت یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے مگر ہاتھ نہ اٹھتا تھا۔ آخر پردہ شب میں پناہ گزیں ہوئے۔ وہ شب شب ہیر تھی۔ اگلی صبح اٹھے تو مل جل کر اپنے اپنے مقتولوں کو اٹھانے اور دفن کرنے میں مصروف ہو گئے۔ شب ہیری کی اگلی صبح کو حضرت علیؑ لوگوں سے خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ خدا کی حمد و ثناء بیان کی اور پھر فرمایا ”اے لوگو! تمہارے اور تمہارے دشمن کا معاملہ جس نقطے پر پہنچ گیا ہے وہ تم پر روشن ہے۔ اب وہ آخری دموں پر ہیں۔ خدا تم پر رحم کرے، آج سانچھ سویرے اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ تاکہ خدا ہمارے اور ان کے مابین فیصلہ کر دے۔ وہی بہترین حکم ہے۔“ اس بات کی اطلاع معاویہ کو بھی ہو گئی لہذا وہ عمرو سے پوچھنے لگے ”تم کیا مشورہ دیتے ہو۔ ہمارے پاس یہی ایک دن رات ہے۔“ عمرو نے جواب دیا ”میں نے اپنے حیلہ و تدبیر کی مدد سے ایک بات دل میں ٹھیرا رکھی تھی اور اسے آج کے دن پر اٹھا رکھا تھا۔ اگر وہ لوگ اس بات کو قبول کر لیں تو جب بھی

بھگڑیں گے اور رد کر دیں تو جب بھی جھگڑیں گے۔ معاویہؓ نے کہا ”وہ کیا ہے؟“۔
 معاویہؓ نے جواب دیا ”آپ ان لوگوں کو دعوت دیں کہ کتاب الہی کو حکم بنالیا جائے اور
 وہی ہمارے اور آپ کے مابین فیصلہ کرے۔ اس حیلے سے آپ اپنا مقصود پالیں
 گے۔“ معاویہؓ یہ جان گئے کہ بات اسی طرح ہے۔ کہتے ہیں کہ اس موقع پر اشعث بن
 قیس نے اپنی قوم سے جو اس کے جھنڈے تلے جمع تھی کہا ”کل آپ نے دیکھا کہ
 جنگ نے کیا تباہی مچائی، خدا کی قسم اگر ہم آج صبح بھی لڑے تو عرب برباد ہو جائے گا،
 تمام مقدس ذمہ داریاں ضائع ہو جائیں گی۔ کہتے ہیں کہ جاسوسوں نے اشعث کی
 بات معاویہؓ کو جانسنائی۔ معاویہؓ سن کر بولے ”اشعث نے سچ ہی تو کہا ہے۔ اگر ہم
 صبح بھی لڑے تو اہل روم اہل شام کی اولادوں پر ٹوٹ پڑیں گے اور ایرانی سردار اہل
 عراق کی اولادوں پر، مگر اس بات کو سمجھیں تو وہ جو عقل و دانش سے بہرہ مند ہیں، لہذا
 اے لوگو! نیزوں کی سنانوں کے ساتھ قرآن باندھ لو۔“

کہتے ہیں کہ تقیہ سنانوں کے ساتھ قرآن باندھ دیے گئے۔ سب سے پہلا
 قرآن دمشق کا ”مصحف اعظم“ تھا جو پانچ نیزوں سے باندھا گیا اور پانچ آدمیوں نے
 اٹھایا۔ پھر باقی قرآن بھی جس قدر ان کے پاس باندھ دیے گئے اور لوگ انہیں لے کر
 صبح سویرے نکل کھڑے ہوئے۔ اہل عراق نے دیکھا کہ اہل شام چڑھے چلے آتے
 ہیں اور ان کے آگے آگے جھنڈوں سے ملتی جلتی کوئی شے ہے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا
 کہ یہ کیا ہے۔ تاکہ صبح روشن ہوگئی۔ دیکھا تو قرآن تھے۔

ازاں بعد فضل بن اڑہم نے قلب، شریح جذامی نے میمنہ اور ورقاء بن معمر نے
 میسرہ کے سامنے آکے پکارا ”اے برادران! عرب خدا سے ڈرو، خدا کے لیے اپنی

مروتوں اور بچوں کو اہل فارس اور روم سے بچاؤ۔ جو کل کلاں چڑھ دوڑیں گے۔ دیکھو!
 تم تو برباد ہو کر رہ گئے ہو۔ یہ ہے کتاب الہی، ہمارے اور تمہارے درمیان یہ فیصلہ
 کرے گی۔“

اس پر حضرت عیٰ نے کہا ”تمہارا مقصود کتاب نہیں، تم تو چال چل رہے ہو۔
 پھر ابو معر سلمیٰ ایک سیاہ نو پر سوار ہو کر آ پہنچا۔ اس کے سر پر مصحف لہرا رہا تھا اور وہ پکار
 پکار کر رہا تھا ”اے اہل عراق! یہ ہے کتاب الہی، تمہارے اور ہمارے درمیان یہ
 فیصلہ کرے گی۔“

جب اہل عراق نے یہ کلمات سنے تو کر دوس بن حنفی الکفری نے اٹھ کے کہا ”
 اے اہل عراق! ان مصاحف کو دیکھ کر ڈھیلے نہ پڑ جانا۔ یہ محض فریب ہے۔“ ان کے
 بعد سفیان بن ثور الکفری نے بات کی ”اے لوگو! شروع میں ہم نے اہل شام کو کتاب
 الہی کی طرف دعوت دی تھی مگر انہوں نے ہماری بات رد کر دی۔ لہذا ہم نے ان کے
 خلاف جنگ کرنے کو جائز جانا، اب اگر ہم ان کی بات رد کر دیں تو ان کے لیے
 ہمارے خلاف لڑنا جائز و حلال ہو جائے گا۔ پھر یہ کہ ہمیں اس بات کا خوف کب ہے
 کہ نہ اور اس کا رسول ہماری مخالفت کریں گے؟“

اس کے بعد خالد بن معمر بولے ”اے امیر المؤمنین! بقا تو اس بات میں ہے
 جس کی طرف ان لوگوں نے دعوت دی ہے بشرطیکہ آپ کی بھی یہی رائے ہو۔ اگر آپ
 کی رائے یہ نہ ہو تو بہر حال آپ کی صوابدید مقدم ہے۔“ اہل کے بعد حصین بن منذر
 نے بات کی ”اے لوگو! ہمارا داعی وہ شخص ہے جس کو ہم نے ہر معاملے میں لائق ستائش
 پایا، لہذا اس کی ستائش کی۔ وہ جو کچھ بھی کرے ہمیں اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ اگر وہ کہے

نہ تو ہم بھی کہیں گے نہ اگر وہ کہے گا" ہاں تو ہم بھی کہیں گے "ہاں"۔

ازاں بعد حضرت علیؑ نے گفتگو کی اور کہا "اے خدا کے بندو! ہم کتاب الہی کی جانب ہلانے والی آواز کے سامنے سب لوگوں سے قبل سر جھکا دیتے اور اسی طرح تم بھی مگر ہمیں معلوم ہے کہ یہ قوم اس پردے میں محض مکر و فریب کر رہی ہے لڑائی نے انہیں بری طرح نقصان پہنچایا ہے۔ خدا کی قسم اگرچہ انہوں نے قرآن بلند کر دیے ہیں مگر قرآن کے احکام کی پیروی نہ کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر نہیں۔ اس کے باوصف یہ ہے۔ بس میں نہیں کہ مجھے کتاب الہی کی جانب بلایا جائے اور میں انکار کروں۔ یہ یسے مومن ہے جب کہ ہم نے ان کے خلاف جنگ ہی اس مقصد سے کی تھی کہ وہ حکم قرآن کے مطابق عمل کریں؟"

اس پر اشعث نے کہا "اے امیر المؤمنین ہم آج بھی آپ کے اسی طرح تابع فرمان ہیں جیسے کل تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ پسندیدہ رائے یہی ہے جس کا آپ نے ابھی ابھی اظہار کیا ہے کہ اگر وہ لوگ قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دیتے ہیں تو ان کی دعوت قبول کر لی جائے۔ مگر عدی بن حاتم اور عمرو بن حنظلہ کے خواہاں نہ تھے۔ لہذا انہوں نے حضرت علیؑ کو اس کے حق میں مشورہ نہ دیا۔

بہر حال جب حضرت علیؑ نے بات مان لی تو لوگوں نے ان سے کہا "کسی کو اشتر کے پاس بھیجنے کہ وہ جنگ سے دستکش ہو کر آپ کے پاس پہنچ جائے۔" اشتر اس وقت مہذبہ کی جانب مصروف جنگ تھا۔ یہ سن کر علیؑ نے یزید بن حسان سے کہا "جاؤ اور اسے جنگ سے دستکش ہو کر یہاں آجائے۔" یزید اشتر کے پاس گیا اور

اس پہلو والوں کے مابین جنگ چھڑ چکی ہے۔ اب لونڈا زبیا نہیں۔"

یزید حضرت علیؑ کے پاس واپس گیا اور اس امر کی اطلاع دے دی۔ ادھر اشتر والی جانب کی طرف سے نعرے بلند ہونے شروع ہو گئے، غبار اُڑنے لگا۔ اس پر لوگوں نے حضرت علیؑ سے کہا "ہمارا گمان یہ ہے کہ آپ نے اشتر کو حکم ہی یہی بھیجا تھا کہ لڑتا رہے۔" حضرت علیؑ نے جواب دیا "میں نے یہ حکم کیونکر دے دیا۔ میں نے اس سے کوئی سرگوشی تو نہیں کی؟" پھر یزید سے کہا "اشتر کے پاس واپس جاؤ اور اس سے کہو کہ چلا آئے۔ فتنہ بالیقین رونما ہو چکا ہے۔" یزید نے اشتر سے جا کر یہ بات کہہ دی۔

اشتر نے کہا "کیا ان مصاحف کے اٹھائے جانے کے باعث؟" یزید نے کہا "ہاں۔" اشتر بولا "خدا کی قسم جب یہ اٹھائے گئے تھے تو میرا بھی یہی خیال تھا کہ یہ اختلاف و تفرقہ ڈال دیں گے۔"

بہر حال اشتر روانہ ہوا اور ان لوگوں کے پاس جا کے کہنے لگا "اے اہل نبوت و ذلت کیا عین اس وقت جب تم اس قوم پر حاوی ہو رہے تھے ان مصاحف کے باعث ڈھیلے پڑ رہے ہو، مجھے ذرا دیر مہلت دو۔ وہ لوگ کہنے لگے "ہم خطا کاری میں تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔" اشتر نے کہا "تمہارا استیاناں! اب تمہیں یہ کہنے کا حق کیونکر پہنچتا ہے، عالم یہ ہے کہ تمہارے عالی قدر افراد مارے جا چکے ہیں، بے قدر و باقی رہ گئے ہیں تم کب حقیقت شناس تھے؟ کل جب تم لڑ رہے تھے یا اب جب رک گئے ہو؟ تمہارے ان مقتولوں کی کیا حیثیت ہوئی جن کی افضلیت سے تم انکار نہیں کر سکتے؟ پھر کیا خیال ہے کہ وہ جنت میں گئے یا جہنم میں؟" لوگوں نے کہا "ہم شامیوں کے خلاف اللہ ہی کی خاطر لڑ رہے تھے۔ اب اللہ ہی کی خاطر لڑنا ترک کر

رہے ہیں۔“ اشتر نے کہا ”اے سیاہ جہیں لوگو! ہم سمجھتے تھے کہ تمہاری نماز عبادت ہے اور تم جنت میں جانے کے آرزو مند ہو مگر ہم دیکھ یہ رہے ہیں کہ آپ لوگ بھاگ بھاگ کر دنیا کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں۔ تمہارا ستیا ناس۔“

یہ سن کر لوگ اشتر کو اور اشتر انہیں گالیاں دینے لگ گیا۔ لوگ اس کے گھوڑے کے منہ پر چھڑیاں برسائے لگ پڑے اور اس نے ان کی سوار یوں کے منہ اپنی لاشی سے توڑنے شروع کر دیے۔ مسعر بن فذکی اور ابن الکسوا اور ان کے طبقے کے دوسرے قاری اصحاب جو بعد میں خوارج بن گئے وہ ان لوگوں میں شامل تھے جو مصحف کو حکم بنانے کے شدید ترین حامیوں میں سے تھے۔

ادھر امیر معاویہؓ نے اہل شام سے خطاب کرتے ہوئے کہا ”اے لوگو! ہمارے اور ان لوگوں کے مابین جنگ لمبی ہوگئی ہے اور حال یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک یہی سمجھتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور اس کا حریف جھوٹا ہے۔ اب ہم نے انہیں کتاب الہی اور اس کی ثالثی کی طرف دعوت دی ہے اگر وہ قبول کر لیں تو کر لیں ورنہ ہم نے ان کے حق میں اتمام حجت کر دیا۔“

ازاں بعد معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے نام رقعہ لکھا ”اس قتل و خون کے ضمن میں سب سے اول محاسبہ میرا اور آپ کا ہوگا۔ لہذا میں آپ کو اس خون ریزی سے دستکش ہونے اور دینی اتحاد و ترک عداوت کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ نیز اس امر کی جانب بھی دعوت دیتا ہوں کہ میرے اور آپ کے مابین دو حکم ثالثی کریں۔ ایک میری طرف سے، ایک آپ کی جانب سے۔ اُن کا فیصلہ قرآن کے صریح اور واضح احکام کے مطابق ہو۔ پھر اگر آپ واقعی اہل قرآن (قرآن والے) ہیں تو قرآن کے حکم بنائے

جانے پر رضا مند ہو جائیں۔“

حضرت علیؓ نے انہیں جواب میں لکھا ”تم نے قرآن کو حکم بنانے کی دعوت دی ہے۔ حالانکہ میں جانتا ہوں تم قرآن کی ثالثی کے لیے کوشاں نہیں۔ ہم نے تو قرآن کے حکم کو قبول کر لیا تمہیں نے نہیں کیا اور جو شخص حکم قرآن پر رضا مند نہیں وہ یقیناً بہت بڑی گمراہی میں مبتلا ہے۔“

ایک خط عمرو بن عاص کے نام تحریر کیا ”اما بعد! دنیا اپنی طرف یوں مائل کرتی ہے کہ کسی اور شے کی جانب توجہ نہیں رہتی اور جب کوئی دنیا طلب اس سے کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو حرص کی ایک راہ اور کھل جاتی ہے، جس کی خاطر ذوق و شوق پہلے سے بیشتر ہو جاتا ہے۔ دنیا طلب جو کچھ پالیتا ہے اس پر قناعت کر کے جو کچھ حاصل نہیں ہوا اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ پھر اس سب کچھ کے بعد مقدر یہ ہے کہ ہر اند وخت سے جدا ہو جاؤ۔ اس لیے تم معاویہ کے باطل میں ان کا ساتھ دے کر اپنے اعمال فنانہ کرو۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو نقصان خود اپنا ہی کرو گے، والسلام۔“

عمرو نے حضرت علیؓ کو جواب دیا ”اما بعد! بیشک وہ شے جس میں ہم سب کی بہتری اور اتحاد مضمر ہے وہ راستی کی جانب لوٹ جانا ہے۔ ہم نے قرآن کو اپنے اور آپ کے درمیان حکم بنا دیا ہے۔ تاکہ ہم اس کی ثالثی پر راضی ہو جائیں اور لوگوں کے نزدیک اپنی جانب سے اتمام حجت کر دیں۔ والسلام۔“

حضرت علیؓ نے عمرو بن عاص کو لکھا ”اما بعد: وہ چیز جو دنیا طلبی کے باعث تمہارے نفس کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے عنقریب تم سے منہ پھیر لے گی لہذا دنیا کی

جانب سے مطمئن نہ ہو یہ بڑی فریب کار ہے۔ اگر گزشتہ کے پیش نظر عبرت حاصل کرو تو جو کچھ درپیش ہے اس سے فائدہ حاصل کر سکو گے۔ والسلام۔“

عمر و نے ان کے نام لکھا ”اما بعد حق یہ ہے کہ جس نے قرآن کو حکم بنایا اس نے بڑا انصاف کیا ہے۔ لہذا اے ابوالحسن صبر سے کام لیں، ہم آپ کو وہی حق دیں گے جو قرآن دے گا۔ والسلام۔“

آخر قرائے اہل شام و عراق جمع ہو گئے اور دونوں لشکروں کے مابین آن بیٹھے۔ قرآن ان کے پاس تھے۔ باہم قرآنی احکام کی تلقین کی اور پھر اس امر پر متفق ہو گئے کہ دو حکم مقرر کر دیں۔ ازاں بعد اپنی اپنی فوج کی جانب لوٹ گئے۔ اہل شام نے کہا ”ہم عمرو پر رضامند ہیں۔“

اشعث اور اس کے ہمراہ جو عراقی تھے انہوں نے کہا ”ہم ابو موسیٰ پر رضامند ہیں۔“ اس پر حضرت علیؑ نے ان سے کہا ”مجھے ابو موسیٰ کی رائے اور دوراندیشی پر اعتقاد نہیں، میں یہ کام عبد اللہ بن عباسؓ کے سپرد کرتا ہوں۔“

انہوں نے جواب دیا ”خدا کی قسم ہم آپ میں اور ابن عباسؓ میں کوئی فرق نہیں پاتے۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے آپ خود حکم بن جانا چاہیں۔ آپ کسی ایسے شخص کو حکم بنائیں جو آپ سے اور معاویہ سے یکساں تعلق رکھتا ہو۔ وہ جو آپ دونوں میں سے کسی ایک کے بھی نسبتاً زیادہ قریب نہ ہو۔“

حضرت علیؑ نے کہا ”تو پھر اہل شام کے ضمن میں عمرو پر کس طرح رضامند ہو گئے ہو؟ حالانکہ عمرو ویسا نہیں ہے۔“

وہ بولے ”شامی جانیں اور ان کا کام، ہم تو اپنی ذات کے ذمہ دار ہیں۔“

حضرت علیؑ نے کہا ”تو میں یہ کام اشتر کے سپرد کرتا ہوں۔“

اشعث نے جواب دیا ”کیا اس جنگ کی آگ اشتر ہی نے نہیں بھڑکائی اور کیا ہم (اب تک) اشتر ہی کے زیر حکم نہیں؟“

حضرت علیؑ نے پوچھا ”اشتر کا حکم کیا ہے۔“

اشعث نے کہا ”یہ کہ ایک دوسرے پر تلوار کا وار کرتا رہے اور پھر جو خدا چاہے ظہور میں آجائے۔“

اس پر حضرت علیؑ نے پوچھا ”گویا تم ابو موسیٰ کے سوا کسی بھی دوسرے کو قبول نہیں کرو گے؟“

وہ بولے ”ٹھیک ہے۔“

حضرت علیؑ نے کہا ”اچھا تو پھر جو جی میں آئے کرو۔“

کہتے ہیں کہ اس پر لوگوں نے ابو موسیٰ اشعرؓ کے پاس قاصد روانہ کر دیا۔ وہ جنگ سے کنارہ کش تھے اور شام کے ایک سرحدی نواح میں مقیم تھے۔ بہر حال ان کا ایک مولیٰ ان کے پاس حاضر ہوا اور کہا ”لوگوں میں صلح ہو گئی ہے۔“ ابو موسیٰ بولے ”الحمد للہ رب العالمین۔“ اس نے کہا ”لوگوں نے آپ کو حکم بنالیا ہے۔“ بولے ”انا للہ وانا الیہ راجعون۔“ آخر ابو موسیٰ رخصت ہوئے اور حضرت علیؑ کے لشکر میں جا پہنچے۔ لوگوں نے زمام کار ان کے سپرد کر کے اظہار رضامندی کیا اور انہوں نے حکم بننے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

اس پر احنف بن قیس نے حضرت علیؑ سے کہا ”آپ کا پالا دنیا بھر کے محکم ترین اور عرب کے مدبریں شخص سے پڑا ہے۔ دوسری طرف میں ابو موسیٰؓ کو جنگ

جانتا ہوں، دوست گفتار اور بے کار سے شخص ہیں۔ اس کام کے لیے تو وہی شخص زیبا ہو سکتا ہے جو اپنے مد مقابل کے اتنا قریب بھی ہو سکے گویا اس کی منگی میں ہے اور اتنا دور بھی گویا ستاروں کا ہمنشیں ہے۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے حکم بنا دیں یا مجھے ان کے ساتھ دوسرا یا تیسرا قرار دے دیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے نہیں تو پھر آپ رسول خدا ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو مامور کریں اور مجھے اس کا وزیر و مشیر بنادیں۔“

اس پر حضرت علیؑ نے کہا ”یہ لوگ ابو موسیٰ کے سوا کسی کے بھی حق میں راضی نہیں۔ خدا اپنی منشا پوری کر کے رہے گا۔“

کہتے ہیں کہ معاویہؓ نے ایمن بن خرم کو فلسطین کا ایک ضلع دینے کی پیش کش کی تھی بشرطیکہ وہ ان کی بیعت کر لے مگر ایمن نے انکار کر دیا۔

وثیقہ تحکیم

کہتے ہیں کہ اہل عراق و شام جمع ہوئے اور ایک منشی کو بلا کر کہا کہ وہ لکھے ”بسم الرحمن الرحیم۔ یہ ہے وہ معاملہ جس کے ضمن میں امیر المؤمنین نے طے کیا ہے کہ.....“ اس پر معاویہؓ بول پڑے ”اگر میں آپ کو امیر المؤمنین تسلیم کر لوں اور پھر آپ کے خلاف جنگ لڑوں تو ظاہر ہے کہ پھر میں بڑا گیا گزر رہا شخص ہوں۔“ اس پر اخف بن قیس نے کہا ”اے امیر المؤمنین اپنے نام کی امیر المؤمنین کو ہرگز نہ مٹانا، اگر آپ نے ایک بار اسے منادیا تو پھر یہ آپ کے پاس کبھی واپس نہ آئے گی، ان کی یہ بات ہرگز ہرگز نہ ماننا۔“

اس پر علیؑ نے کہا ”اللہ اکبر، سنت سنت ہی پر استوار ہوتی ہے۔ بخدا اس قضیے کی نظیر صلح حدیبیہ کے روز میرے ہاتھوں عمل میں آئی تھی۔ قریش کہتے تھے کہ محمد رسول اللہؐ نہ لکھا جائے۔ اس پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھنے والے سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبد اللہ لکھو۔ چنانچہ لکھا گیا ”یہ ہے وہ معاملہ جس کے ضمن میں علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان اور دونوں کے شیعیان نے ایک فیصلہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں افراد کتاب الہی اور سنت رسول خدا کو حکم قرار دیتے ہیں۔“ حضرت علیؑ کا فیصلہ حاضر و غائب عراقیوں کے لیے اور معاویہؓ کا حاضر و غائب شامیوں کے لیے واجب الاذعان ہوگا۔ بیشک ہم ہر معاملے میں حکم قرآن کے جو اس میں آغاز سے اختتام تک موجود ہے پابند ہوں گے۔ جس شے کو قرآن زندہ کرے گا ہم بھی زندہ کریں گے۔ جس شے کو قرآن ماردے گا ہم بھی ماردیں گے۔ یہی دونوں کا فیصلہ ہے اور اسی پر دونوں رضا مند ہیں۔ نیز یہ کہ علیؑ اور ان کے شیعہ اس امر پر راضی ہیں کہ عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ) ان کے ناظر اور حکم ہوں گے معاویہؓ اور ان کے شیعہ رضا مند ہیں کہ عمرو بن عاص ان کے ناظر اور حکم ہوں گے۔ یہ کہ علیؑ اور معاویہؓ نے عبد اللہ بن قیس اور عمرو بن عاص سے خدا اور رسول خدا کا واسطہ دے کر یہ عہد اور یہ بیان لیا ہے کہ وہ دونوں قرآن ہی کو پیش نظر رکھیں گے اور جو چیز قرآن میں مرقوم و مسطور دیکھیں گے اس سے ہٹ کر کسی اور چیز کا سہارا نہ لیں گے۔ جو چیز قرآن میں نہ پائیں گے اسے رسول خدا کی سنت جامعہ کی روشنی میں حل کریں گے۔ اس معاملہ میں نہ اختلاف کے خواہاں ہوں گے اور نہ تخمین و ظن کا قصد کریں گے۔

نیز یہ کہ عبد اللہ بن قیس اور عمرو بن عاص نے علیؑ اور معاویہؓ سے خدا کا واسطہ

دے کر یہ عہد و پیمان لیا کہ وہ دونوں حکم کتاب الہی اور سنت نبوی کی روشنی میں جو فیصلہ صادر کریں گے ان دونوں کو قبول ہوگا۔ انہیں نہ خلاف ورزی کا کوئی حق حاصل ہوگا اور نہ وہ ان دونوں سے ہٹ کے کسی اور کی جانب رجوع کریں گے۔ یہ کہ وہ دونوں اپنے فیصلے کے معاملے میں اپنے خون، اموال، مولیٰ، بھیتی، کنبے اور اولاد کے ضمن مامون ہوں گے تاوقتیکہ یہ حق سے روگردانی کے مرتکب ہوں، خواہ ان کے فیصلے سے کوئی راضی ہونے والا راضی ہو یا ناراض ہونے والا ناراض۔ ان کے برحق فیصلے کے معاملے میں جو کتاب الہی کی روشنی میں ہوگا پوری امت ان کی مددگار ہوگی۔ اگر ان دو حکموں میں سے کوئی فیصلے سے قبل چل بے تو اس کے رفقا اور اصحاب کا فرض ہوگا کہ وہ اس کی جگہ انصاف پسند اور خیر جو افراد میں سے کسی کو چن لیں اور اس سے بھی وہی عہد و پیمان لیں جو اس کے مرحوم ساتھی سے لیا گیا تھا۔ اسی طرح اگر دونوں امیروں میں سے کوئی اس قضیے کی مقرر کردہ مدت کے انقضا سے قبل چل بے تو رفقا کو حق حاصل ہوگا کہ اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو والی بنالیں جس کی معدلت پسندی سے راضی ہوں۔ اب فریقین کا باہمی جھگڑا، مباحثہ، مجادلہ اور لڑائی ختم ہوگئی۔ اب یہ جھگڑا اسی طرح ختم ہوگا جس طرح ہم نے تحریر میں بیان کر دیا ہے کہ اس طرح دونوں امیر، دونوں حکم اور دونوں فریق اس امر کے پابند ہیں۔ خدا ہی قریب ترین گواہ ہے اور اسی کی شہادت کافی ہے اور اگر حکم متفق نہ ہو سکیں اور بے انصافی کریں تو امت ان کی ثالثی کی تعمیل سے مبرا ہوگی۔ نہ وہ کسی عہد کی پابند ہوگی اور نہ ذمہ داری کی۔ بہر حال لوگ اپنی جانوں، کنبوں اور اولادوں کے معاملے میں مدت معینہ کے انقضا تک مامون ہوں گے۔ اختیار رکھ دیے جائیں گے۔ راستے محفوظ ہوں گے۔ فریقین سے

علق رکھنے والے غیر حاضر افراد اس معاملے میں حاضرین کے مساوی ہوں گے۔ دونوں حکم حق رکھتے ہیں کہ اہل عراق و شام کے مابین کسی درمیانی منزل میں نہ لیں۔ وہاں ان دونوں سے کوئی نہ ملے گا۔ سو کسی ایسے شخص سے نہ وہ دونوں نہ رشتہ مندی سے خود ملنا چاہیں۔ مدت معینہ ماہ رمضان کے انقضا تک ہے اگر حکم فیصلہ جلدی کرنا ضروری خیال کریں تو جلدی بھی کر سکتے ہیں اور اگر وہ فیصلے کو مدت معینہ کے آخر تک ملتوی رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں اور اگر دونوں کتاب الہی اور سنت نبوی کے مطابق مدت معینہ کے انقضا تک کوئی فیصلہ نہ کر سکیں تو فریقین جنگ اپنی پہلی سی جنگی صورت حال کی طرف لوٹ جاسکتے ہیں۔ امت اس معاملے میں عہد و پیمان الہی کی پابند ہوگی۔ وہ ایک مٹھی بن کر اس شخص کی مخالفت کرے گی جو اس معاملے میں راہ راست سے ہٹے گا یا زیادتی یا مخالفت کرے گا۔

اس تحریر پر شہادت ثبت کرنے والے یہ بزرگ تھے۔ حسن بن علی بن ابی طالب، حسین بن علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، اشعث بن قیس، اشتر بن الحارث، سعید بن قیس، حصین بن حارص بن عبدالمطلب، طفیل بن حارث بن عبدالمطلب، ابوسعید بن ربیعہ انصاری، عبداللہ بن خباب بن ارت، سہل بن حنیف، ابو بشر بن عمر انصاری، عوف بن حارث بن عبدالمطلب، یزید بن عبداللہ اسلمی، عتبہ بن عامر جہنی، رافع بن خدیج انصاری، عمرو بن حمق خزاعی، نعمان بن عجلان انصاری، جبر بن عدی کنذی، یزید بن حبیبہ التکری، مالک بن کعب الحمدانی، ربیعہ بن شرییل، حارث بن مالک، جبر بن یزید، غلبہ بن حبیبہ۔

اہل شام کی طرف سے جن لوگوں نے گواہی ثبت کی وہ یہ تھے "حبیب بن

مسلمہ فہری، ابو اعمور سلمی، بسر بن ارطاة قریشی، معاویہ بن خدیج کندی، مخارق بن حارث، مسلم بن عمرو سکسکی، عبدالرحمن بن خالد بن ولید، حمزہ بن مالک، سبیح ابن یزید الخضر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، علقمہ بن یزید الکلسی، خالد بن حصین سکسکی، عاتقہ بن یزید حضری، یزید بن ابجر عسی، مسروق بن جبہ عسکی، بشر بن یزید حمیری، عبداللہ بن عامر قریشی، عقبہ بن ابی سفیان، محمد بن ابی سفیان، محمد بن عمرو بن عاص، عماد بن احوص کلبی، مسعد بن عمرو عتقی، صباح بن جلیہ حمیری، عبدالرحمن بن ذی کلار، ثمامہ بن حوشب اور عاتقہ بن حکم۔

یہ تحریر چہار شنبہ کے روز ماہ صفر ۳۷ھ کی سترھویں تاریخ کو کابل میں آئی۔

تحکیم کے بعد کا اختلاف

اشعث نے عہد نامہ لیا اور فریقین کو پڑھ کر سنا دیا۔ پھر وہ ایک ایک جھنڈے (دستے) اور ایک ایک قبیلے کے پاس سے گزرے اور عہد نامہ پڑھ کر سناتے گئے۔ اسی طرح عنذہ کے جھنڈوں کے پاس سے بھی گزرے۔ بنو عنذہ میں سے حضرت علیؑ کے ہمراہ چار ہزار افراد تھے۔ جب اشعث نے ان لوگوں کو عہد نامہ پڑھ کر سنایا تو وہ بھائی جعد اور معدان نعرہ زن ہوئے ”لا حکم الا للہ“ (حکم خدا ہی کا ہے) اور پھر دونوں بھائیوں نے اہل شام پر حملہ کر دیا اور لڑتے ہوئے موت کے گھاٹ اتر گئے۔ وہ دونوں پہلے شخص تھے جنہوں نے ”لا حکم الا للہ“ کا نعرہ بلند کیا۔

ان بعد ان کا گزر بنو مراد کے جھنڈوں کے پاس سے ہوا تو صالح بن شقیق بن کعب بن فاضل بن افرام میں سے تھا کہنے لگا ”حکم خدا ہی کا ہے خواہ مشرکوں کو نہ گوار

ی کیوں نہ گزرے“۔ پھر وہ بنو اسب کے جھنڈوں کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے پکارا ”دین خدا کے معاملے میں آدمیوں کو حکم نہیں بنایا جاسکتا“۔ اس کے بعد وہ بنو تمیم کے جھنڈوں کے پاس سے گزرے انہوں نے بھی اسی قسم کی بات کہی مثلاً عمرو بن ادیہ بولا ”کیا تم دین خداوندی کے معاملے میں آدمیوں کو حکم بناتے ہو، اگر یہ بات ہے تو اے اشعث ہمارے مقتول کہاں گئے؟“۔ یہ کہہ کے اُدو پہ نے تلوار سے اشعث پر وار کیا مگر وار اوچھا پڑا۔ ضرب اس کی سواری کی دم پر پڑی۔ یہ دیکھ کر اشعث واپس اپنی جمعیت کی طرف لوٹ گئے۔ وہاں بنو تمیم کے سرداران کے پاس آئے اور معذرت کی۔ اشعث نے ان کی معذرت قبول کر لی اور معاف کر دیا۔

اسی طرح سلمان بن صرد حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ ان کے چہرے پر تلوار کے زخم تھے اور کہا ”اے امیر المومنین اگر مجھے کچھ سچھی میسر آجاتے تو یہ عہد نامہ معرض تحریر میں نہ آتا“۔ مسعر بن خنیس بن ضلیح بھی حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہا ”اے امیر المومنین کیا عہد نامے سے کسی طرح پھر انہیں جاسکتا؟ خدا کی قسم مجھے ڈر ہے کہ یہ عہد نامہ آپ کو بے وقار کر دے گا“ حضرت علیؑ نے فرمایا ”کیا ہم عہد نامہ لکھنے کے بعد اس سے منہ موڑ لیں، یہ ناجائز ہے“۔

اس کے بعد حضرت علیؑ اور معاویہؓ نے باتفاق رائے طے کیا کہ دونوں حکم دینے والوں کے مقام پر ملیں۔ یہ جگہ عراق اور شام کے وسط میں ہے۔ حضرت علیؑ نے ابو موسیٰ کے ہمراہ شریح بن ہانی کو اپنے معتمد چہار ہزار سپاہ کا سالار بنا کر روانہ کر دیا۔ عبداللہ بن عباسؓ کو ان کا امیر صلاۃ مقرر کیا۔ اسی طرح معاویہؓ نے چہار ہزار سپاہ کی قیادت ابو اعمور سلمی کے سپرد کر کے اُسے عمرو بن عاص کے ہمراہ روانہ کر دیا۔

غرضیکہ یہ لوگ صفین سے کوچ کر کے دومتہ الجندل میں جا اترے۔ حضرت علیؑ اپنے ساتھیوں سمیت واپس کوفہ چلے گئے۔ معاویہؓ اپنے ساتھیوں سمیت واپس دمشق پہنچ گئے۔ دونوں منتظر تھے کہ دیکھیں حکم کیا کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ جب بھی ابن عباس کے نام کسی معاملے میں کوئی خط لکھتے تو ساتھی ان کے گرد جمع ہو جاتے اور پوچھتے کہ ”امیر المومنین نے آپ کی طرف کیا لکھ بھیجا ہے؟“ اگر وہ چھپاتے تو کہتے ”آپ ہم سے کیوں چھپاتے ہیں؟ انہوں نے یہ یہ کچھ لکھا ہے“ اور ایسے پیچھے پڑتے کہ علیؑ کے مکتوب کا مضمون معلوم کر کے رہتے۔ دوسری طرف عمرو بن عاص کے نام معاویہؓ کے خط آتے تو ان سے کوئی بھی خط کے بارے میں کچھ پوچھنے نہ آتا۔ کہتے ہیں کہ معاویہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب، عبداللہ بن زبیر اور ابوجہم بن حذیفہ اور عبدالرحمن بن عبدیغوث کے نام خط لکھا ”اما بعد! جنگ بند ہو گئی ہے۔ دونوں حکم دومتہ الجندل کی جانب کوچ کر گئے ہیں۔ اگر آپ نے جنگ سے کنارہ کشی پسند کی تھی اور باقی لوگ جس معاملہ میں شامل ہو گئے تھے آپ اُس سے الگ رہے تھے تو اب ان دو حکموں کے پاس ضرور جایے اور ملاحظہ کیجیے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ والسلام“

جب ان اصحاب کے پاس معاویہؓ کا خط پہنچا تو سب کے سب دومتہ الجندل چلے گئے اور وہاں ٹھہر کے دونوں کی کارروائی کا انتظار کرنے لگے۔ حضرت سعد بن وقاص بھی ان لوگوں کے ساتھ پہنچ گئے تھے۔ اسی طرح مغیرہ بن شعبہ بھی جو طائف میں مقیم رہے تھے اور ان لڑائیوں میں سے کسی میں بھی شمولیت نہ کی تھی دومتہ الجندل میں وارد ہو کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے۔ مگر جب انہیں وہاں ٹھہرے بہت وقت گزر گیا

اور رخصت ہو کر دمشق میں گئے اور معاویہؓ سے ملے۔ معاویہؓ نے ان (مغیرہ) سے کہا ”آپ اپنی رائے کے مطابق مجھے مشورہ دیں“۔ کہا ”اگر میں آپ کو مشورہ دینے والا ہوتا تو آپ کے ہمارا جنگ کیوں نہ کرتا۔ میں تو ان حکموں کا مجروح سنانے آیا ہوں۔“ معاویہؓ نے کہا ”کیا مجروح ہے ان کا؟“

بولے ”میں نے ابو موسیٰؓ سے خلوت میں بات کی تھی کہ دیکھوں ان کے پلے کیا ہے۔ چنانچہ میں نے کہا ”اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے جو اس معاملے سے کنارہ کش رہا اور خون ریزی سے متنفر ہونے کے باعث گھر میں بیٹھا رہا۔“

انہوں نے جواب دیا ”ایسے افراد بہترین انسان ہیں۔ ان کی پیٹھ پر اپنے ہائیوں کے خون کا بوجھ نہیں، ان کے پیٹ اپنے بھائیوں کے اموال سے گراں بار نہیں“ پھر کہا ”ان سے ملاقات کرنے کے بعد میں عمرو بن عاص کے پاس گیا اور پوچھا ”اے ابو عبداللہ اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے جو ان جنگوں سے مجتنب رہا۔“ عمرو بن عاص نے جواب دیا ”ایسے افراد بدترین انسان ہیں، نہ حق کے پاسدار نہ باطل کے معاند۔“ میرا خیال تو یہ ہے کہ ابو موسیٰؓ اپنے ساتھی کو دستبردار کر دیں گے اور کسی ایسے شخص کو خلافت کے لیے نامزد کریں گے جو جنگوں میں موجود نہ تھا اور میرا خیال ہے کہ وہ عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب کے حامی ہیں۔ رہے عمرو بن عاص تو وہ آپ کے ساتھی ہیں اور ایسے ہی ہیں جیسے آپ کو معلوم ہے۔ میرا گمان ہے کہ وہ خلافت کا مطالبہ اپنے لیے یا اپنے بیٹے عبداللہ کے لیے کریں گے اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ آپ کو اس معاملے میں اپنے سے زیادہ حقدار جانتے ہیں۔“ اس بات نے معاویہؓ کو بہت دکھ دیا۔

حکموں کا تبادلہ خیال

کہتے ہیں کہ اس موقع پر عمرو بن عاص ابو موسیٰ کی بڑی نکریم و تعظیم ظاہر کرنے لگ پڑے۔ بات میں بھی پہل ابو موسیٰ ہی سے کراتے۔ ویسے بھی ان کی خوب آؤ بھگت کرتے۔ کہتے ”آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف مجھ سے قبل حاصل کیا۔ آپ مجھ سے عمر میں بڑے ہیں وغیرہ“۔ آخر جب وہ دونوں جالشی کے ضمن میں تبادلہ خیال کرنے کے لیے جمع ہوئے تو ابو موسیٰ نے کہا ”کیا تم کسی ایسے معاطلے کی حمایت کر سکتے ہو جس میں امت کی بہتری اور اللہ کی رضا مضمر ہو“۔

عمرو نے کہا ”وہ کیا؟“

ابو موسیٰ بولے ”ہم عبد اللہ بن عمر کو ولی الامر بنادیں۔ انہوں نے ان لڑائیوں کے ضمن میں کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں رکھا“۔

عمرو نے کہا ”آپ معاویہ کو کیا مقام دیتے ہیں“۔

ابو موسیٰ نے کہا ”معاویہ خلافت کے شایاں نہیں۔ انہیں کسی طرح بھی اس کا حق نہیں پہنچتا“۔

عمرو نے کہا ”کیا آپ نہیں جانتے کہ عثمان کو بے گناہ قتل کر دیا گیا تھا“۔

ابو موسیٰ نے کہا ”بجا“۔

عمرو نے کہا ”پیشک معاویہ عثمان کے ولی ہیں اور ان کا گھرانہ قریش کے یہاں جس قدر معزز ہے وہ آپ پر ظاہر ہے۔ اور اگر لوگ یہ کہیں کہ معاویہ کو ولی عہد بنایا گیا ہے حالانکہ انہیں سبقت حاصل نہیں تو آپ کے پاس عذر ہوگا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ

میں نے انہیں عثمان کا ولی پایا ہے اور خدا تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ”جو شخص بے گناہ قتل کر دیا جائے گا ہم اختیار اس کے ولی کو سونپ دیں گے“..... علاوہ ازیں وہ زوجہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام حبیبہ کے بھائی ہیں اور ان کے اصحاب میں سے ہیں“۔

ابو موسیٰ نے جواب دیا ”اے عمر و خدا سے ڈرو۔ رہا معاویہ کے شرف کا ذکر تو بات ہے کہ اگر خلافت شرف ہی پر مبنی ہوتی ہے تو ابراہہ بن صباح سب سے زیادہ مستحق ہوتا کیونکہ وہ ملوک یمن کے خاندان تبع سے تعلق رکھتا ہے اور ملوک تبع وہ لوگ تھے جو دنیا کے شرق و غرب کے فرمانروا تھے..... نیز یہ دیکھیں کہ معاویہ گوطلی کے مقابلے میں کونسا شرف حاصل ہے؟ رہا تمہارا یہ کہنا کہ معاویہ عثمان کے ولی ہیں تو یہ جان لیں کہ عثمان کے بیٹے عمرو کو معاویہ پر برتری حاصل ہے۔ لیکن اگر تم میری بات مانو تو ہم عمر بن خطاب کی سنت اور یاد کو تازہ کر دیں۔ وہ اسی طرح کہ ان کے فرزند عبد اللہ کو جو عالم خوشحصال ہیں خلیفہ بنادیں“۔

عمرو نے کہا ”آپ کو میرے بیٹے عبد اللہ کو یہ منصب دینے میں کیا بات روکتی ہے۔ وہ صاحب فضیلت ہے نیکو کار ہے، قدیم مہاجر ہے، اصحاب رسول میں سے ہے“۔

ابو موسیٰ نے جواب دیا ”تمہارا بیٹا خوب شخص ہے لیکن آپ نے اسے جنگوں میں بری طرح تھیر دیا ہے، لہذا آؤ خلافت طیب ابن طیب عبد اللہ بن عمر کے سپرد کر دیں“۔

عمرو نے کہا ”اے ابو موسیٰ خلافت کا اہل تو وہی شخص ہو سکتا ہے جو دو ڈاڑھیں رکھتا ہو ایک سے کھائے دوسری سے کھائے“۔

ابو موسیٰ نے کہا ”عمر و تم کمال کرتے ہو؟ مسلمانوں نے ایک معاملہ ہمارے سپرد کیا ہے اور تم واریں کھٹکھٹانے اور نیزے کھڑکھڑانے کے بعد کیا ہے۔ چاہیے کہ ہم

انہیں دوبارہ فتنے کے سپرد نہ کریں۔“

عمر و بولے ”اچھا تو آپ کی صلاح کیا ہے؟“

میری صلاح یہ ہے کہ ان دونوں کو دستبردار کر دیں۔ علیؓ کو بھی اور معاویہؓ کو بھی اور پھر خلافت کے معاملے کو مسلمانوں کے باہمی مشورے سے طے کریں۔ مسلمان جس کو چاہیں اپنے لیے منتخب کر لیں۔“

عمر و نے کہا ”ہاں میں اس پر رضامند ہوں، یہ وہ رائے ہے جس میں لوگوں کی بہبودی مضمر ہے۔“

کہتے ہیں کہ وہ یہ بات طے کر کے جدا ہو گئے۔ اب ابن عباسؓ ابو موسیٰ کے پاس آئے اور تجلیے میں گفتگو کرتے ہوئے تلقین کی ”ابو موسیٰ آپ ہوشیار رہیں۔ خدا کی قسم میرا گمان یہ ہے کہ عمر و نے آپ کو پھانس لیا ہے، اگر آپ دونوں کسی بات پر متفق ہو گئے ہیں تو کوشش کریں کہ پہلے عمر و بولیں آپ ان کے بعد بات کریں کیونکہ عمر و بے امانت شخص ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ خواہ انہوں نے آپ سے کسی معاملے میں اتفاق بھی کر لیا ہو جب بھی اگر آپ مجمع عام میں وہی بات کریں گے تو وہ آپ کی مخالفت کریں گے۔“

دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کی مخالفت نہ کرے گا، انشاء اللہ۔“

حکموں کے فیصلے کا اعلان

اگلے روز صبح دونوں حکم اور ان کے ساتھی لوگوں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرنے کے لیے نکلے۔ لوگ جامع مسجد میں جمع تھے، وہاں پہنچے تو ابو موسیٰ نے عمر و سے کہا ”آپ منبر پر چڑھیں اور بات کریں۔“ عمر و نے جواب دیا ”میں آپ سے پہلے

کیونکر بولوں، آپ از روئے فضیلت مجھ سے برتر ہیں، آپ نے مجھ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ عمر میں بھی مجھ سے بڑے ہیں۔“..... بہر حال ابو موسیٰ نے پہل کی، منبر پر چڑھ گئے، خدا کی حمد و ثناء بیان کی، اور کہا ”اے لوگو! ہم نے ایک ایسی بات سوچی ہے جس کے باعث اس امت کو خدا اتحاد و اتفاق سے بہرور کر دے گا اور اس کے ہر معاملے کی اصلاح فرمائے گا۔ ہمارے نزدیک اس سے زیادہ کارگر اور کوئی تدبیر نہیں کہ ہم ان دونوں آدمیوں کو یعنی علیؓ اور معاویہؓ کو ہٹا دیں اور خلافت کے معاملے کو شوریٰ کے سپرد کر دیں تاکہ لوگ خلافت کے لیے جسے موزوں جانیں اسے چن لیں۔ لہذا میں علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو برطرف کرتا ہوں،..... تم لوگ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لو اور جسے چاہو اپنا امیر بنالو“ یہ کہا اور اتر گئے۔

اب عمر و منبر پر چڑھے اور خدا کی حمد و ثناء بیان کی اور کہا ان صاحب نے جو کچھ کہا آپ نے سن لیا انھوں نے اپنے آدمی کو برطرف کر دیا ہے۔ ٹھیک ہے میں بھی اسے اسی طرح برطرف کرتا ہوں جس طرح ان صاحب نے کیا ہے۔ مگر میں اپنے آدمی کو برقرار رکھتا ہوں اس لیے کہ وہ امیر المومنین عثمانؓ کا ولی ہے۔ ان کے قول کا دعویٰ دار ہے اور ان کی جانشینی سب سے زیادہ مفید ہے۔ یہ سنا تو ابو موسیٰ نے ان سے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے خدا تمہیں بے توفیق رکھے تم نے تو حقانیت اور عہد شکنی کی ہے۔

تمہاری مثال کتنے کی سی ہے۔ ان تجلی علیہ یلھٹ او تتر کہ یا بٹ۔“ (۱) کہ تو اس پر بار ڈالے وہ جب بھی ہانپے، چھوڑ دے جب بھی ہانپے (عمر و نے جواب دیا) ”اور تمہاری مثال گدھے کی سی ہے جو کتا میں اٹھائے پھرتا ہو، کھل الجھار۔ مکمل اسفار۔“ ۲۔

۱۔ سورہ اعراف آیت ۱۷۵ ۲۔ سورہ جعد آیت ۵

شرح بن حانی نے لٹھا اٹھایا اور عمر و پر برس پڑا، مگر لوگوں نے بچاؤ کر دیا۔

شرع کہا کرتے تھے ”مجھے جس قدر اس بات پر ندامت ہوتی ہے اتنے کسی بھی اور بات پر نہیں ہوتی کہ میں نے عمرو پر لائچی کے بجائے تلواری سے حملہ کیوں نہ کیا۔ اس کے بعد جو ہوتا سو ہوتا۔“ ابو موسیٰ ٹھکسکے اور اپنے اونٹ پر سوار ہو کر یہ جاوہ جا تا آنکہ مکے جا پہنچے، ابن عباس کہا کرتے تھے ”خدا برا کرے ابو موسیٰؓ کا، میں نے اسے تنبیہ کر دی تھی مگر وہ متنبہ نہ ہوا، یہ جو کچھ اُس کے ساتھ ہوا میں نے اسے بتا دیا تھا، مگر وہ ہوشیار نہ ہوا۔“..... بعد ازاں خود ابو موسیٰؓ بھی بارہا کہا کرتے تھے کہ مجھے ابن عباس نے عمرو کی خیانت کاری سے متنبہ کر دیا تھا مگر میں نے پھر بھی عمرو پر اعتماد کیا۔ میں یہ گمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی خیر خواہی پر کسی بھی اور شے کو ترجیح دے گا۔“

امیر معاویہؓ کی بیعت

اب عمرو اور دیگر اہل شام امیر معاویہؓ کے پاس واپس پہنچ گئے اور جا کے آداب خلافت بجالائے۔ ادھر ابن عباسؓ نے شریح بن حاتمؓ اور دیگر عراقی رفیقوں کے ہمراہ حضرت علیؓ کی سمت کوچ کیا اور حاضر ہو کر سارا ماجرا کہ سنایا، اس پر سعد بن قیس ہمدانی نے اٹھ کر کہا ”خدا کی قسم اگر ہم راہ ہدایت پر اکٹھے ہو جاتے تو ہمیں اتنی بصیرت حاصل نہ ہوتی جتنی موجودہ صورت حال نے عطا کی ہے۔“..... اسی طرح کی دیگر لوگوں نے بھی باتیں کیں۔

باب چہارم

﴿فتنہ خوارج﴾

..... از.....

(ابو حنیفہ الدینوری رحمۃ اللہ علیہ)

فتنہ خوارج

کہتے ہیں کہ جب اہل عراق کو دونوں حکموں کا ماجرا معلوم ہوا تو خوارج ایک دوسرے سے ملے اور قول و قرار کیا کہ وہ سب عبداللہ بن وہب راہی کے یہاں اکٹھے ہوں گے۔ چنانچہ عبداللہ کے یہاں خوارج کے عالی مرتبت اور عبادت شعار و پرہیز گار افراد اکٹھے ہوئے۔ جس نے سب سے پہلے بات کی وہ خود عبداللہ بن وہب تھا۔ اس نے حمد و ثنائے الہی بیان کی اور کہا ”اے جمعیت برادران! متاع دنیا قلیل ہے۔ اور اس سے جدائی کی گھڑی بہت قریب ہے۔ آؤ ہمارے ساتھ کہ ہم اُس حکیم کے خلاف اظہار ناپسندیدگی کے طور پر علم بغاوت بلند کریں، کیونکہ حکم فقط خدا کا ہے۔ بیشک خدا انہی لوگوں کا ساتھی ہے جو متقی اور نیکو کار ہیں“

عبداللہ کے بعد حمزہ بن سیار نے گفتگو کی اور کہا ”صحیح رائے یہی ہے جس کے تم حامل ہو۔ راہ حق بھی یہی ہے جس پر تم نے روشنی ڈالی ہے لہذا اے رفیقو! اپنے میں سے کسی کو امیر بناؤ، اس لیے کہ کسی قائد، کسی ناظم اور کسی علم کا ہونا ضروری ہے جس کے گرد تم لوگ جمع ہو سکو اور جس کی طرف رجوع کر سکو۔“

چنانچہ انہوں نے یزید بن حصین کو امارت کی پیشکش کی۔ وہ خوارج کے عبادت شعار بزرگوں میں سے تھا، مگر اُس نے امارت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر امارت علی بن ابی اوفی عیسیٰ کو پیش کی گئی، اس نے اسے قبول نہ کیا۔ آخر جب عبداللہ بن وہب راہی کو پیشکش کی گئی تو اس نے کہا ”لایئے میں قبول کرتا ہوں، مگر خدا کی قسم نہ میں اسے دنیا کی حرص کے باعث قبول کر رہا ہوں اور نہ موت سے بھاگ نکلنے کی خاطر، میں اس لیے قبول کر رہا ہوں کہ مجھے اس سے (خدا کے یہاں) اجر عظیم کی توقع

ہے“۔ یہ کہہ کے اُس نے ہاتھ نکالا اور کبھی نے بڑھ کر اس کی بیعت کر لی۔ ازاں بعد اس نے کھڑے ہو کر انہیں مخاطب کیا، حمد و ثنائے الہی بیان کی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوة و درود بھیجا اور کہا ”اما بعد! خدا نے ہم سے عہد و پیمان لیا تھا کہ ہم نیکی کا حکم دیں گے، بدی سے روکیں گے، سچ کہیں گے، اور اُس کی راہ میں جہاد کریں گے، اِنَّ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ۔ (جو لوگ راہ خدا سے بھٹک گئے وہ شدید عذاب میں مبتلا ہوں گے)۔ اسی طرح خدا نے عز و جل کا ایک اور ارشاد ہے ”وَمَنْ لَّمْ یُحْکَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ“۔ (اور جو لوگ خدا کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہیں دیتے وہی لوگ تو عہد شکن اور بے اصول ہیں)۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے ہم دین جو ہماری دعوت کے علم بردار ہیں انہوں نے ہوائے نفس کی پیروی کی ہے، حکم قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے اور فیصلے (حکیم) میں راہ عدل سے عدول کیا ہے۔ ان کے خلاف جہاد برحق ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے حضور چہرے جھک جاتے ہیں اور جس کی ہمت سے ٹکا ہیں لرزتی ہیں کہ اگر ان کے خلاف نہر و آزا ما ہونے کے معاملے میں میرا کوئی بھی معاون نہ ہوا تو میں اکیلا لڑوں گا تا آنکہ شہید کی حیثیت سے اپنے خدا کو جا ملوں۔“

جب یہ کلمات عبداللہ بن عمر نے سنے جو اصحاب کلاہ۔ میں سے تھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ پڑا، پھر کہنے لگا خدا ہلاک کر دے اس شخص کو جو اپنی ہڈیوں، گوشت، اور اعصاب کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کو خدا کے غیظ و غضب کے مقابلے میں آسان تر جانتا ہو،۔۔۔۔۔ بالخصوص ایسے موقع پر ان کو اٹھائے پھرے جبکہ خدا اس سے

۱۔ سورہ ص آیت ۲۶

۲۔ سورہ مائدہ آیت ۳۷

۳۔ صدر اسلام کے درویشوں کی ایک بڑی سی ٹوپی

تاراض ہے..... آخر سوچنے کی کیا بات ہے، تم تو محض خدا کی خوشنودی چاہتے ہو۔ لہذا اے میرے بھائیو! ان لوگوں سے نفرت کا اظہار کر کے جنہوں نے خدا کی نافرمانی کی ہے تم خدا کا تقرب حاصل کرو، ان نافرمانوں کی طرف خروج کرو، ان کے چہروں پر تلواریں مارو تا آنکہ سرھائے تسلیم خدا کے حضور خم ہو جائیں،..... خدا تمہیں ثواب سے نوازے گا۔ اُس ثواب سے جو اطاعت گزاروں کے لیے ہے، وہ اطاعت گزار جو خدا کے پسندیدہ امور کے ضمن میں سرگرم عمل رہتے ہیں، وہ لوگ جو اس کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں، پھر اگر تم کامیاب ہو جاؤ تو مال غنیمت بھی ہے اور فتح بھی، اور اگر تمہیں شکست سے دوچار ہونا پڑے تو جب بھی رضائے الہی اور جنت کی راہ پر گامزن ہونے سے برتر اور کیا شے ہے..... اس کارروائی کے بعد اس روز کی مجلس ختم ہوگئی اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔

اگلے روز عبداللہ بن وہب راہی اپنے چند ساتھیوں کو لیے شریح بن ابی اوفی عیسیٰ کے پاس گیا جو خوارج کے اکابر میں سے تھا اور حمد و ثنائے الہی کے بعد کہا "اما بعد! ان دونوں حکموں نے جو فیصلہ صادر کیا ہے وہ احکام خداوندی کے خلاف ہے۔ ہمارے جن بھائیوں نے تمہیں پر اظہار رضا مندی کیا تھا وہ کفر کے مرتکب ہوئے تھے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے دین کے معاملے میں آدمیوں کو حکم بنا دیا تھا، ہم ان کی جمیعت سے نکل جانے کو ہیں..... اس وقت ہم بھی ان میں شامل تھے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ ہم حق پر ہیں اور ان سے جدا ہو رہے ہیں۔"

اس پر شریح نے کہا "اپنے ساتھیوں کو عذاب خداوندی سے ڈراؤ، اور انہیں اپنے خروج سے آگاہ کر دو،..... ازاں بعد ہمارے ہمراہ برکت الہی کے سائے میں کوچ کرو،

تا کہ ہم مدائن میں جا اتریں اور وہاں ٹھہر کر اپنے بھری بھائیوں کو پیغام بھیجیں کہ ہمارے پاس پہنچ جائیں اور ان کے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے معاون بن جائیں۔"

یزید بن حصین طائی نے کہا "اگر تم لوگ اپنی پوری جمیعت کے ساتھ خروج کرو گے تو پالے جاؤ گے۔ لہذا کا دکا نکلو اور پوشیدہ طور پر نکلو، رہا مدائن تو وہاں راہ روک لینے والے موجود ہوں گے، اس لیے باہم یہ طے کرو کہ نہروان کے پل پر پہنچ کے ڈیرہ ڈال دو اور وہاں سے اپنے بھری بھائیوں کو لکھو کہ تم سے اسی جگہ آن ملیں..... سب نے کہا "یہ صحیح تجویز ہے" چنانچہ سب نے اس امر پر اظہار اتفاق کیا، پھر سب نے اپنے اپنے رفقا کو عقوبت الہی کا خوف دلایا..... آخر سب اکیلے اکیلے نکل چلنے کو تیار ہو گئے، ساتھ ہی اپنے ان آدمیوں کی طرف جو بھرے میں تھے لکھ بھیجا "بسم اللہ الرحمن الرحیم، عبداللہ بن وہب راہی، یزید بن حصین، حرقوص بن زہیر اور شریح بن ابی اوفی کی جانب سے بھرے کے ہر صاحب ایمان مسلمان کے نام جس تک یہ خط پہنچے..... سلام علیکم، ہم آپ لوگوں کے پاس حمد و ثنائے الہی کا ہدیہ (ارسال کر رہے ہیں، وہ خدا جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، وہ خدا جس نے اپنے محبوب ترین بندہ اسے قرار دیا جو اس کی کتاب پر سب سے زیادہ عمل پیرا ہوا، جو اس کی اطاعت کی خاطر حق پر سب سے زیادہ ثابت قدم رہا اور جس نے اس کی رضا جوئی کی راہ میں سب سے زیادہ مشقت برداشت کی، بے شک ان لوگوں نے جو ہماری دعوت کے علمبردار ہیں امر الہی میں بندوں کو حکم بنا دیا ہے۔ پھر ان حکموں نے جو فیصلہ دیا ہے وہ کتاب الہی اور سنت نبوی کے مشمولات کے خلاف ہے۔ لہذا وہ کفر کے مرتکب ہوئے اور سیدی راہ سے منحرف ہو گئے، اس لیے ہم نے بھی انہیں پرے پھینک دیا ہے، خدا

خیانت کاروں کو دوست نہیں بناتا، اما بعد! جان لو کہ ہم نہروان کے پل پر جمع ہو رہے ہیں، لہذا ہماری طرف روانہ ہو پڑو، خدا تم پر مہربان ہو..... روانہ ہو پڑو تاکہ اجر و ثواب میں اپنا حصہ وصول کر سکو، تاکہ نیکی کا حکم دواور بدی سے روکو، ہمارا یہ خط ایک ایسے شخص کے بدست پہنچے گا جو تمہارے امانتدار بھائیوں میں سے ہے، اُس سے جو چاہو پوچھ لو اور جو تمہاری رائے ہو لکھ بھیجو، والسلام۔“

وہ خط انہوں نے عبداللہ بن سعد عسی کے بدست روانہ کر دیا۔ سعد خط لے کر بصرے میں وارد ہوا اور اپنے ساتھیوں کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ وہ لوگ جمع ہوئے، خط پڑھا، اور ان کی طرف جواب لکھ دیا کہ بس ہم ابھی آتے ہیں۔

آخر یہ لوگ ایک ایک، دو دو، تین تین کر کے کوفے سے نکل کھڑے ہوئے، یزید بن حصین ایک فخر پر سوار تھا، جس کے پیچھے پیچھے ایک گھوڑا تھا..... زبان پر یہ آیت تھی ”فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا مَّتَرَقِّيًا“ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي۔ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ..... وَكَسَمْنَا تَوَّجِهْ تَلَقَاءَ مَدِينٍ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ۔ (چنانچہ مویٰ اس شہر سے ڈرتا کانپتا نکل کھڑا ہوا، اُس وقت وہ کہہ رہا تھا اے خدا مجھے ظالموں کی قوم سے نجات دے پھر جب اس کا رخ مدین کی طرف تو کیا ممکن ہے اب خدا مجھے سیدھی راہ پر ڈال رہا ہو)۔“

بہر حال وہ چلتا چلتا ایک مقام پر جسے سیب کہتے تھے جا پہنچا، وہاں اس کے پاس بہت سے ساتھی آج جمع ہوئے، انہیں میں زید بن عدی بن حاتم بھی تھا۔ چنانچہ عدی بن حاتم اپنے بیٹے کی تلاش میں مدائن تک گئے مگر اسے پانہ سکے، پھر عدی جا کے سعد بن مسعود ثقفی سے ملے، جو مدائن کا حاکم تھا، وہ فوراً چوکس ہو گیا، اور لوگ اس کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے۔

عبداللہ بن وہب راسی آدھی رات کو نکل کھڑا ہوا۔ اس کے افتاء اس کے گرد جمع تھے۔ تعداد خاصی ہو گئی تھی۔ یہ لوگ سورہ قصص آیت ۲۱، ۲۲

گرفتار کر لے مگر عمرو بن بہانی اور بشیر بن یزید بولانی نے جو خوارج کے سربراہوں میں سے تھے اسے منع کر دیا..... ادھر سعد بن مسعود نے اپنے بھائی مختار بن ابی حبیہ کو مدائن کی حکومت سونپ دی اور خود عبداللہ بن وہب اور ان کے ساتھیوں کے تعاقب میں روانہ ہو پڑا، اور انہیں کرخ بغداد کے قریب غروب آفتاب کے وقت پالیا،..... سعد کے ہمراہ پانچ سو سوار تھے، خوارج تیس افراد پر مشتمل تھے۔ کوئی گھنٹہ بھر تو یہ لوگ ایک دوسرے پر نیزے تانے رہے، آخر سعد کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا ”اے امیر! آپ ان لوگوں کے ساتھ جنگ کا ارادہ کیونکر کر رہے ہیں۔ اس ضمن میں آپ کے پاس کوئی حکم تو آیا نہیں..... آپ ان سے کوئی تعرض نہ کریں اور ماجرا ان کا امیر المؤمنین کی خدمت میں تحریر کر بھیجیں“..... چنانچہ سعد چلا گیا، اور خوارج سے کوئی تعرض نہ کیا.....

عبداللہ بن وہب چلتا چلتا بغداد کے پاس سے گزرا اور وہاں کے زمینداروں کو کشتیوں کا بندوبست کرنے پر مجبور کیا۔ اُن دنوں ابھی بغداد تعمیر نہ ہوا تھا، بہر حال کشتیوں کا بندوبست کر دیا گیا اور وہ دریا کو عبور کر کے علاقہ جونی کی جانب نکل گیا، پھر وہاں سے بھی کوچ کیا تا آنکہ اُس کے ساتھی اس سے بمقام نہروان آئے، اسی طرح بصرے سے بھی ان کے ہم خیال افراد ان کے پاس پہنچ گئے، تعداد ان کی پانچ سو تھی۔

جنگ خوارج

اُن دنوں بصرے کے گورنر عبداللہ بن عباسؓ تھے۔ وہ ان لوگوں کی بغاوت سے آگاہ ہوئے تو ان کے تعاقب میں ابوالاسود دہلی کو ایک ہزار سوار دے کر روانہ کر دیا۔ ابوالاسود نے انہیں تستر کے پل پر جالیا، مگر رات فریقین کے مابین حائل ہو گئی اور خوارج ابوالاسود کے ہاتھ سے نکل گئے۔ تمام راستہ اُن کا طریقہ یہ رہا کہ جو بھی ملتا اُس سے کہتے ”ہر دو حکموں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟“ اگر وہ ان سے اپنی بریت کا اظہار کرتا تو چھوڑ دیتے۔ بریت سے انکار کرتا تو قتل کر دیتے۔

یہ لوگ چلتے چلتے دریائے دجلہ تک پہنچ گئے اور اُسے صریفین کی جانب سے نبور کر کے نہروان میں جا وارد ہوئے، اس پر حضرت علیؓ نے ان کو خط لکھا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، خدا کے بندے علی امیر المؤمنین کی طرف سے عبداللہ بن وہب راسی، یزید بن حصین اور ان کے رفقاء کے نام۔ سلام علیکم، بے شک جن دوا دیوں کو ہم نے حکم کے طور پر چنا تھا انہوں نے کتاب الہی کی خلاف ورزی کی اور اپنی ہوس کی راہ پر گامزن ہوئے، ایسی راہ جس کی ہدایت خدا نے نہ کی تھی، ظاہر ہے کہ جب وہ سنت کے مطابق عمل پیرا نہ ہوتے اور احکام قرآن کے موافق فیصلہ نہ دیا تو ہم نے ان کے فیصلے سے بریت کا اظہار کر دیا، لہذا اب پھر ہم نے اپنا سابق موقف اختیار کر لیا ہے۔ اس امر کے پیش نظر تم میرے پاس چلے آؤ۔ خدا تم پر رحم کرے، ہم لوگ اپنے اور آپ کے دشمن کی جانب کوچ کر رہے ہیں، اس کے خلاف از سر نو جنگ شروع کر دیں گے۔“

جب خوارج کے پاس حضرت علیؓ کا خط پہنچا تو انہوں نے جواباً تحریر کیا ”اما بعد! آپ کا یہ بیچ و تاب خدا کی خاطر نہیں اپنی ذات کے لیے ہے۔ اگر آپ اپنی ذات کے خلاف یہ شہادت دیں کہ آپ نے حکم مقرر کر کے ارتکاب کفر کیا تھا اور از سر نو توبہ کریں اور ایمان لائیں تو پھر ہم آپ کی اس خواہش پر کہ آپ کی طرف لوٹ آئیں غور کریں گے، بصورت دیگر ہم آپ سے بھی اتنے ہی لا تعلق ہیں جتنے حکموں سے، خدا خیانت کاروں کے حیلوں کو راہِ راست پر نہیں لگاتا۔“

جب حضرت علیؓ نے خوارج کا خط پڑھا تو اُن کی طرف سے مایوس ہو گئے، بہتر یہی جانتا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں اور شام کی راہ لیں تاکہ امیر معاویہؓ سے دوبارہ جنگ شروع کر دیں۔ اس خیال سے لوگوں کو ہمراہ لے کر نکلے اور خلیہ میں جا پڑاؤ کیا۔ وہاں اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا اور کہا ”اہل شام پر حملہ کرنے کی خاطر پوری طرح تیار ہو جاؤ، میں اپنے تمام بھائیوں کے نام پیغام بھیج رہا ہوں کہ وہ یہاں آپ کے پاس چلے آئیں۔ جب وہ آجائیں گے تو ہم چل دیں گے، انشاء اللہ۔“

انہوں نے اپنے جملہ عاملوں (گورنروں) کے نام خط لکھے کہ وہ اپنی اپنی عملداری میں قائم مقام مقرر کر کے خود ان کے پاس پہنچ جائیں۔ اسی طرح ابن عباس کے نام لکھا ”اما بعد! ہم نے خلیہ میں پڑاؤ کیا ہے، پکارا وہ ہے کہ ہم اپنے شامی دشمن پر چڑھائی کریں، لہذا آپ میرا خط ملتے ہی اپنے محروسہ علاقے کی جمعیت سمیت یہاں پہنچ جائیں، والسلام۔“

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خط ملا تو وہ بصرے کے سواروں کو لے کر حضرت علیؓ کے پاس پہنچ گئے، اس لشکر کی تعداد کوئی سات ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ جب وہ

کوچ کے لیے بالکل تیار ہو گئے تو خوارج کے بارے میں تشویشناک خبریں آنے لگیں۔ یہ خبر بھی آئی کہ انہوں نے عبداللہ بن خباب اور ان کی بیوی کو تہ تیغ کر دیا ہے۔ یہ یوں ہوا کہ ان دونوں کا خوارج سے آمنا سامنا ہو گیا۔ خوارج نے ان سے پوچھا ”کیا تم دونوں ان دو حکموں کے تقدیر پر رضا مند تھے“ دونوں بولے ”ہاں“۔ یہ سنتے ہی انہوں نے میاں بیوی دونوں کو قتل کر دیا۔ اسی طرح انہوں نے صیداویہ کو مار ڈالا تھا، یہی نہیں بلکہ وہ راہیں روک کر لوگوں کو تہ تیغ کرنے لگ پڑے تھے، جب یہ اطلاعات ملیں تو حضرت علیؑ نے حارث بن مرہ فقعسی کو بھیجا کہ ان کے احوال معلوم کر کے بتائیں مگر خوارج نے انہیں بھی پکڑ کر ہلاک کر دیا۔

جب یہ اطلاع آئی تو اہل لشکر حضرت علیؑ کے گرد جمع ہو گئے اور کہا ”اے امیر المؤمنین آپ ان لوگوں کو ان کی بے راہ روی کے عالم میں چھوڑ کے کیونکر چلے جا رہے ہیں، وہ تو ملک میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، انہیں جو ملے اسے حوالہ تیغ کر ڈالتے ہیں۔ آپ لشکر سمیت پہلے ان کی طرف کوچ کریں اور انہیں جماعت و اطاعت کی طرف (لوٹ آنے کی) دعوت دیں، اگر وہ تابع ہوں اور دعوت قبول کر لیں تو ظاہر ہے کہ خدا تو بہ کر لینے والوں کا دوست ہے اگر وہ انکار کریں تو پھر انہیں جنگ کی کھلی چھٹی دے دیں، اور جب آپ امت کو ان کے خوف سے نجات دلا چکیں تو پھر بے شک شام کی طرف روانہ ہو پڑیں۔“

غرضیکہ حضرت علیؑ نے لشکر میں کوچ کی منادی کرادی، اور پھر منزلیں مارتے ہوئے نہر داں میں خوارج کے سر پر جا پہنچے، ان کے قریب ہی پڑاؤ کیا اور حضرت قیس بن سعد بن عبادہ اور حضرت ابوالیوب انصاری کو ان کے پاس روانہ کر دیا۔ وہ

دونوں ان کے یہاں گئے اور کہا ”خدا کے بندو تم بڑے سنگین جرم کا ارتکاب کر رہے ہو، لوگوں کو ان کی راہ روک روک کے قتل کیے جا رہے ہو ہم پر شرک کی شہادت دے رہے ہو۔۔۔۔۔ شرک تو ظلم عظیم ہے۔“

عبداللہ بن سحر نے جواب دیا ”تم دونوں ہمارے معاملات میں، دخل مت دو، حق ہماری نگاہوں پر صبح کی طرح روشن ہو گیا ہے۔ لہذا ہم نہ تمہاری پیروی ہی کریں گے، نہ تمہاری جانب لوٹ کر آئیں گے، ہاں اگر ممکن ہو تو عمر بن خطاب کا کوئی مثل پیش کرو۔“ قیس بن سعد نے جواب دیا ”ہم تو اپنے مابین محض علی بن ابی طالب کو جانتے ہیں (کہ وہ عمر بن خطاب کے مثل ہیں) کیا تم انہیں ایسا نہیں جانتے؟“۔۔۔۔۔ بولا ”نہیں“۔ اس پر قیس بن سعد نے کہا ”میں تمہاری ہی جانوں کے بارے میں خدا کا واسطہ دے کر کہہ رہا ہوں کہ اپنی جانیں ہلاک نہ کرو، میں دیکھتا ہوں کہ فتنہ تمہارے دلوں کی گہرائیوں میں جا گھسا ہے۔“

قیس بن سعد کے بعد حضرت ابوالیوب نے کہا ”ہم تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتے ہیں کہ کیا تم اس خوف سے کہ ہم مستقبل میں کوئی ایسی ویسی بات کر گزریں گے فتنہ عام کی آگ کو جلد از جلد ہوا دینا چاہتے ہو؟“۔۔۔۔۔ خوارج بولے ”بس، بس، تم دونوں ہمارے معاملے میں دخل مت دو، ہم نے تم سب سے یکساں قطع تعلق کر لیا ہے۔“ چنانچہ وہ دونوں بزرگ حضرت علیؑ کے پاس لوٹ گئے اور ماجرا کہ سنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت علیؑ ان سے کچھ کہنے کو اٹھ کھڑے ہوئے اور انہیں پکارا اس طرح کہ وہ سن رہے تھے ”اے وہ ٹوٹی جیسے محض ضد نے پیدا کیا اور خود سری نے راہ حق سے ہٹا دیا اور وہ شبہ و خطا میں مبتلا ہو گئی، تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ اگر تم بے راہ روی میں بڑھتے چلے

گئے تو چاروں شانے چت پڑے پائے جاؤ گے۔ نہ تمہیں خدا کی طرف سے کوئی دلیل حاصل ہے نہ برہان، کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے دونوں حکموں پر شرط عائد کی تھی کہ فیصلہ کتاب الہی کے احکام کے مطابق کریں؟ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ یہ لوگ تحکیم کا مطالبہ از رو مکر کر رہے ہیں، مگر جب تم اڑ گئے اور تحکیم کے سوا کسی اور بات پر رضا مند نہ ہوئے تو میں نے یہ شرط عائد کر دی کہ دونوں اس شے کو زندہ کریں گے جسے قرآن زندہ کرتا ہے اور اسے شے کو ماریں گے جسے قرآن مارتا ہے، مگر دونوں حکموں نے قرآن و سنت کی مخالفت کی، اور صوص کے اشارے پر عمل پیرا ہوئے۔ اس لیے ہم نے ان کا حکم رد کر دیا، اور اپنے پہلے موقف پر لوٹ آئے، مگر تمہارا داخل ہی کیا ہے، تم کہاں سے آن چکے ہو؟“

خوارج نے جواب دیا ”جب ہم نے حکموں کے حق میں اظہارِ رضا مندی کیا تھا تو ہم کفر کے مرتکب ہوئے تھے، چنانچہ ہم نے خدا کے حضور اپنے عمل سے توبہ کر لی ہے۔ اگر تم بھی اسی طرح توبہ کر لو جیسے ہم نے کی ہے تو ہم تمہارے ساتھ ہیں، بصورت دیگر جنگ کی کھلی چھٹی ہے ہم آپ سے یکساں طور پر لا تعلق ہیں“۔

اس پر حضرت علیؑ نے ان سے کہا ”کیا میں اپنی ذات کے بارے میں کفر کی شہادت دوں؟ اگر میں ایسا کروں گا تو بہت بڑی گمراہی میں پڑوں گا اور ہر گز اہل ہدایت میں سے نہ ہوں گا“۔ مزید برآں یہ کہا ”تم میں سے کوئی ایک شخص جسے تم پسند کرو میرے پاس آجائے تاکہ میں اس سے اور وہ مجھ سے بات کر لے۔ اگر از روئے دلیل مجھ پر واجب آیا تو میں تمہارے رو برو قرار اور خدا کے حضور توبہ کر لوں گا، اور اگر یہ بات تم پر واجب آئے تو پھر ذرا اس خدا سے جس کی طرف تمہیں واپس جانا

ہے“۔ اس پر خوارج نے عبداللہ بن کواء سے جو ان کے اکابر میں سے تھا کہا ”ہائے اور علیؑ سے تبادلہ خیال کیجیے“۔ چنانچہ عبداللہ بن کواء حضرت علیؑ کے پاس آئی کیا، حضرت علیؑ نے کہا ”کیا تم لوگ مان گئے؟“

بوئے ”ہاں“۔
حضرت علیؑ نے کہا ”اے خدا گواہ رہنا، تیرے ہوتے کسی اور گواہ کی ضرورت نہیں“۔ اس کے بعد ابن کواء سے مخاطب ہوئے ”اے ابن کواء! تم لوگ مجھ سے کس بنا پر بگڑ گئے؟ تم لوگ تو میری خلافت پر اظہارِ رضا مندی کر چکے تھے، میرے ساتھ شامل جہاد تھے، میری اطاعت کا دم بھرتے تھے، اگر علیؑ کی ہی اختیار کرنا تھی تو تم نے جنگ جمل کے روز کیوں نہ کی؟“

ابن کواء نے جواب دیا ”اُس موقع پر تحکیم ظہور میں نہ آئی تھی“۔
حضرت علیؑ نے پوچھا ”اے ابن کواء میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“۔
ابن کواء نے جواب دیا ”رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے زیادہ ہدایت یافتہ تھے“۔

حضرت علیؑ نے کہا ”کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد سنا ہے ”فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ ابْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ۔ وَنَسَائِنَا وَنَسَائِكُمْ، وَالْفِسْقَ وَإِنْفُسَكُمْ:۔۔۔۔۔ (پس تو کہہ دے کہ آؤ ہائیں اپنے بیٹوں کو بھی اور تمہارے بیٹوں کو بھی، اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی، اپنی جانوں کو بھی اور تمہاری جانوں کو بھی)۔۔۔۔۔“ تو کیا خدا کو کافروں کے جوئے ہونے میں شک تھا؟“

ابن کواء بولا "یہ تو ان کے (کفار) خلاف حجت تھی، مگر حکموں کے حق میں اظہار مضامندی کر کے آپ نے خود اپنے بارے میں شک کیا، لہذا ہمیں تو اور بھی زیادہ حق پہنچتا ہے کہ آپ پر شک کریں۔"

حضرت علیؑ نے کہا "بے شک خدائے تعالیٰ کا قول ہے فاتوا بکتساب من عند اللہ، ہوا ہدیٰ منها اتبعہ۔ (تو پھر خدا کے یہاں سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو ان دونوں سے زیادہ راہ ہدایت کی طرف رہنمائی کرتی ہو۔۔۔ میں اس کا اتباع کر لوں گا)۔"

ابن کواء نے کہا "یہ بھی تو اسی طرح خدا کی طرف سے ان کے (کفار) خلاف حجت ہے۔"

غرضیکہ حضرت علیؑ اور ابن کواء ان اور اسی طرح کی دوسری دلیلوں کی روشنی میں بحث کرتے رہے۔ آخر ابن کواء کہنے لگا "آپ ہر بات میں جو آپ کہتے ہیں سچے ہیں مگر جب دو حکموں کا تقرر منظور کیا تو یقیناً ارتکاب کفر کیا"

حضرت علیؑ نے جواب دیا "حد ہے ابن کواء! میں نے تو اکیلے ابو موسیٰ کو حکم بنایا تھا۔ عمرو کو تو معاویہؓ نے مقرر کیا تھا"

ابن کواء نے کہا "ابو موسیٰ تو کافر ہو گیا۔"

حضرت علیؑ بولے "حد ہے، وہ کب کافر ہو گیا؟۔۔۔ جب میں نے اسے مقرر کر کے بھیجا تھا یا جب اس نے فیصلہ دیا؟"

ابن کواء نے جواب دیا "اُس وقت جس وقت اُس نے فیصلہ دیا؟"

حضرت علیؑ نے کہا "تم نہیں دیکھتے کہ میں نے اسے مسلمان بھیجا تھا۔ گویا

تمہارے قول کے مطابق وہ میرے مقرر کر کے بھیجنے کے بعد کافر ہوا۔۔۔ کیا خیال ہے اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی مرد مسلمان کو کسی کافر گروہ کی طرف روانہ کرتے کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی طرف بلائے اور وہ جا کر اللہ کے بجائے کسی اور کی طرف بلانے لگ پڑتا تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی الزام آتا؟"

ابن کواء نے جواب دیا "نہیں۔"

حضرت علیؑ نے کہا "حد ہے، پھر تم یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ اگر ابو موسیٰ گمراہ ہوئے تو میں کیسے مورد الزام ٹھہرا۔ اور پھر کیا تمہارے لیے جائز ہے کہ غلطی ابو موسیٰ کی ہو اور تم تلواریں کا ندھے پر رکھ کر چل کھڑے ہو اور جو ملے اُسے نہ تیغ کر دو۔"

جب خوارج کے سربراہوں نے یہ بات سنی تو ابن کواء سے کہا "تم واپس آ جاؤ اس شخص کے ساتھ مزید تبادلہ خیال نہ کرو۔"

ابن کواء اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا۔ بہر حال یہ قوم راہ سرکشی میں بڑھتی ہی چلی گئی۔

اب حضرت علیؑ نے لشکر میں منادی کرا دی کہ اسلحہ جنگ پہن لیا جائے۔۔۔ پھر انہوں نے سپاہ کی تنظیم کی، میمنہ پر حضرت جبر بن عدی کو، میسرہ پر شہب بن ربعی کو اور رسالے پر حضرت ابوالیوب انصاری کو اور پیادوں کی قیادت پر ابوقحادہ کو مقرر کر دیا۔

اسی طرح خوارج بھی جنگ کے لیے تیار ہو گئے، انہوں نے میمنہ پر یزید بن حصین کو، میسرہ پر شریح بن ابی اوفیٰ عسی کو۔۔۔ جو خوارج کے پاکباز ترین اصحاب میں سے تھا۔۔۔

پیادوں پر حرقوص بن زہیر کو اور پورے رسالے پر عبداللہ بن وہب کو مقرر کر دیا۔

پھر حضرت علیؑ نے اپنا علم بلند کیا جس کے تحت دو ہزار اشخاص جمع ہو گئے،

ساتھ ہی لاکر کر کہا ”جو شخص اس جھنڈے کے نیچے پناہ گزین ہو وہ مامون ہے۔“

جب دونوں لشکر آئے سامنے آن کھڑے ہوئے تو فروہ بن نوفل اشجعی جو خوارج کے ردِ سامیں سے تھا اپنے رفقا سے کہنے لگا ”اے میری قوم خدا کی قسم ہم نہیں جانتے کہ ہم علیؑ سے کس بات پر لڑ رہے ہیں، حق یہ ہے کہ علیؑ کو مار ڈالنے کے معاملے میں ہمارے پاس کوئی دلیل اور واضح سبب موجود نہیں، اے میری قوم کے لوگو! ہمارے ساتھ لوٹ چلو، یہاں آئیں ہم پر از روئے عقل حسنا واضح ہو جائے کہ ہم علیؑ سے جنگ کریں یا اس کا اتباع کریں۔“

غرضیکہ وہ اپنے اصحاب کو اُن کے موقف پر چھوڑ کر پانصد اشخاص کی معیت میں رخصت ہو گیا، اور بند نینین میں جا پہنچا۔ ایک گروہ اور بھی خوارج کا ساتھ چھوڑ کر کرفی میں جا وارد ہوا، ان میں سے دیگر ایک ہزار افراد نے حضرت علیؑ کے جھنڈے تلے بناہ لے لی، نتیجہ یہ ہوا کہ عبد اللہ بن وہب کے ساتھ چار ہزار سے بھی کم آدمی رہ گئے۔

حضرت علیؑ نے اپنی جمعیت سے کہا ”جب تک یہ لوگ پہل نہ کریں تم جنگ نہ چھیڑنا“۔ اس پر خوارج نے نعرہ بلند کیا لا الحکم الا للہ ولو کرہ المشرکون“ (حکم فقط خدا کا ہے، خواہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار ہی گزرے)..... اور پھر حضرت علیؑ کے ساتھیوں پر شخص واحد کی طرح ٹوٹ پڑے۔ اُن کا حملہ اتنا شدید تھا کہ حضرت علیؑ کے سواروں کے قدم اکھڑ گئے،..... اور خود خوارج بھی دو گروہوں میں بٹ گئے، ایک گروہ نے مینہ کا رخ کیا، دوسرے نے میسرہ کا..... اس پر حضرت علیؑ کے ساتھیوں نے یورش کی، ان کے ایک ساتھی قیس بن معاویہ برجی نے شریح بن ابی اونی پر حملہ کیا اور اس کی پنڈلی کاٹ کر رکھ دی، مگر وہ ایک ہی ٹانگ کے بل پر لڑتا رہا، ساتھ ہی کہتا رہا

160

”جوان گھبر واؤٹ رے میں جکڑا ہوا بھی اپنی اونٹنی کی مدافعت کرتا رہتا ہے“
آخر قیس بن سعد نے اس پر وار کیا اور مار ڈالا..... ہوتے ہوتے خوارج کا
سارے کا سارا لشکر موت کی نیند سلا دیا گیا۔

کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے حکم دیا کہ جن خوارج میں کوئی رفق باقی ہے انہیں ان کے اعزہ کے پاس پہنچا دیا جائے، یہ بھی حکم دیا کہ ان کے معسکر میں جس قدر اسلحہ اور مویشی ہیں سب پر قبضہ کر لیا جائے..... جب وہ سب کچھ پیش کیا گیا تو آپؐ نے اسے اپنے لشکر میں بانٹ دیا۔ اسلحہ اور مویشی کے سوا جو کچھ تھا وہ خوارج کے وارثوں کو دے دیا گیا۔

اب جب حضرت علیؑ نے نہروان سے واپسی کی ٹھانی تو اپنے اصحاب کو خطاب کیا اور کہا ”اے لوگو! خدا نے آپ کو دین سے منحرف ہو جانے والوں پر فتح عطا کی ہے اب جلد از جلد ستم شعاروں یعنی اہل شام کا رخ کرو“..... اس پر ان کی جمعیت کے بہت سے افراد اٹھ کھڑے ہوئے، جن میں اشعث بن قیس بھی تھا اور کہا ”اے امیر المومنین ہمارے تیر کھپ چکے ہیں،..... تلواریں کند ہو چکی ہیں، نیزوں کی نوکیں جھڑ گئیں ہیں،..... ہمیں ہمارے شہر کی طرف واپس لے چلیں، تاکہ ہم بہتر اسلحہ سے لیس ہو سکیں“۔

غرضیکہ حضرت علیؑ نے اپنے رفقا کے ساتھ خلیلہ میں جا پڑاؤ کیا۔ وہاں یہ لشکر
 نئی روز تک پڑا رہا، لوگ آہستہ آہستہ کوفہ کی جانب کھسکنے لگے، اور حضرت علیؑ کے
 ہمراہ ایک ہزار سرداروں کے سوا کوئی باقی نہ رہ گیا، جب یہ دیکھا تو آپؑ نے بھی
 کوفہ میں جا کے اقامت اختیار کر لی..... فردوس بن نوفل نے اپنے رفقا سمیت حلوآن

کی راہ لی اور وہاں کا خراج وصول کر کے اپنے ساتھیوں میں بانٹنا شروع کر دیا۔

حضرت علی بن ابی طالب کے آخری ایام

کہتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ ان کے کوئی اصحاب ان کے ہمراہ چنے اور اہل شام سے لڑنے کے معاملے میں بے دل کا اظہار کر رہے ہیں، نیز جب انہیں یہ خبر ملی کہ معاویہؓ کے سوارانہار تک آپہنچے ہیں اور انہوں نے وہاں حضرت علیؑ کی ہچی کے سپاہیوں کو قتل کر کے چوکی کلوٹ لیا ہے تو انہوں نے ایک خط لکھا اور ایک شخص کو دے کر ہدایت کی کہ جب کہ روز جب لوگ نماز سے فارغ ہو چکیں تو انہیں پڑھ کر سنا دینا۔ خط کا متن یہ تھا.....

”بسم اللہ الرحمن الرحیم..... خدا کے بندے علی امیر المؤمنین کی طرف سے ان کے کوئی حامیوں کے نام، سلام، علیکم: اما بعد! بے شک جہاد جنت کا دروازہ ہے، جس نے جہاد ترک کر دیا خدا نے اس کو ذلت کی پوشاک پہنا دی اور اس پر پستی مسلط کر دی، اور ان پر ذلت و توہین مستولی کر دی۔ میں نے اُس قوم کے خلاف دعوت جہاد دی، صبح کو بھی اور شام کو بھی، رازدارانہ بھی اور کھلے بندوں بھی،..... میں نے تم سے یہ کہا کہ اُن لوگوں سے لڑ جاؤ قبل اس کے کہ وہ تم سے آ کے لڑیں، وہ قوم ذلیل ہو جاتی ہے جس کے دشمن اس سے اس کے صحن خانہ میں آ کے جنگ کریں، اُس قوم کے دشمن تیز ہو جاتے ہیں..... وہ دیکھو برادر بنو عامرانہار تک آن پہنچا ہے۔ اس نے ابن حسان الکبریٰ کو قتل کر کے تمہاری چوکی کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا ہے، وہ تمہارے بہت سے نیکو کار افراد کو تیغ کر چکا ہے..... مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ مسلمان عورت

کے گھر میں بھی گھسے اور ذمی عورت کے گھر میں بھی اور اس کے پاؤں سے پازیب کھینچ لی، گلے سے ہار اتار لیے اور مال مال ہو کر لوٹ گئے، حملہ آوروں میں سے کسی شخص کو بھی خراش تک نہ آئی۔ اگر کوئی شخص اس امر پر ملول ہو کر چل بے تو میں اسے لائق مامت قرار نہیں دوں گا۔ متوقع یہی تھا۔ کتنی حیرت ناک ہے وہ بات جو دلوں کو مار دے، تر دو کو اڑالے جائے، اور اس قوم کے جھوٹے اقدامات پر بھی اس کے اجتماعی دلوں کو بھڑکا دے، دوسری طرف تم حق پر ہوتے بھی تتر بتر ہو، ستیاناس ہو تمہارا۔ تم کہیں کے نہ رہو، تم دشمنوں کا ہدف بن کر رہ گئے ہو، تم پر تیر چلائے جا رہے ہیں مگر جواباً تم تیر نہیں چلاتے، تم پر غارت ڈالی جا رہی ہے مگر تم غارت نہیں ڈالتے، فرمان خدا سے روگردانی ہو رہی ہے مگر تم خوش ہو رہے ہو۔ جب میں موسم سرما میں کوچ کے لیے کہتا ہوں تو تم جواب دیتے ہو کہ کڑا کے کا جائز اڑ رہا ہے کیسے کوچ کریں، اور جب میں موسم گرما میں کوچ کے لیے کہتا ہوں تو تم فریاد کر اٹھتے ہو کہ گرمی کی حدت ذرا کم ہو لینے دیں،..... یہ سب کچھ موت سے فرار ہے۔ اگر تم سردی کی شدت سے فرار چاہتے ہو تو شمشیر سے اور بھی زیادہ گریزاں ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم گرمی یا سردی سے نہیں بلکہ شمشیر سے جی چراتے ہو۔ اے مرد نما نادر دو! اے بچوں کی دانش اور پردہ نشین عورتوں کی عقل والو! بخدا میں چاہتا ہوں اے گاش میں نے تمہیں جانا اور پہچانا نہ ہوتا۔ خدا کی قسم تم نے میرا سینہ غم و غصہ سے پر کر دیا ہے۔ تم نے میری آتی اور جاتی سانس کو میرے لیے تلخ ترین جرے بنا دیا ہے۔ تم نے نافرمانی اور کنارہ کشی سے خود میری دانش کو میری ہی نظروں میں پراگندہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ قریش کہنے لگے ہیں ”علی بن ابی طالب آدمی تو شجاع ہے مگر آداب جنگ

سے ناواقف ہے۔ میں انہیں ان کے باپ کے نام پر خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا ان میں کوئی ایک بھی ہے جس نے جنگ کی سختیاں مجھ سے زیادہ جھیلی ہوں، اور مجھ سے زیادہ عرصے تک مشقت اٹھائی ہو، میں نے اس وقت جنگ میں حصہ لینا شروع کیا تھا جب ابھی بیس برس کا بھی نہ تھا، اور آج میری عمر ساٹھ سال کی ہو رہی ہے۔ بات یہ نہیں، بات یہ ہے کہ جس کا حکم نہ مانا جائے اس کی دانش کیا اور رائے کیا؟

یہ سنا تو لوگ ہر طرف سے آکر ان کے گرد جم ہو گئے، اور بولے چلیے ہمارے ساتھ، خدا کی قسم فقط وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جو جان کو بہت ہی عزیز جانتے ہیں۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؑ نے حادث ہمدانی کو لشکر میں یہ اعلان کر دینے کا حکم دیا کہ کل صبح سویرے سبھی لوگ مقام رجبہ میں موجود ہوں، وہی لوگ آئیں جن کی نیت صادق ہو۔

اگلے روز حضرت علیؑ نے اٹھ کے نماز پڑھائی اور رجبہ کی طرف چل دیے، مگر وہاں تقریباً تین صد آدمیوں کے سوا اور کسی کو نہ پایا، لہذا فرمایا ”اگر یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو جاتے تو میں جانتا کہ ان پر میری بات کا اثر ہوتا ہے۔“

بہر حال حضرت علیؑ وہاں دو روز مقیم رہے، ان کا غم پدید تھا اور کرب شدید۔ آخر حضرت حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی ان کے پاس گئے اور عرض کیا ”آپ اعلان کرا دیں کہ ہر ایک کو جبراً کوچ کرنا ہوگا، جو پیچھے رہ جائے گا اسے سزا دی جائے گی۔ چنانچہ آپ کے حکم سے مناد نے منادی کرا دی کہ کوئی پیچھے نہ رہے۔ ساتھ ہی حضرت علیؑ نے معقل بن قیس کو حکم دیا کہ وہ گرد و نواح میں گھومیں پھر میں اور جو لشکری

ملے اسے ہانک لائیں، کسی کو موت چھوڑیں، مگر معقل واپس اس وقت آئے جب حضرت علیؑ کو شہید کیا جا چکا تھا۔

حضرت علیؑ بن ابی طالب کی شہادت

کہتے ہیں کہ جس سال حضرت علیؑ شہید ہوئے اس سال حج کے موقع پر عبدالرحمن بن ملجم مرادی، زوال بن عامر اور عبداللہ بن مالک صیداوی اکٹھے ہوئے۔ یہ جنگ نہروان کے چند ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ باتوں باتوں میں ان لڑائیوں کے باعث لوگوں کا جو حال ہو رہا تھا اس کا ذکر بھی چلا۔ لہذا ایک نے دوسرے سے کہا ”آرام اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک ان تینوں افراد یعنی علیؑ بن ابی طالب معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص کو قتل نہ کر دیا جائے۔“

اس پر ابن ملجم نے کہا ”علیؑ کا قتل میرے ذمے۔“

زوال نے کہا ”معاویہ کا قتل میرے ذمے۔“

عبداللہ نے کہا ”عمرو کا قتل میرے ذمے۔“

اور پھر ایک شب مقرر کردی جس میں تینوں کو ٹھکانے لگا دینا قرار پایا۔

عبدالرحمان ابن ملجم اٹھا اور کوفے میں جا ٹھیرا۔ وہاں قظام سے اس کی بیٹی (رباب کا رشتہ مانگا۔ قظام خوارج کی ہم خیال تھی۔ اس کا باپ، بھائی اور چچا حضرت علیؑ کے ہاتھوں جنگ نہروان میں مارے جا چکے تھے چنانچہ قظام نے ابن ملجم سے کہا ”میں بیٹی تم سے بیہودوں کی مگر مہر کی شرائط یہ ہوں گی (۱) تین ہزار درہم (۲) ایک غلام (۳) ایک باندی اور (۴) قتل علیؑ ابن ابی طالب۔“

عبدالرحمان نے یہ شرطیں مان لیں اور باب سے بیاہر چالیا۔

ابن ملجم کا معمول تھا کہ ہنوتیم باب کی محفل میں نماز صبح سے لے کر خاصے دن چڑھے تک بیٹھا رہتا۔ لوگ بے تحاشا باتیں کرتے رہتے تھے مگر وہ چپ سا رہے رہتا، ایک لفظ بھی نہ کہتا اس لیے کہ اس کی ساری توجہ قتل علیؑ کی جانب مبذول تھی۔

ایک روز تلوار لگائے بازار کی طرف نکلا۔ ایک جنازہ پاس سے گزرا۔ جس کی مشایعت اکابر عرب کر رہے تھے، پادری بھی ساتھ ساتھ انجیل پڑھتے جا رہے تھے۔ اس نے کہا ”حد ہو گئی ہے لوگو، یہ کیا ہے“۔ اسے بتایا گیا کہ ابجر بن جابر عجمی ہے جس نے نصرانی کی حیثیت سے وفات پائی ہے۔ اس کا فرزند حجار بن ابجر بنو بکر بن وائل کا سردار ہے لہذا اس کے بیٹے کی سرداری کے لحاظ سے قوم کے بڑے بڑے رئیس جنازے کے پیچھے پیچھے چل کھڑے ہوئے ہیں۔ نصاریٰ اس لیے ساتھ ہیں کہ وہ ان کا ہمکیش تھا۔ اس پر وہ کہنے لگا ”خدا کی قسم اگر میں نے اپنے آپ کو ایک اور کام کے لیے جو خدا کے نزدیک اس سے بہت زیادہ عظیم ہے وقف نہ کر رکھا ہوتا تو ان لوگوں کا سامنا تلوار کے ساتھ کرتا“۔

جب وہ دن غروب ہو گیا اور رات پڑ گئی تو اس نے وہ تلوار لگائی جسے وہ زہر پلا چکا تھا اور منہ اندھیرے اٹھ کے حضرت علیؑ کے انتظار میں بیٹھ گیا تاکہ جب وہ نماز فجر کی خاطر مسجد کی جانب جائیں تو اس کے پاس سے گزریں۔ وہ اسی طرح بیٹھا تھا کہ حضرت علیؑ چلے آئے۔ وہ آواز دیتے آرہے تھے ”اے اوگو نماز“۔ اب وہ اٹھا اور ان کے سر پر تلوار دے ماری۔ تلوار کا ایک سراد یوار کے ساتھ ٹکرا گیا اور اس میں خراش ڈال دی اور خود دہشت زدہ ہو کر منہ کے بل گرا۔ تلوار ہاتھ سے نکل گئی۔ لوگوں نے جمع ہو کر

اسے گرفتار کر لیا۔ ایک شاعر اس ضمن میں کہتا ہے۔

ولم ار مہراً ساقہ ذو سحاقہ
کمہر قطام من فصیح وأعجم
ثلاثة الألاف وأعبداً وقبلاً
وضرب علی باحسام المصم
فلما مہراً غلی من علی وان علا
ولا فتک إلا دون فتک ابن ملجم

۱۔ میں نے عرب یا عجم کے کسی بھی فیاض و عالی حوصلہ شخص کو ایسا مہر ادا کرتے نہیں دیکھا جیسے مہر کا قطام نے مطالبہ کیا تھا۔

۲۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک باندی اور ایک تنگ بے زہر ہار سے علیؑ کا قتل۔

۳۔ کوئی مہر کتنا ہی گراں بہا ہوتا رہے علیؑ سے زیادہ گراں بہا نہیں ہو سکتا اور

کوئی جھپٹنا خواہ کتنا ہی اچانک کیوں نہ ہو ابن ملجم کے جھپٹے سے فروتر ہی ہوگا۔

حضرت علیؑ کو اٹھا کے ان کے گھر لے جایا گیا اور وہاں ابن ملجم کو ان کی خدمت

میں پیش کر دیا گیا۔ اسے دیکھ کر ام کلثوم بنت علیؑ نے کہا ”اے دشمن خدا تم نے امیر

المؤمنین کو مار ڈالا؟“

وہ بولا ”میں نے امیر المؤمنین کو نہیں تیرے باپ کو قتل کیا ہے۔“

ام کلثوم نے کہا ”خدا کی قسم، مجھے امید ہے ان کا کچھ نہ بگڑے گا۔“

وہ بولا ”تو پھر روتی کیوں ہے۔ خدا کی قسم میں تلوار کو پورا ایک مہینہ زہر پلاتا رہا

ہوں اگر پھر بھی میری مرضی کے مطابق کارگر نہ ہوئی تو خدا اس کا ستیاناس کرے۔“

مگر وہ دن ابھی غروب بھی نہیں ہوا تھا کہ حضرت علیؓ فوت ہو گئے۔ خدا ان پر رحم کرے اور ان سے راضی رہے۔

قصاص

اس پر عبد اللہ بن جعفرؓ نے ابن ملجم کو بلوایا، اس کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور آنکھوں میں سلائیاں پھیر دیں۔ ابن ملجم کہنے لگا ”اے ابن جعفر تم میری آنکھوں میں واقعی تیز اور جلتی ہوئی سلائیاں ڈال رہے ہو“۔ پھر اسے حکم دیا کہ زبان نکالے تاکہ اسے بھی کاٹ دیا جائے، اس پر وہ جزع فزع کرنے لگا۔ چنانچہ ابن جعفرؓ نے پوچھا ”ہم نے تیرے ہاتھ پاؤں کاٹے۔ تیری آنکھوں میں سلائیاں پھیریں مگر تو نے واویلا نہ کیا۔ اب زبان کٹنے پر کیوں فریاد کر رہا ہے؟“

بولا ”میں اس لیے واویلا نہیں کر رہا کہ زبان کٹنے سے مر جاؤں گا۔ مجھے کوئی خوف نہیں، واویلا اس لیے کر رہا ہوں کہ دنیا میں بے ذکر خدا ایک گھڑی بھی زندہ رہنا پسند نہیں۔ بہر حال زبان کاٹ دی گئی اور وہ مر گیا۔“

قتل معاویہؓ کی کوشش

زوال بن عامر بھی اسی شب (دمشق میں) پہنچ گیا اور جب صبح کے وقت امیر معاویہؓ نماز فجر پڑھانے لگے تو ان کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ نجر اس کے پاس تھا۔ اچانک وار جو کیا تو وہ معاویہؓ کے چوڑ پر پڑا۔ چوڑ ان کے بڑے بڑے تھے۔ وہیں اسے گرفتار کر لیا گیا۔ مگر وہ معاویہؓ سے کہنے لگا ”اے دشمن خدا کیا میں تمہیں قتل نہیں کر

پایا“ معاویہؓ نے جواب دیا ”نہیں میرے بھتیجے“۔

ازاں بعد معاویہؓ کے حکم سے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے، زبان کھینچ دی گئی اور وہ مر گیا۔

اب معاویہؓ نے ایک طبیب کو بلا کر حکم دیا کہ وہ زخم کے ارد گرد کا گوشت کاٹ ڈالے۔ مبادا نجر زہر آلود ہو۔ اس روز کے بعد جامع مسجد میں مقصورے بنوا دیے گئے جن میں فقط معتمد اور پاسان و نگران افراد ہی داخل ہو سکتے تھے۔ اسی روز سے رات کے پہرے دار بھی مقرر ہوئے۔ چنانچہ جب معاویہؓ نماز پڑھاتے ہوئے سجدے میں جاتے دس قابل اعتماد پہرے داران کی حفاظت پر مامور ہوتے جو تلواریں اور ڈنڈے لیے ان کی پشت پر کھڑے رہتے۔

عمر و بن عاص کے قتل کی کوشش

رہا عبد اللہ بن مالک صیداوی تو وہ مصر میں وارد ہوا اور جب شب موعودہ آئی تو محراب کے گرد چھپ رہا۔ اس کے پاس نیچے تھا جو اس نے کپڑوں میں چھپا رکھا تھا۔ مگر اس شب عمرو کے پیٹ میں درد اٹھا لہذا انہوں نے قبیلہ عامر بن لوی کے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ جا کے نماز پڑھا دے۔ چنانچہ وہ منہ اندھیرے نماز پڑھانے کی نیت سے اٹھ چلا۔ عبد اللہ کو یقین تھا کہ وہ عمرو ہے لہذا جونہی وہ سجدے میں گیا اس نے پیچھے سے تلوار کا وار کیا اور اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مگر جب اسے بتایا گیا کہ ”تم نے امیر کو قتل نہیں کیا“ تو وہ بولا ”میرا کیا قصور۔ خدا کی قسم میں تو اسی کو قتل کرنا چاہتا تھا“

حسن بن علیؑ کی بیعت

کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی نماز جنازہ حضرت حسنؑ نے پڑھائی اور انہیں دفن کر دیا گیا۔ نماز جنازہ میں حسنؑ نے پانچ بار اللہ اکبر کہا تھا۔ حضرت علیؑ کہاں دفن کیے گئے یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔

کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی وفات کے بعد حضرت حسنؑ بڑی مسجد میں جا بیٹھے۔ لوگ گرد جم ہو گئے اور ان کی بیعت کر لی۔ ازاں بعد انہوں نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا ”کیا تم بیعت کر چکے؟ جان لو کہ امیر المومنین کو تم نے قتل کیا ہے۔ خدا کی قسم مگر وہ اس رات قتل ہوئے جس رات قرآن نازل ہوا تھا۔ جس رات تقدیریں تحریر کی گئی تھیں اور قلم خشک ہو گیا تھا۔ موسیٰ بن عمران نے بھی اسی رات جان دی تھی اور عیسیٰ کو بھی اسی رات اٹھالیا گیا تھا“

معاویہؓ کے عساکر کی پیش قدمی

کہتے ہیں کہ جب معاویہؓ کو قتل علیؑ کی خبر ملی تو ساز و سامان تیار کر کے اپنے آگے عبداللہ بن عامر بن کریم کو روانہ کر دیا اور وہ عین ترم کی راہ سے مدائن کا ارادہ لیے ہوئے انہار میں جا اترے۔ یہ

خبر حضرت حسنؑ کو بھی مل گئی۔ وہ اس وقت کوفہ

میں تھے۔ لہذا تیار ہو کر مدائن کی راہ لی تاکہ عبداللہ بن عامر بن کریم سے دود و ہاتھ کر لیں، مگر جب سا باط تک پہنچے تو۔۔۔

دیکھا کہ ان کے ساتھ ڈھیلے پڑ رہے ہیں اور جنگ سے جی چار ہے ہیں لہذا وہ سا باط ہی میں اتر پڑے اور ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا ”اے لوگو کسی مسلمان کے خلاف کینہ رکھنا میرے بس میں نہیں رہا۔ میں تمہیں بھی اسی نظر سے دیکھتا ہوں جس نظر سے خود اپنی ذات کو دیکھتا ہوں۔ میں نے ایک رائے قائم کر لی ہے، تم میری رائے کو رد نہ کر دینا۔ وہ چیز جس کے باعث تم جماعت سے بیزار ہو اس سے افضل ہے جس کے باعث تم تفرقہ کو پسند کرتے ہو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم میں سے اکثر اصحاب جنگ سے بیزار ہو چکے ہیں اور خوہریزی سے جی چراتے ہیں۔ میں اس خیال کا ہرگز حامی نہیں کہ تم سے وہ کام لوں جو تمہیں ناگوار ہو۔“

حضرت حسنؑ کے ساتھی یہ بات سن کر ایک دوسرے کا منہ تکتے لگے اور ان میں سے ہر وہ شخص جو خوارج کا ہم خیال تھا بول اٹھا کہ ”حسن نے بھی اسی طرح ارتکاب کفر کیا ہے جیسے ان کے باپ نے کیا تھا“۔ چنانچہ ان میں سے ایک ٹولے نے اٹھ کر ان پر حملہ کر دیا، ان کے پیچھے سے مصلاً کھینچ لیا، ان کے ملبوسات لوٹ لیے حتیٰ کہ ان کے کاندھے پر سے خز کی چادر بھی کھینچ لی۔ یہ دیکھ کر حضرت حسنؑ نے اپنا گھوڑا طلب کیا اور سوار ہو کر لاکارا ”کہاں ہیں بنو ربیعہ و ہمدان“۔ بنو ربیعہ و ہمدان یہ سن کر دوڑے اور انہیں حملہ آواروں سے بچالیا۔

وہاں سے حضرت حسنؑ نے مدائن کا رخ کیا۔ اس موقع پر ہوا سد کا ایک فرد مسی

جراح بن قبیصہ جو خوارج کا ہم خیال تھا ساہل کی جھاڑیوں میں چھپ رہا۔ جب حضرت حسنؑ اس کے قریب پہنچے تو بھالے سے وار کر دیا اور ان کی ران زخمی کر دی، یہ دیکھ کر عبد اللہ بن نضل اور عبد اللہ بن ظبیان نے جراح اسدی پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا۔ بہر حال حضرت حسنؑ زخموں سے نڈھال مدائن میں جا ترے اور قصر ابیض میں مقیم ہو گئے۔ وہاں ان کا معالجہ جاری رہا تا نکہ تندرست ہو گئے اور پھر ابن عامر کے مقابلے کی تیاری کرنے لگے۔ دوسری طرف معاویہؓ بار میں آن پہنچے۔ وہاں قیس بن سعد بن عبادہ حضرت حسنؑ کی طرف سے مامور تھے۔ معاویہؓ نے ان کا محاصرہ کر لیا اسی اثنا میں حسنؑ نکلے اور عامر کے سامنے جا کے صف جمالیں مگر عبد اللہ بن عامر نے اعلان کر لیا ”اے اہل عراق میں جنگ کی نیت نہیں رکھتا، میں تو معاویہؓ کا محض نمائندہ ہوں۔ وہ خود انبار میں پہنچ چکے ہیں۔ اہل شام کے عساکران کے ہمراہ ہیں۔ ابو محمد (حسنؑ) کو میرا سلام لکھو اور بتادو کہ میں انہیں ان کی جان اور اس ساری جماعت کی جانوں کے نام پر جو ان کے ہمراہ ہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔“

جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ساتھ چھوڑنے اور جنگ سے کترانے لگے۔ لہذا حسنؑ نے بھی جنگ کا ارادہ ترک کیا اور مدائن کی طرف لوٹ گئے مگر وہاں عبد اللہ بن عامر نے ان کا محاصرہ کر لیا۔

معاویہؓ کی بیعت خلافت

جب حضرت حسنؑ نے اپنے ساتھیوں کی بیدلی دیکھی تو عبد اللہ بن عامر کے پاس کچھ شرائط بھیجیں کہ اگر معاویہؓ انہیں مان لیں تو وہ خلافت ان کے

پرد کر دیں گے۔ وہ شرائط یہ تھیں کہ معاویہؓ کسی عراقی سے کوئی انتقام نہ لیں گے۔ اسود و احمر مامون ہوں گے اور ان کی لغزشوں سے درگزر کیا جائے گا۔ ہر سال احوال کا خراج ان کے (حسنؑ) حوالے کر دیا کریں گے۔ ہر سال ان کے بھائی حسینؑ کے لیے بیس لاکھ درہم بھیجوا کیں گے اور بنو ہاشم کو وظائف و صلوات کے معاملے میں بنو عبد شمس پر ترجیح دیں گے۔

عبد اللہ بن عامر نے یہ معاملہ معاویہؓ کی خدمت میں تحریر کر بھیجا۔ معاویہؓ نے یہ سب (مطلوبے) خود اپنے قلم سے لکھ کر اس پر اپنی مہر ثبت کر دی اور بڑی فراخ دلی سے پکے وعدے اور مضبوط قسمیں درج کر کے تمام رؤسائے شام کو اس امر پر گواہ ٹھہرا لیا۔ ازاں بدو و عہد نامہ عبد اللہ بن عامر کے پاس بھیج دیا۔ عبد اللہ نے اسے حسن کے یہاں پہنچا دیا۔ حسنؑ رضا مند ہو گئے اور قیس بن سعد کو صلح کر لینے کے لیے لکھ بھیجا۔ نیز یہ حکم بھی تحریر کر بھیجا کہ وہ امارت معاویہؓ کے حوالے کر کے خود مدائن واپس آجائیں۔

جب یہ خط قیس بن سعد کو ملا تو انہوں نے لوگوں کو مخاطب کیا اور کہا ”اے لوگو! میں سے ایک بات کا انتخاب کر لو۔ یا بلا امام جنگ کرو یا معاویہؓ کی اطاعت کا دم بھرو۔“ چنانچہ انہوں نے معاویہؓ کا اطاعت گزار ہونا قبول کر لیا۔

معاویہؓ وہاں سے رخصت ہو کر مدائن میں آئے اور حسنؑ مدائن سے اپنی جمعیت سمیت کوچ کر کے کوفہ میں جا وارد ہوئے۔ معاویہؓ بھی وہاں جا پہنچے دونوں کی ملاقات ہوئی۔ حضرت حسنؑ نے ان کے سامنے اور شرطیں اور قسمیں ازراہ تاکید دھرا دیں۔ پھر جلد ہی وہ اپنے اہل بیت کو لے کر رخصت ہو گئے اور مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا ترے۔

ادھر امیر معاویہؓ نے اہل کوفہ سے بیعت طلب کی، انہوں نے بیعت کر لی۔
بیعت لینے کے بعد معاویہؓ نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کو ان کا گورنر (عامل) مقرر کر دیا اور
خود اپنے لاؤ لشکر سمیت شام کی طرف لوٹ گئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ معاویہؓ کی
جانب سے نو برس کو ف کے گورنر رہے تاکہ وہیں وفات پا گئے۔

زیاد بن ابیہ

زیاد بن ابیہ کو زیاد بن عبید کے نام سے جانا جاتا تھا۔ عبید بنوثقیف کے ایک فرد
کا مملوک تھا جس نے سمیہ سے شادی کر لی تھی۔ سمیہ حارث بن کلدہ کی آزاد کردہ
باندی تھی۔ اس نے عبید کے صلب سے زیاد کو جنم دیا تھا چنانچہ وہ بھی آزاد ہو گیا اور ایک
ذہین، فہیم، عاقل اور مودب نوجوان کی صورت میں پروان چڑھا۔ جب حضرت مغیرہ
بن شعبہؓ حضرت عمر بن خطابؓ کی طرف سے والی بصرہ تعینات ہوئے تو اسے اپنا منشی بنا
کر ساتھ لے گئے۔

حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے زیاد کو سرزمین فارس کا گورنر مقرر کر دیا۔
جب زیاد نے صفین کا رخ کیا تو معاویہؓ نے اسے دھمکی سے بھرپور خط تحریر کیا۔ جس پر
زیاد نے لوگوں سے خطاب کر کے کہا ”مجھے اس عورت کے بیٹے نے خط لکھ کر دھمکایا
ہے جو بھیجے کھایا کرتی تھی، اور حق یہ ہے کہ وہ شخص خود تفرقہ کا بانی ہے۔ حالانکہ اس
بکے اور میرے درمیان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابن عم اپنے نو سے ہزار
سلاح پوش رفیقوں کے ساتھ حائل ہیں۔ خدا کی قسم اگر اس نے میری طرف آنے کا
قصد کیا تو وہ دیکھے گا کہ میں کتنا ماہر شمشیر زن ہوں۔

جب حضرت علیؓ قتل ہو گئے اور خلافت کی زمام معاویہؓ کے ہاتھ آ گئی تو زیاد
نے شہر اصطر کے قلعہ میں پناہ لے لی۔ معاویہؓ نے اس کے نام امان نامہ تحریر کر بھیجا
بشرطیکہ وہ ان کے یہاں حاضر ہو جائے۔ پھر جو وہ چاہے گا معاویہؓ عطا کر دیں گے
بصورت دیگر اس کو اس قلعہ کی پناہ گاہ کی جانب لوٹا دیں گے۔

چنانچہ وہ معاویہؓ کی جانب روانہ ہو پڑا اور آخر اس کے معاملات نے یہ عروج
پایا کہ معاویہؓ نے اس کے بھائی ہونے کا دعویٰ کر دیا اور لوگوں کو یقین دلادیا کہ زیاد ابو
سفیان کا فرزند ہے۔ معاویہؓ کے اس موقف کے حق میں ابو مریم سلولی نے گواہی دی۔
سلولی بعد جاہلیت طائف میں شراب فروش تھا۔ اس نے گواہی دی کہ سمیہ کے حارث
کی طرف سے آزاد ہو جانے کے بعد ابوسفیان نے سمیہ سے راہ و رسم پیدا کر لی تھی۔
اسی طرح بنو مصطلق میں سے ایک شخص یزید نامی نے یہ گواہی دی کہ ابوسفیان کہا
کرتے تھے ”زیاد میرے نطفے اور سمیہ کے نطفے سے ہے“۔ مختصر یہ کہ معاویہؓ کا دعویٰ
مکمل کو پہنچ گیا اور پھر اس ضمن میں جو کچھ ہوا سو ہوا۔

پھر معاویہؓ نے زیاد کو ہدایت کی کہ وہ کوفہ کی راہ لے اور وہاں جا کر ان کے
حکم کا انتظار کرے۔ چنانچہ زیاد رخصت ہو کر کوفہ میں جا پہنچا۔ اس زمانے میں وہاں
حضرت مغیرہ بن شعبہؓ گورنر تھے۔ زیاد سلمان بن ربیعہ باہلی کے یہاں مہمان ہوا۔
وہیں اس کے پاس معاویہؓ کی طرف سے بصرے کی گورنری کا حکمنامہ پہنچ گیا اور وہ
بصرے کی سمت چل دیا۔

بصرے میں پہنچا تو سیدھا مسجد جامع کا رخ کیا اور منبر پر چڑھ کر حمد و ثنائے
الہی بیان کی، ازاں بعد کہاں ”میرے اور ان لوگوں کے مابین عداوتیں تھیں اب میں

نے ان عداوتوں کو پاؤں تلے روند ڈالا ہے۔ میں کسی کا بھی کسی عداوت کے بدلے مواخذہ نہ کروں گا۔ کسی کو بھی اس وقت تک ذلیل نہ کروں گا جب تک اس کا جرم واضح نہ ہو جائے۔ جس کا ظلم عیاں نظر آئے گا اس مہلت نہ دوں گا۔ پس تم میں جو شخص بھلا ہے وہ اور بھی بھلا ہو جائے اور جو برا ہے وہ برائی سے دستکش ہو جائے۔ ہماری بات کان دھر کر سننے، اطاعت کا دم بھر۔ اور ہمارے ساتھ تعاون کرنے یہ کہا اور اتر آیا۔ زیادہ بصرے کی گورنری کرتے دو برس گزرے تھے کہ مغیرہ چل بسے۔ لہذا معاویہؓ نے کوفہ اور بصرہ دونوں کی گورنری کا فرمان زیادہ کے نام لکھ بھیجا۔ فرمان پہنچتے ہی زیادہ کو فنی کی سمت روانہ ہو پڑا۔

کہتے ہیں حضرت حسنؓ کو جو شخص سب سے پہلے ملا اور جس نے سب سے پہلے انہیں ان کی کارروائی پر شرم دلا کر جنگ کی جانب لوٹ جانے کی ترغیب دی وہ حجر بن عدیؓ تھے۔ انہوں نے حضرت حسنؓ سے کہا ”اے ابن رسول کاش میں یہ کچھ دیکھنے سے قبل مر گیا ہوتا۔ آپ نے ہمیں عدل سے نکال کے جور کے حوالے کر دیا لہذا ہم نے حق کو ترک کر دیا جس پر قائم تھے اور باطل کو قبول کر لیا جس سے گریزاں تھے۔ ہم نے نفس کی کیمنگی کے سامنے سرفرم کر دیا اور وہ ذلت قبول کر لی جو ہمارے لیے زیانہ تھی۔“

حضرت حسنؓ کو حجرؓ کے الفاظ سخت ناگوار گزرے لہذا انہوں نے جواب دیا ”میں نے اکثر لوگوں کو صلح کا طلب گار پایا تھا، وہ جنگ سے جی چرا رہے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ انہیں ایسے کام پر مجبور کروں جو وہ نہیں چاہتے چنانچہ میں نے صلح کر لی۔ اس سے خصوصاً یہ مقصود تھا کہ ہمارے شیعہ (حامی) قتل سے بچ جائیں اس لیے میں نے یہی مناسب جانا کہ کچھ عرصے کے لیے لڑائی کو ٹال دیا جائے۔ خدا کی شان ہر روز

لڑائی ہے۔“

کہتے ہیں کہ حضرت حجرؓ حضرت حسنؓ کے یہاں سے نکل کر حضرت حسینؓ سے ملے۔ عبیدہ بن عمرو ان کے ہمراہ تھے۔ دونوں نے حسینؓ سے کہا ”اے ابو عبد اللہ آپ لوگوں نے عزت کے بدلے ذلت خرید لی، قلیل کو قبول کر لیا اور کثیر کو چھوڑ دیا۔ اے حسینؓ آج ہماری بات مان لیں اور دنیا کا حکم رد کر دیں، حسنؓ کو بھی چھوڑ دیں اور ان کی اس رائے کو بھی جو انہوں نے لڑائی کے بارے میں اختیار کی ہے۔ کوفہ اور دیگر مقامات میں رہنے والے اپنے شیعوں (اپنے حامیوں) کو اکٹھا کر لیں، مقدمے پر مجھے اور میرے اس ساتھی کو مامور کر دیں۔ ابن حنہ (معاویہ) کو پتہ اس وقت چلے گا جب ہم تمواریں سونٹے اس پر حملہ بول چکے ہوں گے۔“

مگر حضرت حسینؓ نے جواب دیا ”ہم بیعت کر چکے اور عہد دے چکے اب بیعت توڑی نہیں جاسکتی۔“

علی بن محمد بشر ہمدانی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اور سفیان ابن لیلیٰ روانہ ہوئے اور مدینہ میں حسنؓ کے یہاں پہنچے اور ان سے ملاقات کی۔ ان کے پاس مسیب بن مجہد، عبد اللہ بن وداک، تمیمی اور سراج بن مالک شعمی موجود تھے۔ میں نے کہا ”اے اہل ایمان کو ذلیل کر دینے والے السلام علیکم۔“ وہ بولے ”وعلیکم السلام بیٹھ جاؤ۔ میں مسلمانوں کو ذلیل کرنے والا نہیں۔ انا میں تو انہیں عزت مند کرنے والا ہوں۔ میں نے اگر معاویہؓ سے صلح کرنی ہے تو اس سے مقصد محض یہ تھا کہ تم لوگوں سے کشت و خون کو ٹال دوں۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میرے ساتھی لڑائی سے جی چرا رہے ہیں اور کشت و خون سے بیزار ہیں۔ خدا کی قسم اگر ہم پہاڑوں اور درختوں کو ساتھ لے کر

بھی معاویہؓ کی طرف کوچ کرتے جب بھی خلافت ان کے پاس پہنچ کر رہتی۔ پھر کہا: ”ازاں بعد میں حضرت حسنؓ کے یہاں سے رخصت ہو کر حضرت حسینؓ سے ملا اور انہیں بتایا کہ حسنؓ نے ہمیں یہ جواب دیا ہے۔ اس پر حضرت حسینؓ نے کہا ”ابو محمد تو نے سچ کہا ہے۔ اب چاہیے یہ کہ آپ میں سے ہر شخص خانہ نشین ہو جائے اور اس وقت تک خانہ نشین رہے جب تک یہ صاحب (معاویہؓ) زندہ ہیں۔“

حسن بن علی کی وفات

کچھ عرصے کے بعد حضرت حسنؓ مدینہ میں بیمار پڑ گئے اور حالت نازک ہو گئی۔ ان کے بھائی محمد بن حنفیہ ان کی جاگیر پر تھے۔ انہیں بلوایا، وہ آگئے اور حسنؓ کے پاس پہنچ کر ان کی باتیں طرف بیٹھ گئے۔ حسینؓ دائیں جانب تھے۔ اب جو حسنؓ کی آنکھ کھلی تو وہ دونوں نظر پڑے۔ چنانچہ حسینؓ سے کہا ”اے بھائی میں تمہیں تلقین کرتا ہوں کہ محمد کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ وہ دو آنکھوں کے درمیان کی کھال ہے (یعنی بہت ہی عزیز ہے)۔“ پھر کہا ”اے محمد تجھے حسینؓ کے بارے میں تلقین کرتا ہوں کہ اس کا ساتھ دے اور اس کا ہاتھ بٹا۔“

اسی طرح یہ بھی کہا ”مجھے اپنے نانا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دفن کرنا اور اگر اس کی اجازت نہ ملے تو پھر بقیع میں۔“ جلد ہی بعد فوت ہو گئے۔ مگر مروان نے اجازت نہ دی کہ انہیں رسول خدا کے پاس دفن کیا جائے۔ لہذا انہیں بقیع میں دفن کر دیا گیا۔ جب اہل کوفہ کو حضرت حسنؓ کی وفات کا علم ہوا تو ان کے اکابر اکٹھے ہوئے اور حضرت حسینؓ کی خدمت میں تعزیت نامہ تحریر کیا۔“

اسی طرح حضرت حسینؓ کی خدمت میں جعد بن صہیرہ بن ابی وہب نے بھی خط لکھا جو اس خانوادے کا مخلص ترین دوست اور خواہ تھا۔ ”اما بعد، آپ کے شیعہ جو ہمارے متوسل ہیں آپ کی طرف گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے ہیں۔ وہ کسی کو آپ کا ہمسر نہیں جانتے۔ وہ آگاہ ہیں کہ آپ کے بھائی حسنؓ کی لڑائی کو ٹالنے سے متعلق آپ کی کیا رائے تھی۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اپنے دوستوں کے حق میں کتنے مہربان ہیں اور دشمنوں کے بارے میں کس قدر سخت گیر ہیں، نیز یہ کہ آپ احکام الہی کے معاملے میں کس درجہ تشدد ہیں لہذا اگر آپ خلافت کے طالب ہیں تو ہمارے پاس چلے آئیے، ہم آپ کے ہمراہ جانیں دے دینے پر بالکل تیار ہیں۔“

حضرت حسینؓ نے جواباً تحریر کیا ”جہاں تک میرے بھائی کا تعلق ہے میں اس خیال کا حامل ہوں کہ انہیں خدا کی توفیق حاصل تھی اور آگے بھی خدا ان کا مددگار ہوگا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں ابھی اس رائے کا مالک نہیں۔ خدا تم پر رحم کرے۔ جب تک معاویہؓ زندہ ہیں زمین کے ساتھ چپکے رہو۔ اپنے گھروں میں چھپے رہو اور اپنے آپ کو بدگمانی و وہم کا تختہ مشق نہ بناؤ۔ میرے جیتے جی خدا معاویہؓ کو کسی حادثے سے دوچار نہیں کرنے کا، میں نے اپنا عندیہ تمہیں تحریر کر دیا، والسلام۔“

حضرت حسنؓ کی وفات کی خبر معاویہؓ کو بھی مل گئی۔ انہیں عامل مدینہ مروان نے اس امر سے مطلع کیا تھا۔ چنانچہ معاویہؓ نے ابن عباس کو بلوایا۔ ان دنوں ابن عباس شام میں انہیں کے یہاں آئے ہوئے تھے۔ جب وہ ملے تو معاویہؓ نے حسنؓ کی وفات پر تعزیت بھی کی اور اظہار مسرت بھی کیا۔ لہذا ابن عباس نے کہا ”آپ حسنؓ کی موت پر خوش نہ ہوں۔ خدا کی قسم ان کے بعد آپ کا بھی چل چلاؤ ہے۔“

حضرت عمرو بن عاص اور امیر معاویہؓ کے

ما بین مکاتبت

کہتے ہیں کہ معاویہؓ نے عمرو بن عاص کو خط لکھا۔ (عمرو اس وقت مصر کے گورنر تھے اور یہ تو ظاہر ہے کہ انہوں نے مصر کو انہیں شرائط پر حاصل کیا تھا جو معاویہؓ کے ساتھ طے پائی تھیں) ”اما بعد امیر ے یہاں تجازی اہل حاجت اور عراقی ملاقاتیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ عسا کر کی تنخواہ کے بعد میرے پاس کچھ نہیں بچتا۔ لہذا اس سال مصر کا مالیہ مجھے دے کر میری مدد کریں۔“

اس پر عمرو بن عاص نے ان کی طرف لکھ بھیجا۔

۱۔ اے معاویہؓ اگر تیرے نفس میں ہوس اور حرص در آئی ہے تو یہ الگ بات ہے۔ ورنہ مصر میں نے ماں باپ کی وراثت کے طور پر نہیں پایا۔

۲۔ مصر میں نے مفت میں بھی نہیں پایا بلکہ میں نے اسے (مدد کے بدلے میں) مشروط کیا تھا اور حالت یہ تھی کہ اس وقت جنگ بے درنگ پوری شدت کے ساتھ جاری تھی۔

۳۔ نیز یہ کہ اگر میں اشعری اور اس کے رفقاء کی مدافعت نہ کرتا تو تو دیکھتا کہ وہ نوزائیدہ بچہ شتر کی طرح غل مچا رہا ہوتا (بے کس ہو کر بلبلارہا ہوتا)۔

جب معاویہؓ کے پاس یہ جواب پہنچا تو وہ بل بل کھا کے رہ گئے اور پھر مصر کے بارے میں عمرو سے کبھی کوئی بات نہ کی۔

کہتے ہیں کہ جب معاویہؓ بنی شعبہ کو کوفہ کی حکومت سونپ کر وہاں سے رخصت ہوئے تو جمعہ کے روز مغیرہ منہر پر چڑھے تاکہ حاضرین کو خطاب کریں مگر حجر بن عدیؓ نے انہیں کنکریاں ماریں۔ حجر شیعان علیؓ میں سے تھے۔ اس پر وہ بسرعت تمام منہر سے اتر کر قصر امارت میں جا رہے اور رضا جوئی کے طور پر حجر کے پاس پانچ ہزار درہم بھجوا دیے چنانچہ مغیرہ سے کہا گیا۔ ”آپ نے یہ کیا کیا اس سے تو آپ کی کمزوری اور کمتری مترشح ہوتی ہے۔“ مغیرہ نے جواب دیا ”میں نے اس رقم کے ذریعے حجر کو ہلاک کر ڈالا ہے۔“

جب حضرت مغیرہؓ کی وفات پر معاویہؓ نے بصرے کے ساتھ کوفہ کی حکومت بھی زیادہ کے سپرد کر دی تو زیادہ نے معمول بنالیا کہ چھ ماہ بصرے میں بسر کرتا اور چھ ماہ کوفہ میں۔ ایک بار جب وہ بصرے کے دورے پر نکلا تو عمرو بن حرث عدوی کو حکومت کی باگ ڈور سونپ گیا۔ چنانچہ جمعہ کے روز عمرو بن حرث منہر پر چڑھا تاکہ خطاب کرے مگر حجر اور ان کے ساتھیوں نے اٹھ کے اسے بھی کنکریاں مارنا شروع کر دیں۔ عمرو منہر سے اتر آقا قصر میں داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا۔

عمرو بن حرث نے حجر اور ان کے ساتھیوں کے طرز عمل کا ماجر زیادہ کے پاس لکھ بھیجا۔ زیادہ اطلاع پاتے ہی ڈاک کے گھوڑوں پر سوار ہوا اور کوفہ میں آن پہنچا۔ آتے ہی مسجد میں داخل ہوا۔ اپنا تخت قلعے سے نکلا کر مسجد ہی میں بچھو لیا۔ اشراف کوفہ میں سے پہلا شخص جو زیادہ کے پاس حاضر ہوا وہ محمد بن اشعث بن قیس تھا۔ اُس نے آکے سلام امارت عرض کیا۔ زیادہ نے کہا ”تم پر خدا کی مارجاؤ اور ابھی اپنے چچا زاد بھائی کو لے آؤ۔“ محمد بن اشعث نے جواب دیا ”مجھے حجر سے کیا تعلق۔ آپ جانتے

ہیں کہ ہمارے مابین کتنی دوری ہے۔“

اس پر جریر بن عبد اللہ نے کہا ”اے امیر میں حجر کو لے آتا ہوں بشرطیکہ آپ ان کے لیے امان کا وعدہ کریں اور جب تک وہ معاویہ سے نکل لیں آپ ان سے کوئی تعرض نہ کریں۔ معاویہ ان کے بارے میں جو فیصلہ چاہیں کریں۔“ زیاد نے کہا ”قبول ہے۔“

جریر بن عبد اللہ حجر کو زیاد کے پاس لے آئے۔ زیاد نے حکم دیا کہ انہیں قید کر دیا جائے۔ نیز یہ حکم دیا کہ حجر کے ان ساتھیوں کو بھی تلاش کیا جائے جو ان کے ہمراہ کنکریاں مارنے میں شریک تھے۔ چنانچہ ان سب کو بھی لا کر حاضر کر دیا گیا۔ زیاد نے ان سب کو ایک سو سپاہیوں کے ہمراہ معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ اس موقع پر حجر کی والدہ نے کہا۔

۱۔ اے ضیاء القربان بلند ہو جا، تو دیکھتا نہیں کہ حجر جا رہا ہے۔

۲۔ اے حجر اے بنی عدی کے حجر خدا کرے تمہیں ہمیشہ خوشخبری اور مسرت ہی سے واسطہ رہے۔

۳۔ اور اگر تو ہلاک بھی ہو جائے تو خیر، آخر ہر سردار قوم دنیا سے منزلِ ہلاکت کی طرف کوچ کرتا ہے۔

زیاد نے تین آدمی ساتھ کر دیے تاکہ وہ معاویہ کے یہاں حجر اور ان کے ساتھیوں کے طرزِ عمل پر گواہی دیں۔ یہ تین آدمی ابو بردہ بن ابی موسیٰ، شریح بن حسانی حارثی اور ابو حنیفہ ثنی تھے۔

جب معاویہ کے پاس پہنچے تو ان تینوں نے گواہی دی کہ ان لوگوں نے عمرو بن

حیث کو کنکریاں ماری تھیں۔ چنانچہ معاویہ نے انہیں قتل کر دیا۔ اس پر مالک بن امیر معاویہ کے پاس گئے اور کہا ”اے امیر المؤمنین آپ نے ان لوگوں کو قتل کر کے بہت برا اقدام کیا۔ انہوں نے ایسی حرکت تو نہ کی تھی کہ ان کا قتل واجب ہوتا۔“ معاویہ نے کہا ”میں نے تو ان سے درگزر کر ہی لیا ہوتا مگر زیاد کا خط آ گیا تھا جس میں درج تھا وہ یہ لوگ فتنے کے سربراہ ہیں۔ اگر میں انہیں قتل کر دوں گا تو گویا فتنے کا قلع قمع ہو جائے گا۔“

جب حجر اور ان کے ساتھی قتل کر دیے گئے تو یہ بات اہل کوفہ کو نہایت شاق گزری۔ حجر حضرت علیؑ کے عظیم ترین ہوا خواہوں میں سے تھے۔ حضرت علیؑ تو اشعث بن قیس کو معزول کر کے انہیں کندہ کی حکومت پر مامور کرنے والے تھے۔ یہ دونوں آکل المرار حارث بن عمرو کی نسل سے تھے، مگر حجر نے اشعث کے جیتے جی حکومت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اب اکابر کوفہ کی ایک جماعت حضرت حسینؑ کے پاس حاضر ہوئی اور انہیں سارا ماجرا کہ سنایا۔ ان کے منہ سے نکلا ”انا للہ وانا الیہ راجعون“۔ اس واقعہ نے انہیں بہت ہی دکھ دیا تھا۔ غرضیکہ وہ لوگ حضرت حسینؑ سے باقاعدہ ملتے رہے۔ ان دنوں مدینے کا گورنر مروان بن حکم تھا وہ بھی اس امر سے آگاہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے امیر معاویہ کو لکھا کہ اہل عراق حسینؑ بن علیؑ کے پاس آئے ہوئے ہیں۔ انہیں کے یہاں مقیم ہیں اور ان سے ملتے رہتے ہیں۔ لہجے کہ آپ کا مشورہ کیا ہے؟“

چنانچہ معاویہ نے جواباً لکھ بھیجا ”حسینؑ سے کوئی تعرض نہ کریں۔ حسینؑ نے ہماری بیعت کر رکھی ہے۔ وہ نہ اس بیعت کو توڑیں گے اور نہ ہمارے حقوق مجھے ر

کر دیا ہوں گے۔

ساتھ ہی معاویہؓ نے حسینؓ کے نام بھی ایک خط تحریر کر دیا "اما بعد۔ میرے پاس کچھ ایسی باتیں پہنچی ہیں جو آپ کے شایاں نہیں۔ اس لیے کہ جو شخص پنجہ ملا کے قول دیتا ہے اس پر وفا فرض ہوتی ہے۔ لہذا آپ جان لیں۔ خدا آپ پر رحم کرے کہ جب میں آپ سے منہ پھیر لوں تو آپ بھی مجھے نظر انداز کر دیں۔ اور اگر آپ میرے خلاف دام بچھائیں گے تو میں آپ کے خلاف بچھاؤں گا۔ لہذا احمقوں کے کہے میں آگے بہک نہ جانا یہ وہ لوگ ہیں جو فتنہ و فساد کے خواہاں ہیں۔ والسلام"

اس خط کے جواب میں حضرت حسینؓ نے یہ لکھا کہ "میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے درپے ہوں۔"

کہا جاتا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ کو زندگی بھر معاویہؓ کی جانب سے کوئی دکھ نہ پہنچا۔ نہ ان کے حق میں معاویہؓ سے کوئی ناگوار حرکت ظہور میں آئی۔ معاویہؓ نے ان دونوں کے ساتھ جو شرانگہ طے کی تھیں ان میں کوئی کمی نہ کی۔ وہ دونوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرتے رہے اور اس نیک برتاؤ میں کوئی تغیر و نما نہ ہوا۔

کہتے ہیں کہ زیاد چار برس تک کوفہ و بصرہ کا حاکم رہا۔ جب اس کی موت کا وقت آیا تو معاویہؓ کی خلافت کو تیرہ برس بیت چکے تھے، یہ ۳۵ھ کا واقعہ ہے۔

جب وقت آخر قریب آ گیا تو زیاد نے معاویہؓ کے نام خط لکھا "اما بعد! میں یہ خط لکھ رہا ہوں اور عالم یہ ہے کہ میرا یہ دنیا کا آخری اور آخرت کا پہلا دن ہے۔ میں نے فتنہ کی حکومت عبد اللہ بن خالد بن اسید کے سپرد کر دی ہے اور بصرہ کی سرحد بن کر رہی ہے۔ والسلام"

زیاد سے یہ کہا گیا تھا "آپ کوفہ و بصرہ میں سے کسی ایک کی حکومت اپنے بیٹے کے سپرد کیوں نہیں کرتے۔ وہ ان دونوں (مقرر کردہ) اشخاص میں سے کسی سے کم تو نہیں۔"

مگر زیاد نے یہ جواب دیا تھا "اگر اس میں کوئی جوہر ہے تو اس جوہر کا خیر مقدم اس کے چچا معاویہؓ پر لیں گے۔" جلد ہی بعد زیاد چل بسا۔ اس کی نماز جنازہ اس کے بیٹے عبید اللہ نے پڑھائی اور اسے قریش کے گورستان میں دفن کر دیا گیا۔

عبد اللہ بن خالد بن اسید کوئی آٹھ ماہ تک کوفہ کا حاکم رہا۔ بصرہ کی حکومت کا پروانہ معاویہؓ نے عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا تھا۔ خالد آٹھ ماہ حکومت کر چکا تو معاویہؓ نے اسے کوفہ کی حکومت سے معزول کر کے ان کی جگہ نعمان بن ابی العنصر کو گورنر مقرر کر دیا۔

معاویہؓ کی وفات

کہتے ہیں کہ جب ساٹھواں سال جبری شروع ہوا تو معاویہؓ مرض موت میں مبتلا ہو گئے، چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو جو دمشق سے باہر تھا بلوا بھیجا۔ جب یزید کو پہنچنے میں دیگر لگی تو ضحاک بن قیس فہری کو جو معاویہؓ کی پولیس کا افسر اعلیٰ تھا اور مسلم بن عقبہ کو جو ان کے محافظ دستے کا قائد تھا طلب کیا اور ان سے کہا "یزید سے میری یہ وصیت کہ دینا اور بتا دینا کہ میں اسے حکم دیتا ہوں کہ وہ اپنے پاس آنے والے ہر قبائلی کی عزت و تکریم کرے۔ جو قبائلی بزرگ حاضر نہیں ہوتے ان کا بھی خیال اور لحاظ رکھو۔ کیونکہ وہ لوگ اس کی اصل ہیں۔ میں اسے حکم دیتا ہوں کہ اہل عراق کے

ساتھ نرمی کا سلوک کرتا رہے، ان کی دلہنچی میں کوتاہی نہ کرے اور ان کی فروگزاشتوں سے درگزر کرتا رہے۔ اور میں اسے یہ بھی حکم دیتا ہوں کہ اہل شام کو اپنی آنکھیں اور جانیں جانے۔ انہیں ان کے وطن شام سے باہر زیادہ دیر تک کبھی نہ روکے ایسا نہ ہو کہ وہ دوسروں کے طور طریقے سیکھ لیں۔

تم دونوں اسے یہ بھی بتا دینا کہ مجھے اس کے حق میں فقط چار آدمیوں سے اندیشہ ہے، حسین بن علیؑ، عبداللہ بن عمروؓ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ۔ جہاں تک حسین بن علیؑ کا تعلق ہے اس سے اہل کوفہ ضرور بغاوت کرائیں گے اور اگر وہ بغاوت کرے اور تم فتح پاؤ تو درگزر سے کام لینا۔ عبداللہ بن عمروؓ عہدات نے محو کر لیا ہے، وہ خلافت کا طالب نہیں۔ ہاں اگر خلافت بلا سچی و کوشش اس کے پاس پہنچ جائے تو یہ الگ بات ہے۔ رہا عبدالرحمن بن ابی بکرؓ تو لوگوں کے دلوں میں اس کا ایسا وقار اور اعتبار نہیں ہے کہ وہ خلافت کا مطالبہ کر سکے یا اس کے لیے کوشاں ہو، البتہ بغیر ہاتھ ہلائے اس کے ہاتھ لگ جائے تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن جو شخص شیر کی طرح گھات میں رہے گا اور لومڑی کی طرح جل دے گا اور موقع پا کر پل پڑے گا وہ عبداللہ بن زبیرؓ ہے۔ اگر وہ ایسا کرے اور تم اس پر فتح پاؤ تو اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا۔ ہاں اگر وہ طالب صلح ہو تو یہ الگ بات ہے۔ اس کی طرف سے صلح کی پیش کش ہو تو قبول کر لین۔ کوشش کرنا کہ قوم کا خون نہ بہے۔ ان میں سے جو بدخواہ ہوں انہیں تھکوا و انعام دے کر روک لو اور ان کی زیادتیوں پر اپنے حلم کا پردہ ڈال دو۔

اسی اثنا میں خود یزیدؓ اُن کے پاس آن پہنچا۔ انہوں نے وصیت اس کے رو برو دھرائی اور چل بیٹے۔

اب ضحاک بن قیس بڑی مسجد میں آیا اور منبر پر چڑھ گیا معاویہؓ کے کفن اس کے ہاتھ میں تھے اور کہا "اے لوگو! معاویہؓ بن ابی سفیانؓ ہندگانِ الٰہی میں سے ایک بندہ تھا۔ خدا نے اسے اپنے بندوں کا حاکم بنایا تھا۔ جب تک مقدر میں تھا وہ زندہ رہا۔ جب اجل آئی وہ چل دیا۔ یہ ہیں اس کے کفن..... تم لوگ دیکھ رہے ہو۔ ہم معاویہؓ کو ان میں لپیٹ کر قبر میں اتار دیں گے۔ پھر وہ جانے اور اس کا خدا۔ جو اس کے جنازے میں شام ہونا چاہے وہ نماز ظہر کے بعد پہنچ جائے۔" یہ کہا اور منبر سے اتر آیا۔

لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ تاکہ نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ پھر اکٹھے ہو گئے اور معاویہؓ کی تجہیز و تکفین کی۔ ان کا جنازہ اٹھایا اور دفن کر دیا۔

بیعت یزید

یزید واپس آ کے جامع مسجد میں داخل ہوا اور لوگوں سے بیعت کرنے کو کہا۔
لوگوں نے بیعت کر لی اور وہ اپنے گھر چلا گیا۔

معاویہ کی وفات کے وقت مدینے کی حکومت پر ولید بن عتبہ بن ابی سفیان اور
نئے کی حکومت پر یحییٰ بن حکیم بن صفوان بن امیہ، کوفے کی حکومت پر نعمان بن بشیر
الہمدانی اور بصرے کی حکومت پر عبید اللہ بن زیاد فائز تھا۔

اب یزید کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ چاروں شخص اس کی بیعت
کر لیں چنانچہ اس نے ولید بن عتبہ کے نام فرمان لکھ بھیجا کہ وہ بہ شدت و جبر بیعت
لے اور کسی کو بھی مہلت نہ دے۔ جب یہ خط ولید کو ملا تو وہ گھبرا گیا۔ اسے فتنہ و فساد کا
خوف لاحق ہو گیا لہذا مروان کے پاس پیغام بھیجا۔ دونوں کے تعلقات کشیدہ تھے تاہم
مروان آگیا اور ولید نے اسے خط پڑھ کے سنا دیا اور مشورہ طلب کیا۔

مروان نے کہا ”جہاں تک عبد اللہ بن عمر اور عبد الرحمن بن ابی بکر کا تعلق ہے
ان کی جانب سے تیرے دل میں خطرہ جاگزیں نہ ہونا چاہیے وہ خلافت کے لیے کوئی
منالہ نہ کریں گے۔ البتہ تجھے چاہیے کہ حسین بن علیؑ اور عبد اللہ بن زبیرؑ سے فوراً نپٹ
لے۔ انہیں ابھی بلوالے۔ اگر وہ بیعت کر لیں تو فتنہ اور نہ دونوں کا سراڑ اڑے قبل اس
کے کہ معاویہ کی وفات کی خبر عام ہو۔ یہ خبر عام ہوگئی تو ان میں سے ہر ایک کسی جانب
بھاگ جائے گا اور مخالفت پر کمر باندھ لے گا۔

چنانچہ ولید نے عبد اللہ بن عمرو بن عثمان سے جو وہاں موجود تھا اور ابھی نو عمر ہی

باب پنجم

﴿بیعت یزید﴾

تھا کہا ”اے بیٹا جاؤ اور حسین بن علی اور عبداللہ بن زبیر کو بلا لاؤ۔“

عبداللہ چلا گیا۔ جب مسجد (نبوی) میں پہنچا تو دیکھا کہ دونوں وہاں بیٹھے ہیں لہذا کہا ”آپ کو گورنر نے یاد کیا ہے۔“

انہوں نے کہا ”تم جاؤ ہم ابھی تمہارے پیچھے پیچھے چلے آتے ہیں۔“ عبداللہ چلا گیا۔

اب عبداللہ بن زبیر نے حسین سے کہا ”کیا خیال ہے اس نے ہمارے پاس اس گھڑی آدمی کیوں بھیجا ہے۔“

حسین نے کہا ”میرا اندازہ یہ ہے کہ معاویہ فوت ہو گئے ہیں اور اس نے ہمیں بیعت کے لیے بلوایا ہے۔“ ابن زبیر نے کہا ”میرا بھی بالکل یہی گمان ہے۔“ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے گھر کی راہ لی۔

اب حضرت حسین نے اپنے موالی اور غلام اکٹھے کئے اور دار امارت کی راہ لی۔ وہاں اپنے ان جوانوں سے کہہ دیا کہ تم دروازے پر بیٹھ رہو اگر میری آواز سنو تو گھر کے اندر گھس آنا۔ حسین ولید کے پاس پہنچے اور اس کے ایک پہلو میں جا کے بیٹھ گئے۔ مروان بھی ولید کے یہاں موجود تھا۔ ولید نے انہیں خط پڑھ کر سنایا۔ جس پر حسین نے جواب دیا ”میرے جیسا کوئی شخص چھپ کر بیعت نہیں کرتا۔ میں ہر وقت تمہاری دسترس میں ہوں۔ جب اس مقصد کے لیے باقی لوگ جمع ہوں گے میں بھی پہنچ جاؤں گا۔ پھر جو کچھ وہ کریں گے میں بھی کروں گا۔“

ولید عافیت پسند شخص تھا۔ لہذا حسین سے کہا ”اچھا تو اب آپ جائیں اور پھر دیگر لوگوں کے ہمراہ ہمارے پاس تشریف لے آئیں۔“ حسین چلے گئے۔ ان کے

جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا ”تم نے میری بات نہ مانی۔ خدا کی قسم ایسا موقع پھر ہاتھ نہیں آئے گا۔“

ولید نے کہا ”کبھی تم مجھے یہ مشورہ دیتے ہو کہ میں حسین بن فاطمہ علیہ السلام بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دوں؟ خدا کی قسم جس شخص کا قیامت کے دن خون حسین کے ضمن میں محاسبہ کیا جائے گا وہ شخص بہت ہی خفیف المیزان ہوگا۔“

رہے ابن زبیر تو انہوں نے گھر میں جا کے پناہ لے لی اور ولید سے لا ولا بہ کرنے لگے تاکہ جب رات کا ملاسیا ہو گئی تو انہوں نے کئے کی راہ لی۔ مگر شاہراہ کے بجائے پگڈنڈی پر ہو لیے۔

صبح جب ولید کی آنکھ کھلی تو عبداللہ بن زبیر کا ماجرا معلوم ہوا۔ لہذا اس نے حبیب بن کونین کو تیس سواروں کے ہمراہ ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا۔ مگر تمام دن تلاش میں سرگرداں رہنے کے باوصف وہ لوگ ان کا کھوج نہ پاسکے۔

جب دن غروب ہوا اور رات تاریک ہو گئی تو حسین نے بھی کئے کی راہ لی۔ ان کے ہمراہ ان کی ہمشیرام کلثوم، زینب اور بھائی کے فرزند تھے اور بھائیوں میں سے ابوبکر، جعفر اور عباس تھے۔ علاوہ ازیں دیگر اہل بیت بھی جو اس وقت مدینے میں مقیم تھے ان کے ساتھ ہو لیے۔ البتہ محمد بن حنفیہ وہیں ٹھہرے رہے۔

جہاں تک عبداللہ بن عباس کا تعلق ہے وہ کئی روز قبل کئے جا چکے تھے۔ بہر حال حسین منزلیں مارتے جا رہے تھے۔ راستے میں عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ وہ کئے سے مدینے کو جا رہا تھا۔ چنانچہ اس نے پوچھا ”کہاں کے ارادے ہیں۔“ حضرت حسین نے جواب دیا ”فی الحال تو کئے جا رہا ہوں۔“

وہ بولا "خدا آپ کے لیے بہتری ہی کا سامان کرے۔ ویسے میں آپ کو ایک صلاح ضرور دینا چاہتا ہوں۔"

حضرت حسین نے کہا "وہ کیا ہے۔"

وہ بولا "جب مکے میں پہنچیں اور وہاں سے کسی شہر کی جانب نکل جانا چاہیں تو یاد رکھیں کہ کوفہ کا ہر گز رخ نہ کریں۔ وہ منہوں شہر ہے۔ وہاں آپ کے والد ماریے گئے اور وہاں آپ کے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ان پر نیزے کا حملہ بھی ہوا جو قریب تھا کہ ان کی جان لے لیتا۔ بہتر ہو کہ حرم ہی کے ہو رہیں اس لیے کہ اہل حجاز کسی کو آپ کا ہمسر نہیں جانتے۔ جہاں جہاں آپ کے شیعہ موجود ہوں انہیں بلوا بھیجے، وہ آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔" حسین نے جواب دیا جو خدا چاہے گا وہی ہوگا۔ حسین نے اپنی سواری بڑھا دی اور مکے جا پہنچے۔ وہاں شعب علی میں ذریعے ڈال دیے۔ لوگ عبداللہ بن زبیر کا ساتھ چھوڑ کر گروہ درگروہ ان کے پاس پہنچنے لگے۔ حسین کی آمد سے قبل وہ سب ابن زبیر کے گرد جمع تھے۔ یہ بات ابن زبیر کو ناگوار گزری ان پر واضح ہو گیا کہ جب تک حسین شہر میں موجود ہیں انہیں کوئی نہ پوچھے گا۔ ویسے وہ خود صبح و شام حسین کے پاس آتے جاتے تھے، اسی اثنا میں یزید نے یحییٰ بن حکیم بن صفوان بن امیہ کو (مکے کی حکومت) سے معزول کر دیا۔

اہل کوفہ اور حسین

کہتے ہیں کہ جب اہل کوفہ معاویہ کی وفات سے آگاہ ہوئے اور یہ اطلاع بھی مل گئی کہ حسین بن علیؑ مکے کی جانب نکل گئے ہیں تو شیعہ حضرات ایک گروہ سلیمان

بن صرد کے گھر پہنچا اور باتفاق رائے یہ طے کیا کہ حسین کی خدمت میں خط لکھ کے گزارش کی جائے کہ وہ ان کے پاس کوفہ میں تشریف لے آئیں تاکہ زمام خلافت ان کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ اور نعمان بن بشیر انصاری کو وہاں سے نکال دیا جائے چنانچہ انہوں نے حسین کے نام اس مضمون کا خط اور عبداللہ سیح ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ جب یہ دونوں شخص خط لے کر حسین کے پاس میں پہنچے، اس دن ماہ رمضان کے دس دن گزر چکے تھے۔ بہر حال انہوں نے خط حضرت حسین کے حوالے کر دیا مگر ابھی وہ دن شام میں تبدیل بھی نہ ہوا تھا کہ حضرت حسین کے پاس مسہر صیداوی اور عبدالرحمن بن عبید ارجی آن پہنچے۔ ان کے پاس پچاس پچاس چٹھیاں تھیں جو اہل کوفہ کے اکابر و رؤساء نے تحریر کی تھیں۔ ہر چٹھی دو دو، تین تین اور چار چار اصحاب کی طرف سے تھی۔

صبح ہوئی تو حضرت حسین کے پاس ہانی بن ہانی سمعی اور سعید بن عبداللہ شعمی حاضر ہوئے۔ ان کے ہمراہ بھی پچاس چٹھیاں تھیں۔

جب وہ دن غروب ہوا اور شام چھا گئی تو ان کی خدمت میں سعید بن عبداللہ ثقفی آن پہنچا۔ اس کے ہمراہ ایک ہی خط تھا اور وہ تھا شہید بن ربیع، حجار بن ابجر، یزید بن حارث، عزرہ بن قیس عمرو بن حجاج اور محمد بن عبید بن عطار کی طرف سے۔ یہ سبھی افراد کوفہ کے روسا میں سے تھے۔ غرضیکہ کئی روز تک اہل کوفہ کے قاصد پے پے پہنچتے رہے حتیٰ کہ حضرت حسین نے چھٹیوں سے خرجیاں بھر لیں۔ آخر حسین نے ان سب کے نام ایک چٹھی تحریر کی اور ہانی بن ہانی اور سعید بن عبداللہ کے سپرد کر دی۔ مضمون یہ تھا "بسم اللہ الرحمن الرحیم: حسین بن علیؑ کی طرف سے اس کے ہر کوئی

شیعہ اور دوست کے نام جس تک یہ خط پہنچے۔ اما بعد! مجھے آپ کے خطوط مل گئے ہیں اور مجھ پر واضح ہو گیا ہے کہ آپ اس امر کے سقد مشتاق ہیں کہ میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں۔ لہذا میں مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں جو میرا بھائی، میرا ابن عم اور میرے کنبے کے معتمد افراد میں سے ہے تاکہ وہ میری طرف سے آپ کا احوال معلوم کرے اور آپ کی جمعیت کے بارے میں جو کچھ معلوم ہو اس سے مجھے آگاہ کرے۔ اگر حقیقت حال ویسی ہی ہے جیسی آپ کے خطوط سے ظاہر ہے اور جس طرح آپ سے قاصدوں نے بیان کی ہے تو پھر میں جلد از جلد آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ انشاء اللہ والسلام۔“

مسلم بن عقیل بھی مدینے سے حضرت حسینؑ کی معیت میں مکے چلے آئے تھے۔ حضرت حسینؑ نے ان سے کہا ”اے میرے ابن عم! میری صلاح یہ ہے کہ آپ کو فوج جائیں اور دیکھیں کہ ان لوگوں کا اتفاق رائے کس امر پر ہے، اگر ان کا موقف وہی ہے جو ان کی چھٹیوں سے ظاہر ہو رہا ہے تو مجھے فوراً خط لکھنا۔ میں بسرعت تمام تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا، اگر صورت حال کچھ اور ہو تو پھر جلد از جلد واپس چلے آنا۔“ یہ حکم پا کر مسلم نے راہ مدینہ اختیار کی تاکہ اپنے اہل و عیال سے ملتے جائیں، پھر وہاں سے دور ہجرت پر ہمراہ لیے جن کا تعلق بنو قیس سے تھا اور کوفے کی طرف روانہ ہو پڑے مگر ایک رات دونوں راہبر راستہ بھول گئے۔ صبح ہوئی تو دونوں تھکاوٹ سے چور تھے۔ گرمی اور پیاس سے حالت غیر ہو رہی تھی۔ مزید چلنے کی قطعاً ہمت باقی نہ رہی تاہم انہوں نے مسلم سے کہا ”آپ اس رخ چلتے رہیں ممکن ہے بچ نکلیں۔“

چنانچہ مسلم اور ان کے ہمراہی خدام نے راہبروں کو وہیں چھوڑ دیا، ان میں

جان کی محض رمت ہی باقی رہ گئی تھی خود چلتے رہے تاکہ ایک راستے پر جائے اور پھر اس راستے سے ہرگز ادھر ادھر نہ ہوئے۔ آخر ایک چشمے پر پہنچ گئے وہاں مسلم نے پڑاؤ کیا۔ اب مسلم نے اس چشمے کے مالگوں سے اجرت پر ایک قاصد حاصل کیا۔ ایک خط حسینؑ کے نام لکھ کر اس قاصد کے ہاتھ ارسال کیا۔ جس میں اپنا حال اور دونوں راہبروں کا ماجرا قلمبند کرنے کے علاوہ یہ بھی لکھا دیگر کس کس مشقت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ ساتھ ہی اس امر سے بھی آگاہ کیا کہ میں جس مقصد کی خاطر روبرو ہوں اس کے بارے میں بدشگونی کا احساس ہو رہا ہے۔ لہذا تمہیں ہوں کہ مجھے معاف فرمائیں اور کسی دوسرے شخص کو اس کام پر بھیج دیں۔ یہ بھی قلمبند کیا کہ میں اس وقت وادی حریت میں فلاں مقام پر قیام زان ہوں۔“

قاصد روانہ ہوا اور مکے میں پہنچا۔ خط حضرت حسینؑ کے سپرد کر دیا۔ انہوں نے خط پڑھا اور جواباً تحریر کیا ”اما بعد! میرا گمان یہ ہے کہ تم پر بزدلی مسلط ہے اور وہ تمہیں اس مقصد کے حصول سے روک رہی ہے جس کی خاطر میں نے تمہیں روانہ کیا تھا۔ معافی نہیں مل سکتی۔ میں نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کے لیے چل دو۔ والسلام۔“

مسلم کوفے میں

بہر حال مسلم رخصت ہوئے اور کوفے میں پہنچ کر ایک مکانی میں جسے خانہ مختار بن ابی عبیدہ کہتے تھے اور جسے آجکل خانہ مسیب کے نام سے جانا جاتا ہے، مقیم ہو گئے۔

شیعہ حضرات ان کے پاس آتے اور وہ انہیں حضرت حسینؑ کے خط پڑھ کر سنا

دیتے۔ ہوتے ہوتے کوفے میں ان کی آمد کا راز فاش ہو گیا۔ وہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو بھی علم ہو گیا۔ مگر اس نے کہا ”میں تو اسی سے لڑوں گا جو میرے ساتھ لڑے گا اور اسی پر حملہ کروں گا جو مجھ پر حملہ آور ہوگا۔ محض ظن و گمان کی بنا پر کسی کو کیوں پکڑ لوں۔ ہاں جس کا جرم واضح ہو گیا اور پتہ چل گیا کہ اس نے بیعت تو زردی ہے تو پھر جب تک میرے ہاتھ میں دستہ رہے میں اس پر تلوار کے وار کرتا چلا جاؤں گا، خواہ میں بالکل اکیلا ہی کیوں نہ ہوں۔“ نعمان بن بشیر عافیت پسند اور امن دوست شخص تھا۔

مگر مسلم بن سعید حضری اور عمار بن عقبہ نے جو یزید بن معاویہ کے چاسوس تھے یزید کو مسلم بن عقیل کے کوفے میں آنے اور حسین بن علیؑ کی خاطر تبلیغ کرنے کی اطلاع تحریر کر بھیجی۔ یہ بھی لکھ بھیجا کہ مسلم بن عقیل نے اس کے خلاف لوگوں کے دلوں میں زہر ڈال دیا ہے۔ لہذا اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کا اقتدار قائم رہے تو کسی ایسے شخص کو کوفے کی حکومت پر مامور کرے جو اس کے احکام کو نافذ کر سکے اور اس کے دشمن کے ساتھ وہی برتاؤ کر سکے جو وہ خود کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ نعمان کمزور آدمی ہے۔ یا یہ کہ کمزور بن رہا ہے۔۔۔۔۔ والسلام۔“

جب یزید کو یہ خط ملا تو اس نے ایک فرمان لکھوایا جس کی رو سے عبید اللہ کو کوفے گورنر بنادیا اور اسے حکم دیا کہ وہ فوراً کوفے کی راہ لے اور مسلم بن عقیل کو اس طرح تلاش کرے جس طرح کوئی گراں بہا شے تلاش کی جاتی ہے۔ ڈھونڈھے بغیر ہر گز دم نہ لے۔ پھر خواہ اسے قتل کر دے خواہ کوفہ و بصرہ سے نکال باہر کرے۔۔۔۔۔ یہ خط اس نے مسلم بن عمرو باہلی کے سپرد کیا جو قتیہ بن مسلم کا والد تھا اور اسے حکم دیا کہ ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ مسلم بن عمرو چلا اور بصرہ میں پہنچنے کے فرمان عبید اللہ

بن زیاد کے حوالے کر دیا۔

اسی زمانے میں حسین بن علیؑ نے ایک خط اپنے بھری شیعوں کی طرف اپنے مولیٰ مسلم بن سلیمان کے ہاتھ بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حسین بن علیؑ کی طرف سے، لک بن مسیع، اخف بن قیس، منذر بن جارد، مسعود بن عمرو اور قیس بن ہشیم کے نام، سلام علیکم۔ اما بعد! بے شک میں آپ لوگوں کو حق کی نشانیوں کے احیا اور بدعتوں کے قلع قمع کی دعوت دیتا ہوں۔ اگر میری دعوت قبول کر لو گے تو ہدایت کی راہ پا لو گے۔ والسلام۔“ جب ان کے پاس یہ خط پہنچا تو ہر ایک نے چھپا رکھا، سوا منذر بن جارد کے، اس نے راز فاش کر دیا اس لیے کہ اس نے اپنی بیٹی ہند کو عبید اللہ بن زیاد سے بیاہ دیا تھا۔ بہر حال وہ اس خط کو لیے عبید اللہ سے ملا اور اسے خط کے مضمون سے آگاہ کیا۔ عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا کہ قاصد کو ڈھونڈا جائے چنانچہ اسے ڈھونڈ نکالا گیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

پھر وہ بڑھ کر بڑی مسجد میں داخل ہو گیا اور کہا ”قارہ کے ساتھ تیر اندازی کا مقابلہ کرنے والے نے قارہ کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اے بصرے والو! امیر المؤمنین نے مجھے بصرے کے ساتھ کوفے کی حکومت بھی دے دی ہے لہذا میں کوفے جا رہا ہوں یہاں میں اپنے بھائی عثمان بن زیاد کو آپ کا حاکم بنا چلا ہوں۔ خبردار، مخالفت و سرکشی پر کمر نہ باندھنا ورنہ مجھے قسم ہے اس خدا کی جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں اگر مجھے یہ اطلاع ملی کہ تم میں سے کسی نے مخالفت کی ہے یا سرکشی اختیار کی ہے تو اسے بھی اور اس کے ولی کو بھی تہ تیغ کر دوں گا۔ میں دور والے کے بدلے نزدیک

والے کو پکڑ لوں گا۔ بیمار کے بدلے تندرست کو دھروں گا تا آنکہ تم لوگ سیدھے ہو جاؤ گے۔ جس نے تنبیہ کر دی اس کی طرف سے اتمام حجت ہوگئی۔ یہ کہ کر منبر سے اتر اور چل دیا۔

عبید اللہ کے ہمراہ بصرے کے اکابر میں سے شریک بن اعمور اور منذر بن جارود تھے۔ عبید اللہ کوچ کرتا ہوا کوفہ میں جا پہنچا۔ اس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا تھا۔

اُھر اہل کوفہ چونکہ حضرت حسین بن علیؑ کی آمد کے منتظر تھے، لہذا وہ جس ٹولے کے پاس سے گزرتا ٹولے والے جانتے کہ یہ حسین بن علیؑ ہیں لہذا احتراماً کھڑے ہو جاتے اور دعا گو انداز میں کہتے ”مرحباے ابن رسول، آپ کا آنا مبارک ہو۔“

اس طرح ابن زیاد نے دیکھ لیا کہ اہل کوفہ حسینؑ کا استقبال کس خوشی سے کرنے والے تھے۔ یہ بات اس کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی۔ بہر حال وہ بڑی مسجد میں جا کے داخل ہو گیا۔ لوگوں میں منادی کر دادی گئی۔ جب لوگ جمع ہو گئے تو عبید اللہ بن زیاد منبر پر چڑھا۔ حمد و ثنائے الہی بیان کی اور پھر کہا ”اے اہل کوفہ امیر المؤمنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم مقرر دیا ہے اور تمہارا مال غنیمت تمہیں میں تقسیم کر دیا۔ مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مظلوم کے ساتھ انصاف کراؤں اور تم میں سے جو جو اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرے اس سے نیک برتاؤ کروں اور جو سرکش اور اشتباہ پرداز ہو اس پر سختی کروں۔ میں اس ضمن میں امیر المؤمنین کے حکم کی مکمل تعمیل کروں گا۔ جو تم میں سے مطیع ہوگا میں اس کے حق میں باپ کی طرح شفیق ہوں گا۔ جو تم میں سے

مناافت کی راہ پر گامزن ہوگا اس کے لیے سم قاتل ثابت ہوں گا۔ لہذا تم میں سے ہر ایک کو اپنی ذات کا ذمہ دار ہونا چاہیے۔

یہ کہ کہ منبر سے اتر کر محل میں آیا اور ڈیرہ جمادیا۔ ساتھ ہی نعمان بن بشیر اپنے وطن کی طرف جو شام تھا لوٹ گیا۔ مسلم بن عقیل کو بھی عبید اللہ کی آمد اور نعمان کی واپسی کا علم ہو گیا۔ یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس نے کیا خطبہ دیا ہے اور کیسی تنبیہ کی ہے۔ چنانچہ انہیں جان کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ جب رات کا تہائی حصہ گزر گیا تو وہ اس گھر سے نکلے جہاں مقیم تھے اور بانی بن ورقہ مدحی کے در پر پہنچے۔ بانی کوفہ کے اکابر میں سے تھا۔ مسلم اس کے مکان کی ڈیوڑھی میں داخل ہو گئے اور پھر بانی کی طرف پیغام بھیجا کہ باہر آئیں۔ وہ اس وقت مکان کے زنانے حصے میں تھا۔ پیغام پا کر باہر آ گیا۔ مسلم نے اُنھ کو سلام کیا اور کہا میں آپ کے یہاں اس لیے آیا ہوں کہ آپ مجھے پناہ دیں اور میری میزبانی کریں۔ جو ابابانی نے کہا ”آپ نے اس معاملے میں مجھ پر بے حد بار ڈال دیا ہے اور اگر آپ میرے گھر میں داخل نہ ہو چکے ہوتے تو میں ضرور چاہتا کہ میرے یہاں سے چلے جائیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اب مجھ پر ذمہ داری آن پڑی ہے اس لیے کہ آپ میرے گھر میں داخل ہو چکے ہیں۔“

بہر حال بانی نے انہیں اپنی محل سرائے میں داخل کر لیا اور اس کا ایک پہلو ان کے لیے مخصوص کر دیا۔ اب شیعہ حضرات نے مسلم کے پاس بانی کے گھر میں آنا جانا شروع کر دیا۔

بانی بن عروہ بھی شریک بن اعمور بصری کے ساتھ رابطہ قائم رکھے ہوئے تھا۔

شریک وہی جس نے ابن زیاد کے ہمراہ کوچ کیا تھا وہ بصرے میں بڑی عزت و احترام

کا مالک تھا۔ چنانچہ بانی اس کے ڈیرے پر گیا اور اپنے ساتھ اپنے مکان پر لا کے اس کمرے میں ٹھہرا دیا جہاں مسلم ٹھہرے ہوئے تھے۔

شریک بصرے کے اکابر شیعہ میں سے تھا اور وہ بانی کو مسلم کے موقف کی تائید پر ابھارتا رہتا تھا۔ ادھر مسلم بھی ہر کوئی سے جو ان کے پاس آتا اس سے بیعت لیتے اور ان سے منہمک و پائدار عہد و پیمان وفا لے لیتے۔ اسی اثنا میں شریک بن اعور، بانی بن مہر کے گھر میں یہ ہو گیا اور بیماری نے شدت اختیار کر لی۔ جب یہ خبر عبید اللہ کو ملی تو اس نے بانی بن مہر کو اطلاع دی کہ وہ شریک کی عیادت کے لیے آ رہا ہے۔

چنانچہ شریک نے سم بن عقیل سے کہا ”تمہارا اور تمہارے حامیوں کا مقصد بیشک یہی ہے کہ اس گردن ش کو ہلاک کر ڈالا جائے۔ اب خدا نے تمہیں اس امر پر قادر کر دیا ہے۔ وہ میرے پاس عیادت کے لیے آ رہا ہے۔ لہذا اٹھ کر سامان والے کمرے میں ٹھس جائیں اور جب وہ بے فکر ہو کر میرے پاس بیٹھ جائے تو آپ نکل کر اسے قتل کر دیں اور پھر قصر امارت میں جا کر مقیم ہو جائیں، وہاں آپ سے کوئی تنازع کرنے والا نہ ہوگا اور اگر خدا نے مجھے صحت عطا کی تو میں بصرے جاؤں گا اور وہاں آپ کی طرف سے کافی ہور ہوں گا۔ لہذا اصل بصرہ آپ کی بیعت کر لیں گے۔

اس پر بانی بن عروہ نے کہا ”میں پسند نہیں کرتا کہ ابن زیاد میرے گھر میں مارا جائے۔“

شریک نے کہا ”مگر کیوں؟ خدا کی قسم اس کا قتل تو قرب الہی کا موجب ہے“

ازاں بعد شریک نے مسلم سے کہا ”کچھ بھی ہو اس معاملے میں کوتاہی نہ کریں۔“

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ انہیں بتایا گیا ”امیر دروازے پر آیا کھڑا ہے۔“

اس پر مسلم بن عقیل سامان والے کمرے میں داخل ہو گئے اور عبید اللہ بن زیاد شریک کے پاس چلا آیا۔ آ کے سلام علیکم کہا اور پوچھا ”تمہیں کیا بیماری ہے۔ کس تکلیف میں مبتلا ہو؟“

جب عبید اللہ کو شریک کی پرسش کرتے دیر ہو گئی تو شریک کو احساس ہوا کہ مسلم ہلدی سے کام نہیں لے رہے لہذا اس نے مسلم کو سنا کر کہنا شروع کیا۔

مَا تَنْظُرُونَ بِسُلْمَىٰ عِنْدَ فُرْصَتِهَا
فَقَدْ وَفَىٰ وَذَهَبَ وَاسْتَسْوَقَ الصَّرْمُ

اسلمی کو فراغت حاصل ہے اب اس کے بارے میں تم کس کا انتظار کر رہے ہو۔ اس کی دوستی کا حق ادا ہو گیا اور لوگوں نے موقع سے فائدہ اٹھا لیا۔

اب جو وہ بار بار یہی شعر پڑھنے لگا تو ابن زیاد نے بانی سے پوچھا ”شریک کو حذیان تو نہیں ہو گیا؟“

بانی نے جواب دیا ”خدا امیر کا بھدا کرے وہ صبح سے اسی عالم میں ہے۔“

ازاں بعد عبید اللہ رخصت ہو گیا اور مسلم بن عقیل سامان کے کمرے سے نکل آئے۔ شریک نے ان سے کہا ”مخلص بزدلی اور کمزوری نے تمہارا ہاتھ روک رکھا۔“

مسلم نے جواب دیا ”مجھے دو باتوں نے اس کے قتل سے روکا۔ ایک یہ کہ بانی کو اپنے گھر میں اس کا قتل پسند نہ تھا، دوسرے یہ کہ رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے ”ایمان چھپ کر حملہ کرنے سے روکتا ہے۔ مومن چھپ کر حملہ نہیں کرتا۔“

اس پر شریک نے کہا ”خدا کی قسم اگر آپ اسے قتل کر دیتے تو آپ کا کام

سیدھا ہو جاتا اور آپ کے اقتدار کی راہ صاف ہو جاتی۔

شریک اس واقعے کے بعد چند ہی روز زندہ رہ کر الہی عدم ہوا۔

ابن زیاد نہ صرف یہ کہ اس کے جنازے سے ساتھ ساتھ رہا بلکہ نماز بھی اسی نے پڑھائی۔

تاہم مسلم بن عقیل اہل کوفہ سے بیعت لیتے چلے گئے تاکہ اندازہ اندر رفتہ تقریباً اٹھارہ ہزار کوفیوں نے ان کی بیعت کر لی۔ مگر عبید اللہ کی نگاہوں سے مسلم بن عقیل کا ٹھکانہ بدستور پوشیدہ رہا۔ آخر ایک روز اس نے اپنے ایک شامی آزاد کردہ غلام مسمیٰ معقل کو تین ہزار درہم کی ایک تھیلی دے کر کہا ”یہ لے اور جا کے مسلم بن عقیل کی جستجو کر، اس کی خاطر جہاں تک جانا پڑے جا“۔

وہ شخص رخصت ہو کر بڑی مسجد میں پہنچا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس معاملے سے کیونکر بنے۔ اچانک اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ لگا بڑی طول طویل نمازیں پڑھ رہا ہے۔ لہذا اس نے اپنے دل سے کہا ”شیعہ لوگ نمازیں بہت پڑھتے ہیں میرا خیال ہے یہ بھی انہیں میں سے ہوگا“۔

معقل یہ سوچ کر بیٹھ رہا جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اٹھ کے اس کے قریب جا پہنچا اور کہا ”میں آپ کے قربان، میں شام کا رہنے والا ہوں اور بنو ذی کلاء کا مولیٰ ہوں۔ اللہ نے مجھ پر بڑا کرم کیا ہے کہ مجھے حب اہل بیت رسول سے نوازا ہے۔ یہی نہیں ہر اس شخص کی محبت سے نوازا ہے۔ جو اہل بیت کا محبت ہے۔ میرے پاس یہ تین ہزار درہم ہیں اور میں یہ رقم انہی میں سے کسی فرد تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ اسی شہر میں حسین بن علیؑ کے کوئی داعی آئے ہوئے ہیں کیا آپ ان تک میری

راہبری کر سکتے ہیں تاکہ میں یہ مال ان کی نذر کر دوں تاکہ وہ اسے اپنی ضروریات کے ضمن میں خرچ کرنے کے علاوہ اپنے شیعوں میں حسب منشا بانٹ دے۔

اس شخص نے کہا ”مسجد میں دوسرے لوگ بھی تو موجود ہیں تم نے یہ بات مجھ سے کیوں پوچھی؟“ جواب دیا ”یہ اس لیے کہ مجھے آپ میں خیر کے آثار نظر آئے۔ مجھے توقع تھی کہ آپ یقیناً اہل بیت رسول کے دوستداروں میں سے ہیں۔“

اس شخص نے کہا ”خوب ہے صاحب۔ تمہارا اندازہ بالکل درست ہے۔ میں تمہارے ہی بھائیوں میں سے ہوں۔ میرا نام مسلم بن عویض ہے۔ مجھے تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ تمہاری ملاقات سے قبل میرا اندیشہ مجھے دکھ دے رہا تھا۔ میں شیعیان اہل بیت رسول میں سے ہوں اور اس مرد گردن کش عبید اللہ بن زیاد سے خائف تھا۔ بہر حال خدا کو حاضر و ناظر جان کر میرے ساتھ عہد و پیمان کرو کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتاؤ گے۔ معقل نے اس شخص کے ساتھ حسب دلخواہ وعدے کیے اور قسمیں کھائیں۔

اس پر مسلم بن عویض نے کہا ”آج تم واپس چلے جاؤ کل میرے گھر آنا۔ وہاں سے ہم دونوں اپنے بادی یعنی مسلم بن عقیل کے یہاں چلیں گے اور میں تمہیں ان سے ملا دوں گا“۔

معقل چلا گیا۔ رات بسر کی اور صبح سویرے اٹھ کے مسلم بن عویض سے اس کے گھر میں جا ملا۔ وہ اسے لے کر چل دیا اور پھر مسلم بن عقیل کے یہاں پہنچا کر اس کا ماجرایان کیا۔ معقل نے وہ مال مسلم بن عقیل کے حوالے کر دیا اور ان کے ہاتھ بیعت کر لی۔

اب وہ شامی مسلم بن عقیل کے یہاں آنے جانے لگ پڑا۔ اس سے کوئی پروا نہ رکھا جاتا تھا۔ وہ دن دن بھرائی کے پاس رہتا۔

لہذا ایک ایک بات سے بخوبی آگاہ ہو گیا۔ رات کو روزانہ وہ عبید اللہ سے ملتا اور ساری کہانی سناتا۔ جو کچھ یہ لوگ کہتے اور کرتے تھے بیان کر دیتا۔ ظاہر ہے کہ اسے یہ بھی بتا دیا کہ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ کے گھر میں روپوش ہیں۔

اب ہوا یہ کہ ایک روز ابن اشعث اور اسماء بن خارجہ، ابن زیاد کے پاس آئے اور سلام عرض کیا۔ عبید اللہ نے ان سے کہا "یہ ہانی بن عروہ نے کیا کر رکھا ہے۔" وہ دونوں بولے "اے امیر! وہ تو کئی روز سے خلیل ہے۔"

ابن زیاد نے کہا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ مجھے بتایا گیا ہے وہ دن کا بیشتر حصہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا ہوتا ہے۔ پھر ہمارے پاس حاضر ہونے اور عرض تسلیمات کا فرض بجالانے میں کوئی شے مانع ہے؟" وہ دونوں کہنے لگے "ہم اسے بتا دیں گے اور اس امر سے بھی آگاہ کر دیں گے کہ آپ اس کی طویل غیر حاضری کو محسوس کر رہے ہیں۔"

وہ دونوں رخصت ہو کر ہانی بن عروہ کے یہاں گئے اور ان سے اس کے بارے میں جو کچھ ابن زیاد نے کہا تھا کہ سنایا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ہم تمہیں قسم دے کے کہتے ہیں کہ ابھی ہمارے ساتھ چلو اور ابن زیاد سے مل کے اس کے دل سے کینہ و کدورت کو دور کر دو۔ اس پر ہانی نے سواری طلب کی۔ سوار ہوا اور ان کے ہمراہ چل دیا۔ مگر جب قصر امارت کے قریب پہنچا تو اس کے دل میں میل آ گیا اور کہنے لگا "میرے دل میں اس شخص کی جانب سے خوف و خدشہ جاگزیں ہے۔ وہ بولے "تمہارا

دل تمہیں خوف کیوں بھاتا ہے۔ تم تو بالکل بے خطا شخص ہو۔"

بہر حال وہ ان کے ہمراہ رواں رہا۔ تا آنکہ ابن زیاد کے روبرو پہنچ گیا۔ ابن زیاد نے اسے دیکھتے ہی بطور تمثیل یہ شعر بار بار پڑھنا شروع کر دیا۔

أُرِيدُ حِمْسَاتَهُ وَيُرِيدُ قَتْلِي

عَزِيْرَكَ مِنْ خَلِيْلِكَ مِنْ مُرَادٍ

۱۔ میں اس کی زندگی کا طالب ہوں اور وہ میرے قتل کا۔ تم بنو مراد سے تعلق رکھنے والے اس دوست کا کوئی عذر خواہ تو لاؤ۔

ہانی نے کہا "اے امیر اس کے کیا معنی!"

ابن زیاد بولا "اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ مسلم بن عقیل تیرے یہاں پہنچا تو نے اسے اپنے گھر میں پناہ دی اور لوگوں کو اکٹھا کیا تا کہ اس کی بیعت کر لیں۔"

ہانی نے کہا "نہ میں نے ایسا کیا اور نہ کسی ایسی شے سے آگاہ ہوں۔"

اس پر ابن زیاد نے غلام سے کہا کہ معقل کو میرے پاس بلا لاؤ۔ معقل حاضر ہو گیا۔

اب ابن زیاد نے ہانی بن عروہ سے کہا "اسے پہنچاتے ہو؟"

معقل کو دیکھا تو ہانی جان گیا کہ وہ اس کے یہاں ابن زیاد کے لیے جاسوسی کر رہا تھا۔ بولا "اے امیر خدا کی قسم آپ کی خدمت میں سچ سچ عرض کیے گئے ہوں۔"

خدا کی قسم میں نے مسلم بن عقیل کو نہیں بلایا تھا اور نہ ایسا کوئی خیال ہی تھا۔ اور پھر اس نے ساری داستان جوں کی توں کہ سنائی۔ آخر میں عرض کیا "اب میں مسلم کو اپنے گھر

سے نکال دیتا ہوں جہاں ان کا جی چاہے گا چلے جائیں گے۔ میں آپ سے پختہ وعدہ کرتا ہوں وہ (انہیں گھر سے نکال کر) آپ کے پاس واپس آ جاؤں گا۔"

ابن زیاد نے کہا ”میں خدا کی قسم، فقط اس شرط پر چا سکتے ہو کہ اُسے میرے پاس لے آؤ۔“

ہانی نے جواب دیا ”یا مجھے زیب دیتا ہے کہ میں اپنے مہمان اور پناہ گزین و ہلاکت کے حوالے کر دوں۔ خدا کی قسم یہ تو میں کبھی نہ کروں گا۔“

مگر ابن زیاد نے اس کو بات مکمل نہ کرنے دی اور بید اس کے منہ پر کھنچ مارا۔ جس سے ناک اس کی پچک گئی۔ ہانسائوٹ گیا اور پھر حکم دیا کہ اسے ایک کمرے میں بند کر دیا جائے۔

بنو ندج کو پتہ چلا کہ ابن زیاد نے ہانی کو قتل کر دیا ہے۔ لہذا انہوں نے قصر امارت کے دروازے پر جمع ہو کر نعرے لگانے شروع کر دیے۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد نے مسکی شریع سے جو وہیں بیٹھے تھے کہا ”آپ ان کے آدمی (ہانی) کے پاس جائیں۔ اسے دیکھ لیں اور ان لوگوں کے رو برو لے جا کر بتادیں کہ وہ زندہ ہے۔“

قاضی شریع نے اسی طرح کیا۔

یہ دیکھ کر ان کے رئیس عمرو بن حجاج نے ان سے کہا ”جب تمہارا آدمی زندہ و سلامت ہے تو تم فتنہ انگیزی میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ واپس چلے جاؤ“ چنانچہ وہ لوگ واپس چلے گئے۔

جب ابن زیاد کو ان لوگوں کے واپس چلے جانے کا علم ہوا تو حکم دیا کہ ہانی کو بازار میں لے جا کر اس کی گردن مار دی جائے۔

ادھر مسلم بن عقیل کو بھی ہانی بن عروہ کے مارے جانے کی اطلاع مل گئی۔ لہذا انہوں نے ان سب افراد کو جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی بلوایا اور جب وہ

سب اکٹھے ہو گئے تو عبدالرحمن بن کریم کندی کو ہنوکندہ و ربیعہ کا، مسلم بن عویضہ کو بنو ندج اور بنو اسد کا، ابو ثمامہ صیداوی کو بنو تمیم اور حمدان کا، عباس بن جعدہ بن صیرہ کو قریش اور انصار کا قائد مقرر کر دیا اور پھر سب نے بڑھ کر قصر امارت کا محاصرہ کر لیا۔ خود مسلم بن عقیل باقی ماندہ لوگوں کے ہمراہ پیچھے پیچھے تھے۔

ابن زیاد اپنے دو سو حاضرین مجلس سمیت جو اس روز وہاں موجود تھے اور جن میں کوفے کے اکابر و اعوان اور پولیس افسر شامل تھے قلعہ بند ہو گیا۔ پھر وہ لوگ فصیل پر جا کھڑے ہوئے۔ محاصرین پر ٹکیے سینگوں والے بھالے اور تیر برسائے لگے۔ اس طرح انہیں یہ مہلت نہ دی کہ وہ قصر کے قریب آسکیں۔ اسی عالم میں رات پڑ گئی۔

اب عبید اللہ بن زیاد نے ان اکابر کو فہ سے جو اس کے یہاں موجود تھے کہا ”تم میں سے ہر ایک دیوار قصر پر سے جھانک کر اپنی اپنی قوم کو (انجام کار سے) متنبہ کر دے اور خوف دلائے۔“

چنانچہ شیر بن شہاب، محمد اشعث، قعقاع شوقرہیٹ بن ربیعہ حجار بن ابجر اور شمر بن ذی جوشن نے فصیل پر سے جھانکا اور لاکار کے کہا ”اے اصل کوفہ خدا سے ڈرو۔ فتنہ انگیزی میں جلد بازی سے کام نہ لو، قومی اتحاد کو پارہ پارہ مت کرو اور شامی رسالوں کو یہ دعوت مت دو کہ وہ تم پر چڑھ دوڑیں، تم ان کے ہاتھوں کا مڑا کچھ چکے ہو اور ان کی قوت آزما چکے ہو۔“

جب مسلم بن عقیل کے ساتھیوں نے یہ گفتگو سنی تو کسی قدر ڈھیلے پڑ گئے۔

اب ہوا یہ کہ کوئی مرد اپنے بھائی کے پاس آتا، کوئی بیٹے یا عم زاد کے پاس اور کہتا ”تم چلو واپس، دوسرے جو اتنے لوگ موجود ہیں تمہاری کیا ضرورت ہے۔ اسی

طرح کوئی کوئی عورت آتی اور آ کے اپنے بیٹے خاوند یا بھائی سے چٹ جاتی اور اس وقت تک نہ چھوڑتی جب تک وہ واپس نہ چلا جاتا۔ آخر جب مسلم نے نماز عشا پڑھی تو ان کے ہمراہ بمشکل تیس آدمی رہ گئے تھے۔

جب مسلم نے یہ عالم دیکھا تو پاپیادہ واپس ہو چلے باقی ساتھی بھی پاپیادہ ساتھ تھے۔ سبھی نے ہوکنده کے محلے کا رخ کیا، ذرا دیر بعد مسلم نے مڑ کر دیکھا تو ان میں سے کسی کو بھی نہ پایا، کوئی ایک بھی نہ تھا جو راہ ہی بتاتا، چنانچہ وہ رات بھر نامک ٹوئیاں مارتے رہے اور آخر ہوکنده کے یہاں جا پہنچے۔

وہاں دیکھا تو ایک عورت اپنے بیٹے کے انتظار میں اپنے گھر کے دروازے پر کھڑی تھی۔ یہ عورت ان لوگوں میں سے تھی جو مسلم کے ہمراہ لڑنے نکلے تھے چنانچہ اس نے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے دی۔ مگر جب اس کا بیٹا آیا تو اس نے پوچھا ”یہ گھر میں کون ہے؟“ عورت نے اسے حقیقت حال سے آگاہ کیا اور حکم دیا کہ اس بات کو راز ہی میں رکھنا۔

ادھر ابن زیاد نے جب آوازیں نہ سنیں تو گمان کیا کہ وہ لوگ مسجد میں داخل ہو گئے لہذا کہا ”دیکھو تو کوئی مسجد میں نظر آتا ہے؟“ مسجد قصر امارت کے پہلو میں تھی۔ دیکھا گیا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ اب انہوں نے گنے کی جڑیں جلا جلا کر صحن مسجد میں پھینکیں شروع کیں تاکہ روشنی ہو، روشنی ہوئی تو دیکھا کہ وہاں کوئی بھی نہیں۔ اس پر ابن زیاد نے کہا ”وہ لوگ رخصت ہو گئے۔ مسلم کو اکیلے چھوڑ دیا اور لوٹ گئے۔“

اب زیاد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نکل کر مسجد میں جا بیٹھا۔ قندیلی لا کے وہاں

رکھ دی گئیں اور منادی والے کو حکم دیا کہ کوفے میں یہ منادی کر دے کہ شہر کے سربراہوں، پولیس والوں اور چوکیداروں کے سوا باقی جو لوگ مسجد میں حاضر نہ ہوں گے میں ان کا زہ دار نہ ہوں گا۔“

جب لوگ اکٹھے ہو گئے تو ابن زیاد نے کہا ”اے حصین بن نمیر۔ اور وہ کوفہ کا کوئوال تھا۔ تیری ماں تیرا ماتم کرے اگر کوفے کی گھیبوں کا کوئی دروازہ بھی دیکھے بغیر رہ جائے۔ صبح ہوتے ہی تمام گھروں کی تلاشی لے، ایک ایک گھر دیکھ ڈال تا آنکہ اُسے دھونڈ نکال۔ اس کے بعد ابن زیاد نے مسجد میں نماز عشا پڑھائی اور واپس قصر میں چلا گیا۔

جب صبح ہوئی تو اس نے مجلس منعقد کی، لوگ اس کے پاس پہنچنے لگے۔ سب سے اول پہنچنے والوں میں محمد بن اشعث تھا۔ ابن زیاد نے اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا۔

اسنے میں اس عورت کا بیٹا جس کے گھر میں مسلم موجود تھا عبدالرحمن بن محمد بن اشعث کے پاس آیا۔ وہ اس زمانے میں ابھی نوخیز تھا اور بتا دیا کہ مسلم اس کے یہاں ہے۔ عبدالرحمن اُنھ کے باپ کے پاس گیا جو ابن زیاد کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس کے کان میں یہ بات کہ دی۔ ابن زیاد نے اس سے پوچھا ”تمہارے بیٹے نے کیا سرکشی کی ہے؟“ وہ بولا کہ اس نے بتایا ہے کہ مسلم بن عقیل ہمارے ہی گھروں میں سے ایک گھر میں مقیم ہے۔

ابن زیاد نے کہا ”جاؤ اور اسے ابھی میرے پاس لے آؤ۔“ ساتھ ہی عبید بن حریث سے کہا کہ سو قریشی مرد روانہ کر دو۔ اسے یہ بات پسند نہ تھی کہ مسلم کی طرف

قریش کے علاوہ کسی اور قبیلے کے اشخاص کو روانہ کرے اس لیے کہ عصیت کی آگ بھڑک اٹھنے کا اندیشہ تھا۔

بہر حال وہ لوگ اس گھر میں جا پہنچے جہاں مسلم پوشیدہ تھے۔ دروازہ کھول لیا۔ مسلم نے مقابلہ کیا۔ مقابلہ میں ان کا جبر انوٹ گیا۔ پھر انہیں گرفتار کر لیا گیا اور ایک گھوڑے پر سوار کر کے ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا گیا۔

مسلم بن عقیل کا قتل

جب وہ عبید اللہ کے رو برو پہنچے تو سپاہی جوان کے دائیں بائیں تھے کہنے لگے "امیر کی خدمت میں سلام عرض کرو"۔ مسلم نے جواب دیا "اگر امیر میرے قتل کا ارادہ کیسے بیٹھا ہے تو میرا اسے سلام کرنا بے سود ہے اور اگر وہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تو پھر بارہا سلام کے مواقع ملیں گے۔"

ابن زیاد نے کہا "گویا تمہیں توقع ہے کہ حق جاؤ گے؟"

مسلم نے جواب دیا "اگر تم میرے قتل پر تلے ہی بیٹھے ہو تو پھر اجازت دو کہ یہاں کسی ایسے شخص کو وصیت کر دوں جو میرا ہم قوم ہو"۔ ابن زیاد نے کہا "جو وصیت چاہو کرو"۔

مسلم نے مر بن سعد بن ابی وقاص پر نظر ڈالی اور بولے "ذرا مکان کے اس گوشے میں میرے ساتھ تنہائی میں بات کریں، مجھے آپ کو وصیت کرنا ہے، ان لوگوں میں میرا آپ سے زیادہ قریبی رشتہ دار کوئی نہیں"۔ چنانچہ عمر مسلم کے ساتھ گوشے میں چلا گیا۔ مسلم نے کہا "میری وصیت قبول کرو گے؟" عمر نے جواب دیا "ہاں"

مسلم نے کہا "میں یہاں تقریباً ایک ہزار دینار کا مقروض ہوں، تم میرا قرض ادا کر دینا، اور جب میں قتل کر دیا جاؤں تو تم میری نعش مانگ لینا، مبادا ابن زیاد اس کا مثلہ کرے، تیسرے یہ کہ حسین بن علی کے پاس اپنی جانب سے مقاصد روانہ کر دینا اور انہیں میرے احوال سے آگاہ کر دینا۔ بتا دینا کہ وہ جن لوگوں کو اپنا حامی گمان کرتے ہیں ان کی ننداری کا عالم کیا ہے، اس امر سے بھی مطلع کر دینا کہ اٹھارہ ہزار آدمیوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد پیٹھ پھیر لی۔ یہ اطلاع ضروری ہے تاکہ وہ حرم کی طرف لوٹ جائیں۔ وہیں اقامت گزریں رہیں اور اہل کوفہ کے فریب میں نہ آئیں۔"

بابت یہ تھی کہ مسلم بن عقیل حسین کے نام اس مضمون کا خط روانہ کر چکے تھے کہ جلد از جلد تشریف لے آئیں۔ عمر بن سعد نے کہا "مجھے تمہاری ہر بات قبول ہے، اور میں ہر بات کا ضامن ہوں۔ مگر عمر بن سعد عبید اللہ کے پاس گیا اور بتا دیا کہ اس کو کیا وصیت کی ہے۔ سن کے عبید اللہ نے کہا "تم نے اس کا راز فاش کر کے بُرا کیا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ تمہارے امانت دار ہی تمہارے ساتھ ننداری کرتے ہیں اور بارہا یوں بھی ہوتا ہے کہ غدار تمہیں اپنا امین بنا لیتے ہیں۔"

پھر ابن زیاد نے حکم دیا کہ مسلم کو قصر کی چھت پر چڑھا دیا جائے اور لوگوں کو دکھا دیا جائے۔ لوگ قصر کے دروازے پر جو میدان سے متعلق تھا کھڑے تھے، جب لوگ انہیں دیکھ چکے تو وہیں ان کی گردن مار دی گئی۔ سر نیچے میدان میں جا پڑا۔ جس شخص نے مسلم کو قتل کیا تھا وہ احمر بن بکیر تھا۔

پھر ابن زیاد نے دونوں کے سریزید کے پاس بھجوا دیے اور دونوں کے بارے میں مفصل اطلاع تحریر کر کے بھیج دی۔ جواباً یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ ہم نے تمہارے

بارے میں جو گمان کیا تھا وہ بے وجہ نہ تھا، تم نے جو کارروائی کی ہے وہ کوئی دور اندیش اور صاحب جرأت شخص ہی کر سکتا تھا۔ میں نے تمہارے دونوں قاصدوں سے روداد سنی، دونوں نے میرے سامنے بطریق احسن وضاحت کر دی، دونوں خیر خواہی اور بلند حوصلگی میں ویسے ہی ہیں جیسا کہ تم نے بیان کیا ہے، لہذا ان سے صلاح لیتے رہا کرو۔ مجھے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ حسین بن علیؑ کے سے نکل کر تمہارے علاقے کا رخ کرنے والے ہیں۔ ان پر جاسوس مقرر کرنے کے علاوہ تمام راستے میں اپنے بمصر اور نگران مامور کر دو۔ بہر حال جو کارروائی مناسب ہو وہ کرو، البتہ لڑنا اُسی سے جو لڑے، ہر روز کی اطلاع میرے پاس تحریر کر کے بھیجتے رہو۔“

ابن زیاد نے وہ دونوں سرہانی بن ابی حبیب ہمدانی اور زبیر بن ارجس تمیمی کے بدست بھیجے تھے، مسلم بن عقیل کا قتل ماہ ذوالحجہ کی تیسری تاریخ کو ۶۰ھ میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ امیر معاویہؓ نے بھی اسی سال وفات پائی تھی۔

حضرت حسینؑ کا کوچ کوفہ کی جانب

اسی روز (جس روز مسلم کوفہ میں قتل ہوئے) حسینؑ نے مکہ سے کوفہ کی جانب کوچ کیا۔ ادھر ابن زیاد نے حسین بن نمیر کو جو اس کی پولیس کا افسر اعلیٰ تھا چار ہزار کوئی سواروں کے ہمراہ روانہ کیا اور حکم دیا کہ وہ قادسیہ اور قطیف کے درمیان مقیم رہے اور کوفہ سے حجاز کی سمت جانے والے ہر شخص کو روک دے، البتہ وہ لوگ متنبی ہوں گے جو حج یا عمرہ کے لیے جا رہے ہوں یا وہ جن پر یہ الزام نہ ہو کہ وہ حسینؑ کے دوستداروں میں سے ہیں۔“

کہتے ہیں کہ مسلم بن عقیل کا خط جو حضرت حسینؑ کو ملا وہ یہ تھا ”پیش رو۔ قافلہ قافلے والوں سے جھوٹ نہیں کہتا، اٹھارہ ہزار کوئی مردوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے لہذا تشریف لے آئیں، یہ سب لوگ آپ کے حامی و ہواری ہیں۔ انہیں آل ابی سفیان سے کوئی ہمدردی نہیں۔“

جب یہ خط ملا تو انہوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ جب حضرت ابن عباسؓ کو پتہ چلا تو وہ آکے حسینؑ سے ملے اور کہا ”اے ابن عم! مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟“ حضرت حسینؑ نے جواب دیا ”ارادہ تو یہی ہے۔“

حسینؑ نے جواب دیا ”میں نے عزم کر لیا ہے کہ اب تو جانا ہی ہوگا۔“

ابن عباسؓ نے کہا ”کیا آپ اس قوم کے پاس جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے گورنر کو اپنے وطن سے بھگا دیا ہے اور نظم و اہتمام اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے؟ اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو آپ بے شک اُن کے پاس چلے جائیں اور اگر اُن کا گورنر اُن پر مسلط ہے اور اس گورنر کے عمال اُن سے واجبات وصول کیے جا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ آپ کو جنگ میں کود پڑنے کی دعوت دے رہے ہیں، مجھے خطرہ یہ ہے کہ وہ آپ کو بھی اسی طرح چھوڑ دیں گے جس طرح آپ کے والد اور بھائی کو چھوڑ دیا تھا۔“

حضرت حسینؑ نے کہا ”اے ابن عم! آپ نے جو کچھ کہا ہے اس پر غور کروں گا۔“

حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ کو بھی حضرت حسینؑ کے ارادوں کی خبر ہو گئی، لہذا وہ

بھی ان سے آگے ملے اور کہا ”بہتر یہ تھا کہ آپ یہیں حرم میں مقیم رہتے، یہیں سے سارے شہروں کی طرف اپنے قاصد وہڑا دیتے اور اپنے عراقی حامیوں (شیعوں) کو کہتے کہ وہ یہیں آپ کے پاس جمع ہو جاتے، پھر جب آپ اپنے ہاتھوں کو مضبوط پاتے تو یزید کے ان عمال کو جو اس شہر میں مامور ہیں نکال باہر کرتے۔ میں بھی آپ کا ساتھ دوں گا، اور آپ کا ہاتھ بناؤں گا یہ میرا فرض ہے۔ بہر حال اگر میرے مشورے پر عمل کریں تو خلافت کا مطالبہ یہیں حرم میں رہ کے کریں، اس لیے کہ اہل عالم یہیں آن جمع ہوتے ہیں، کس ملک کے باشندے یہاں نہیں آتے؟۔ خدا چاہے آپ اپنے مقصد میں ناکام نہ رہیں گے، مجھے امید ہے کہ آپ کی مراد بر آئے گی۔“

کہتے ہیں کہ تیسرے روز عبداللہ بن عباسؓ پھر حسینؓ کے پاس آئے اور کہا ”اے ابن عم اہل کوفہ کے قریب ہرگز نہ پھٹکنا، وہ قدار لوگ ہیں۔ آپ اسی شہر میں مقیم رہیں، آپ اس شہر کے باشندوں کے سردار ہیں اور اگر یہ بات قبول نہیں تو پھر یمن کی راہ لیں، وہاں قلعے، سرقلیں اور گھاٹیاں ہیں۔ علاقہ بڑا طویل و عریض ہے۔ علاوہ ازیں وہاں آپ کے والد کے شیعہ (حامی) بھی موجود ہیں، ویسے بھی آپ وہاں عام لوگوں سے الگ ایک گوشے میں پڑے ہوں گے، پھر وہیں سے اپنے داعی دنیا بھر میں پھیلا دیں، اگر آپ یہ طریق عمل اختیار کریں تو مجھے امید ہے کہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔“

حضرت حسینؓ نے جواب دیا ”اے ابن عم! خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ میرے خیر خواہ اور شفیق ہیں، مگر اس کا کیا علاج کہ میں نے سفر کا عزم بالجبرم کر لیا ہے۔“

حضرت عباسؓ نے کہا ”اگر آپ کا جانا ناگزیر ہی ٹھہرے تو پھر عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جائیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ آپ کو بھی آپ کے عیال کے رو بروی طرح قتل کر دیا جائے گا جیسے عثمانؓ کو کر دیا گیا تھا۔“

حسین نے جواب دیا ”اے ابن عم! میں تو اہل و عیال سمیت ہی جاؤں گا۔“ ابن عباسؓ یہ کہہ کے رخصت ہو گئے۔ جاتے ہوئے ابن زبیرؓ کے پاس سے گزرے، وہ بیٹھے تھے، ابن عباسؓ نے کہا ”اے ابن زبیرؓ! حسینؓ کے کوچ سے تمہاری آنکھیں تو ٹھنڈی ہوں گی؟ ساتھ ہی تمہارا یہ شعر پڑھا۔

خَلَا لَكَ الْجَوُّ فَبَيْضِي وَاصْفَرِي
وَنَقَرِي مَا شَتَّ إِن تَنْقَرِي

”اے پرندے اب تو ساری فضا کا مالک ہے۔ انڈے دے، چھپا اور جب تک اور جو کچھ جی چاہے چھٹا پھر نہ۔“

کہتے ہیں کہ جب حضرت حسینؓ نے مکے سے کوچ کیا تو وہاں کے حاکم عمرو بن سعد بن عاص کا کووال سپاہیوں کی ایک جمعیت کے ساتھ مزاحم ہوا اور کہا ”امیر آپ کو حکم دیتا ہے کہ لوٹ آئیں۔ لہذا آپ لوٹ جائیں۔ ورنہ میں آپ کی راہ روک لوں گا۔“

حضرت حسینؓ نے حکم ماننے سے انکار کر دیا، لہذا فریقین میں دھینگا مشتی ہوئی، لالچیاں بھی چلیں۔ جب اس امر کی اطلاع عمرو بن سعد کو ہوئی تو اسے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں معاملہ خطرناک صورت نہ اختیار کر جائے لہذا کووال کو واپس بلا لیا۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت حسین بن علیؓ مکے سے رخصت ہو گئے تو راہ میں

بمقام معتمد ایک قافلے سے مذبحیڑ ہوئی جو یمن سے آرہا تھا۔ قافلے میں درس بھی تھی اور حنا بھی۔ یہ قافلہ یزید بن معاویہ کی طرف رواں تھا، حسینؑ نے جملہ مال و متاع سمیت قافلے پر قبضہ کر لیا اور شتر بانوں سے کہا ”جو ہمارے ساتھ عراق جانا چاہے ہم اس کو کرایہ ادا کر دیں گے اور اس کے حق رفاقت کی قدر کریں گے، اور جو یہیں ہم سے جدا ہو جانا چاہے ہم قطع کر دو مسافت کے تناسب سے اس کا کرایہ ابھی ادا کیے دیتے ہیں۔“

کچھ شتر بان اُن سے الگ ہو گئے، اور کچھ ان کے ہمراہ چل پڑے۔

جب وہاں سے آگے بڑھے تو مقام صفاح پر فرزدق شاعر سے ملاقات ہوئی جو عراق آرہا تھا اور مکے کو جارہا تھا، اس نے حضرت حسینؑ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ انہوں نے پوچھا ”جب تم رخصت ہوئے اس وقت اہل عراق کس عالم میں تھے؟“ فرزدق نے جواب دیا ”جب میں ان سے رخصت ہوا اس وقت ان کا عالم یہ تھا کہ ان کے دل آپ کے حامی تھے اور ان کی تلواریں آپ کی مخالف تھیں۔“ فرزدق یہ کہ رخصت ہو گیا۔

وہاں سے چل کے حضرت حسینؑ وادی رمہ میں پہنچے اور اہل کوفہ کے نام ط لکھا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم، حسین بن علیؑ کی طرف سے کوئی اہل ایمان بھائیوں کے نام، سلام علیکم، تمنا بعد: بے شک میرے پاس مسلم بن عقیل کا خط آیا ہے جس میں مذکور ہے کہ تم لوگ میرے حق میں متحد و متفق ہو، اور میرے وہاں پہنچنے کا بے پناہ شوق رکھتے ہو۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ لوگ ہماری معاونت کرنے اور ہمارا حق طلب کرنے کا عزم بالجزم کیے ہوئے ہو، خدا اس کام کو تمہارے لیے بھی باعث خیر بنائے اور ہمارے لیے

بھی۔ خدا تمہیں اس عمل کے بدلے میں بہترین انعامات سے نوازے، میں تمہیں یہ خط وادی رمہ سے لکھ رہا ہوں، تمہاری طرف آرہا ہوں، تیز تیز آرہا ہوں، والسلام۔“

حسینؑ نے یہ خط قیس بن مسہر کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ مگر جب وہ قادسیہ کے مقام پر پہنچا تو اسے حصین بن نمیر نے گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ اور جب اسے ابن زیاد کے روہر لایا گیا تو اس نے ابن زیاد کو گالیاں سنائیں۔ لہذا ابن زیاد نے اسے فصیل پر سے میدان میں پھینکوا دیا، اور وہ راعی ملک عدم ہو گیا۔

اب جو حضرت حسینؑ وادی رمہ سے رخصت ہوئے تو عبداللہ بن مطیع سے ملاقات ہوئی۔ جو عراق سے لوٹ رہا تھا، وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کر کے کہا ”اے ابن رسول! میرے ماں باپ پر قربان۔ آپ کو خدا کے اور آپ کے نانا کے حرم سے کیا چیز نکال لائی ہے۔“

حضرت حسینؑ نے جواب دیا ”مجھے اہل کوفہ نے لکھا ہے اور التجا کی ہے کہ میں ان کے پاس پہنچ جاؤں۔ وہ لوگ آرزو مند ہیں کہ آثار حق کا احیاء اور بدعتوں کا قلع قمع ہو۔“

اس پر ابن مطیع نے کہا ”میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں، کوفے ہرگز نہ جانا، خدا کی قسم اگر آپ وہاں گئے تو آپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔“ حضرت حسینؑ نے جواب دیا ”جو کچھ اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر دیا ہے وہی کچھ پیش آئے گا۔“ یہ کہ کے اسے رخصت کیا اور روانہ ہو پڑے۔ زرود کے مقام پر اترے تو دیکھا کہ وہاں ایک بڑا سا خیمہ نصب ہے لہذا پوچھا ”یہ کس کا خیمہ ہے؟“ بتایا گیا کہ وہ زہیر بن قیس کا خیمہ ہے۔

ابن قیس جج پر آیا تھا اور اب کوفہ جا رہا تھا، چنانچہ حضرت حسینؑ نے اس کے پاس پیغام بھیجا کہ ”ذرا مجھ سے آ کے مل جائیں، آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔“ مگر اس نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا۔

زہیر بن قین کے ہمراہ اس کی بیوی بھی تھی وہ بولی ”سبحان اللہ“ ابن رسول اللہؐ آپ کو بلا بھیجیں اور آپ انکار کر دیں؟“ یہ سن کے زہیر حضرت حسینؑ کی طرف چل دیا، اور پھر جلد ہی واپس آ گیا، چہرے پر رونق تھی۔ آتے ہی حکم دیا کہ خیمے کو اکھاڑ کے حضرت حسینؑ کے خیمے کے پہلو میں نصب کر دیا جائے، اور پھر بیوی سے کہا ”میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے، اب تم اپنے بھائی کے ہمراہ اپنے گھر چلی جاؤ۔“ میں نے ٹھان لی ہے کہ حضرت حسینؑ کے ہمراہ جان دے دوں گا۔“ ساتھ ہی اپنے رفیقوں سے کہا ”تم میں سے جو جو شہادت کا طالب ہو وہ (میرے ساتھ) اُنھ چلے، جو شہادت سے گریزاں ہو اسے الگ ہو جانے کی اجازت ہے۔“ اُن میں سے ایک نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا، سارے اس عورت اور اس کے بھائی کی معیت میں روانہ ہو کے کوفہ میں جا رہے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت حسینؑ زروود سے نکلے تو انہیں بنو اسد کا ایک فرد ملا۔ انہوں نے حال احوال پوچھا تو وہ بولا ”میں کوفہ سے نکلا تو مسلم بن عقیل اور ہانی بن عرودمارے جا چکے تھے، میں نے یہ بھی دیکھا کہ بچے انکی ٹانگیں گھسیٹتے پھرتے تھے۔“

اس پر حضرت حسینؑ نے کہا ”انا للہ وانا الیہ راجعون“۔ ہم سب اپنا اپنا حساب خدا کے یہاں دیں گے۔“ اُس شخص نے مزید کہا ”اے ابن رسول! میں آپ کو آپ کی جان اور آپ کے ہمراہی اہل بیت کی جانوں کے علاوہ ان سب لوگوں کے ضمن میں

خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ آپ اپنے گھر واپس چلے جائیں، کوفہ کا سفر ترک کر دیں۔ خدا کی قسم وہاں آپ کا کوئی معاون و مددگار نہیں۔“

اس پر فرزند ان عقیل نے جو حضرت حسینؑ کے ہمراہ تھے کہا ”اپنے بھائی مسلم کی موت کے بعد ہمارے لیے زندگی بے معنی ہے، ہم جانیں دے دیں گے۔ واپس نہ ہوں گے۔“

یہ سن کے حضرت حسینؑ بولے ”ان لوگوں کے بعد تو میری زندگی میں بھی کوئی خوشی نہیں“ یہ کہا اور روانہ ہو پڑے۔

جب وہ مقام زبالہ پر پہنچے تو وہاں ان کے پاس محمد بن اشعث اور عمر بن سعد کا قاصد وہ پیغام لے کر آئے کہ پیچھا جو انھیں مسلم نے دیا تھا اور کہاں تھا کہ حسینؑ کو یہ بات کہ بھیجیں کہ اہل کوفہ نے میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد مجھے چھوڑ دیا ہے۔“ جب انہوں نے یہ خط پڑھا تو خبروں کی صحت کا یقین ہو گیا اور مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے قتل کی وجہ سے بہت ہی مضطرب ہوئے۔ ساتھ ہی قاصد نے یہ بتا دیا کہ ان کے قاصد قیس بن مسہر کو بھی جسے انہوں نے وادی زمرہ سے روانہ کیا تھا قتل کر دیا گیا ہے۔

راستے کی مختلف منزلوں سے کئی لوگ حضرت حسینؑ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، انہوں نے گمان کر رکھا تھا کہ حسینؑ اپنے معاونوں اور دوستداروں کے پاس جا رہے ہیں مگر جب مسلم کے قتل کی خبر سنی تو وہ سارے کے سارے اُن کا ساتھ چھوڑ گئے، اور اب ان کے ساتھ ان کے خاص اعزہ و اقربا ہی رہ گئے۔ بہر حال حضرت حسینؑ چلتے چلتے وادی عقیق میں پہنچ گئے، وہاں اُن سے بنو عکرمہ کا ایک فرد ملا اور سلام عرض کر

کے اطلاع دی کہ ابن زیاد کے سوار قادیہ سے لے کر غزیب تک سارے علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں اور وہ محض انہی کی تاک میں ہیں۔ ساتھ ہی گزارش کی کہ ”میری جان آپ پر قربان، آپ لوٹ جائیں، خدا کی قسم آپ محض نیزوں اور تلواروں کا شکار ہونے جا رہے ہیں۔ آپ ان لوگوں پر جنہوں نے آپ کو چٹھیاں لکھیاں ہیں ہرگز اعتماد نہ کریں، کیونکہ وہی لوگ سب سے قبل آپ کے خلاف صف آرا ہوں گے۔“

حضرت حسینؑ نے جواب دیا ”تم نے خیر خواہی کا اظہار کیا، بات بخوبی ذہن نشین کر دی، خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ یہ کہہ کے اس کو سلام کیا اور چل دیے، رات ایک بجے پہلے پر سرکی، پھر وہی کوچ، وہی سفر۔ گرمی کا موسم تھا، جب دوپہر کے وقت تپش شدید ہو گئی تو انہیں بہت سے سوار دکھائی دیے۔ چنانچہ انہوں نے زہیر بن قیس سے کہا ”کیا یہاں قریب کوئی پناہ گاہ نہیں، کوئی ٹیلہ یا پہاڑی بھی نہیں جس کو پشت پر رکھ لیں۔ اور ان لوگوں کا صرف ایک رخ پر مقابلہ کریں۔“

زہیر نے جواب دیا ”ہاں ذوحشم کی پہاڑی آپ کی بائیں طرف ہے۔ آپ ہمیں لے کر اس کی طرف نکل چلیں، اگر آپ وہاں ان لوگوں سے قبل پہنچ جائیں تو پھر آپ کی یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے۔“

چنانچہ حضرت حسینؑ ان سواروں سے قبل وہاں پہنچ گئے اور اس پہاڑی کو اپنی پشت پر رکھ لیا، اتنے میں سوار بھی پہنچ گئے، تعداد ان کی ایک ہزار تھی، قیادت حرب بن یزید تمیمی خمیری بوعی کے سپرد تھی، جب وہ قریب آ گئے تو حسینؑ نے اپنے لشکر کے جوانوں سے کہا ”کہ ان کا استقبال کریں اور انہیں پانی پلائیں۔“ چنانچہ سواروں نے بھی واران کے گھوڑوں نے بھی خوب سیر ہو کر پانی پیا، ازاں بعد سبھی اپنے اپنے

گھوڑوں کے سایوں میں بیٹھ رہے۔ عنائیں ہاتھ میں تھیں، تا آنکہ ظہر کا وقت ہو گیا اور حسینؑ نے ۷ سے کہا تم نماز ہمارے ساتھ پڑھو گے یا یہ کہ تم اپنے آدمیوں کو پڑھاؤ گے اور میں اپنے آدمیوں کو؟“ آخر نے جواب دیا ”نہیں تو، سبھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔“ لہذا حضرت حسینؑ نے سب کو نماز پڑھائی۔

جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان لوگوں کی طرف رخ کیا اور کہا ”اے لوگو! میں خدا سے بھی معذرت خواہ اور آپ سے بھی، میں نے تمہاری طرف اس وقت تک سفر اختیار نہیں کیا جب تک تمہاری چٹھیاں اور تمہارے قاصد میرے پاس نہیں پہنچے اور تم اس طرح میری اطاعت کرو کہ مجھے تمہارے قول و قرار پر اعتبار آ جائے تو ہم سب تمہارے ساتھ تمہارے شہر کو چلے چلیں گے، اور اگر معاملہ برعکس ہو تو میں جدھر سے آیا ہوں ادھر کو واپس چلا جاؤں گا۔“

وہ لوگ دم سادھے رہے، کسی نے کوئی جواب نہ دیا، حتیٰ کی عصر کا وقت ہو گیا اور حضرت حسینؑ کے موذن نے صدائے اذان بلند کی، پھر تکبیر اقامت کہی، حضرت حسینؑ آئے اور دونوں فریقوں کو نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں سے پھر خطاب کیا اور وہی بات جو نماز ظہر کے بعد کہی تھی دہرائی۔ اس پر حرب بن یزید نے کہا ”خدا کی قسم ہم نہیں سمجھ پائے کہ آپ کن خطوط کا ذکر کر رہے ہیں۔“ لہذا حضرت حسینؑ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ دونوں خر جیاں جن میں خطوط بھرے ہوئے ہیں اٹھا لائیں۔ خر جیاں لا کے آپ کے سامنے رکھ دی گئیں، وہ خطوط سے بھر پور تھیں، حضرت حسینؑ نے وہ سارے خطوط خراور اس کے آدمیوں کے سامنے کھیر دیے، اس پر حرب نے کہا ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے آپ کو یہ خط لکھے، ہمیں تو حکم ملا ہے کہ

آپ سے دو چار ہونے کے بعد آپ سے الگ نہ ہوں یا یہ کہ آپ کو کوفے لے چلیں اور عبید اللہ بن زیاد کے پیش کر دیں۔

حضرت حسینؑ نے جواب دیا "میں مر جاؤں گا مگر یہ بات (کہ عبید اللہ کے پیش ہوں) ہرگز قبول نہ کروں گا۔"

یہ کہ کے سامان لد وایا اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جائیں، مگر جب انہوں نے واپس حجاز کی طرف باگ موڑی تو حر کے سواروں نے راستہ روک لیا۔ لہذا حضرت حسینؑ نے پوچھا "آخر تم کیا چاہتے ہو۔"

حر نے جواب دیا "خدا کی قسم میں آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں۔"

حضرت حسینؑ نے کہا "اگر یہ بات ہے تو پھر میری جانب سے جنگ کی کھلی چھٹی ہے۔" جب بات بڑھ گئی تو حر نے کہا "مجھے آپ سے جنگ کرنے کا حکم نہیں ملا۔ مجھے تو فقط یہ حکم ملا ہے کہ آپ کے ساتھ ساتھ رہوں۔ البتہ مجھے ایک تجویز سوچھی ہے جس کے طفیل آپ جنگ سے بچ سکتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ میرے اور اپنے مائین وہ راستہ ملے کر لیں تو آپ کو نہ کوفے لے جائے نہ حجاز، اور جو آپ کے اور ہمارے مائین فاصلے کی رو سے برابر ہو۔ تا آنکہ امیر عبید اللہ کی طرف سے ہدایات موصول ہو جائیں۔" حضرت حسینؑ نے جواب دیا "اچھا تو پھر تم یہ راہ اختیار کرو اور میں بائیں جانب عذیب کی راہ سے جاتا ہوں۔" عذیب وہاں سے کوئی اڑتیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ غرضیکہ دونوں گروہوں نے (اپنی اپنی راہ پر) کوچ کیا اور عذیب حر مات میں پہنچ کر ایک دوسرے سے ایک تیر کے فاصلے پر خیمے گاڑ دیے۔ کچھ دیر بعد

وہاں سے حضرت حسینؑ گونے جانے والی راہ کے دائیں ہاتھ کوروانہ ہو پڑے اور قصر بنی مقاتل میں جا ترے، وہاں بھی دونوں گروہوں نے ایک دوسرے سے ایک معین فاصلے پر پڑاؤ کر لیا۔ حضرت حسینؑ نے دیکھا کہ اُس جگہ ایک بڑا سا خیمہ نصب ہے۔ لہذا دریافت کیا کہ کس کا ہے؟ بتایا گیا کہ یہ عبید اللہ بن حنیف کا ہے، وہ کوفے کے رئیسوں اور بہادر شہسواروں میں سے تھا۔

حسینؑ نے اس کے پاس کسی مولیٰ کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ "مجھ سے آ کے مل جاؤ۔" قاصد اس کے پاس پہنچا اور کہا "حضرت حسین بن علیؑ خیمہ زن ہیں اور خواہاں ہیں کہ آپ اُن سے مل لیں۔" عبید اللہ بن حر نے جواب دیا "خدا کی قسم میں کوفے سے یہیں دیکھ کر نکل آیا ہوں کہ لوگ حضرت حسینؑ کے لیے روانہ ہو رہے تھے، میں نے وہاں یہ بھی جان لیا تھا کہ اُن کے شیعہ اُن کا دم بھرنے سے منحرف ہیں، چنانچہ مجھ پر واضح ہو گیا کہ حسینؑ مارے جائیں گے اور میں ان کی کوئی مدد نہ کر سکوں گا، اندریں حالات نہ میں اس امر کا خواہاں ہوں کہ اُن سے جا کے ملوں اور نہ اس کا کہ وہ مجھ سے آ کے ہیں۔"

مگر حضرت حسینؑ پاپوش پہنے اور پیادہ پا چل کے اُس کے خیمے میں آئے اور اعانت کے طلبگار ہوئے۔ جواباً عبید اللہ نے کہا "خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ جو آپ کا ساتھ دے گا وہ قیامت کے دن سعادت مند ہوگا، مگر میں جانتا ہوں کہ میں آپ کے کسی کام کا نہیں۔ میں نے کوفے سے نکلتے وقت کوئی شخص بھی ایسا نہ پایا جو آپ کا مددگار ہو، لہذا میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے اس اقدام پر مجبور نہ کریں۔ میرا تکی تا حال موت قبول کر لینے کی اجازت نہیں دے رہا۔ ہاں میرا یہ رہوار بادر فگار حاضر

ہے۔ خدا کی قسم اس پر سوار ہو کر میں نے جس شے کا بھی تعاقب کیا اسے پالیا، مگر میرا جس شے نے بھی تعاقب کیا وہ مجھ تک کبھی بھی پہنچ نہ پائی، یہ گھوڑا آپ لے لیں، یہ آپ کی ملک ہے۔“

حضرت حسینؑ نے کہا: ”جب تم خود ہم سے گریزاں ہو تو ہم تمہارے گھوڑے کو لے کر کیا کریں گے۔“

حضرت حسینؑ کا انجام

اس کے بعد حضرت حسینؑ نے قصر بنی مقاتل سے کوچ کیا، حنین کے ساتھ ساتھ تھا، وہ جب بھی چاہتے کہ بیاباں کا رخ کریں تو وہ راہ روک لیتا، یہاں تک کہ ایک مقام کے نواح میں جیسے کہ بلا: کہتے ہیں جا پہنچے، وہاں سے قدرے دائیں جانب کو مڑے، اور نینوا میں جا وارد ہوئے۔ اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سوار کو تل گھوڑا دوڑاتا سامنے کی طرف سے آ رہا ہے، کبھی رک گئے اور اس کی راہ دیکھنے لگے، اس نے قریب پہنچ کے رخ کو تو سلام کیا، مگر حسینؑ کو نہ کیا اور پھر عبید اللہ بن زیاد کا خط رخ کے سپرد کر دیا۔ رخ نے پڑھا، مضمون یہ تھا: ”اما بعد! جہاں یہ خط ملے وہیں حسین بن علیؑ اور اس کے ساتھیوں کے گرد گھیرا تنگ کر لو اور انہیں کسی ایسی چٹیل جگہ میں اتارو جہاں نہ پانی ہونے سے... میں نے حامل مکتوب کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ مجھے آ کے بتائے کہ تم نے تعین کیا کارروائی کی ہے۔ والسلام۔“

رخ نے خط پڑھ کے حسینؑ کو دے دیا اور کہا: ”امیر عبید اللہ بن زیاد کے حکم کی تعمیل سے چارہ نہیں، لہذا آپ اسی جگہ اتر پڑیں، اور امیر کو میرے خلاف شکایت کا

موقع نہ دیں۔“ حسینؑ نے جواب دیا: ”اُس گاؤں“ غاضریہ“ تک ہمارے ساتھ چلے چلو، قریب ہی تو ہے، اب پھر اس گاؤں تک جس کا نام سقہ ہے، ہم ان دونوں میں سے کسی ایک میں اتر پڑیں گے۔“ رخ نے کہا: ”مگر امیر کا حکم یہ ہے کہ آپ کو کسی ایسی جگہ اتارا جائے جہاں پانی نہ ہو اور امیر کے حکم کی تعمیل کامل طور پر کرنی ہوگی۔ اس کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں۔“

اس پر زہیر بن قین نے حضرت حسینؑ سے کہا: ”اے ابن رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان، اگر ان لوگوں کے علاوہ کوئی لشکر نہ آئے جب بھی یہ ہمارے لیے کافی ہیں، پھر اگر ان کے علاوہ بھی عساکر آ گئے تو کیا بنے گا؟ آئیے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیں، ان سے لڑنا نسبتاً آسان ہوگا، جب مزید فوج پہنچ گئی تو جنگ مشکل ہو جائے گی۔“

حضرت حسینؑ نے جواب دیا: ”میں جنگ چھیڑنے میں پہل نہیں کرنا چاہتا، جب تک یہ نہ لڑیں گے میں نہ لڑوں گا۔“ اس پر زہیر بولا: ”اچھا تو پھر ہم سے قریب ہی ایک گاؤں ہے، جسے عاقول حصیہ کہتے ہیں، اور اسے ایک طرف کے سوا دریا نے فرات نے گھیر رکھا ہے۔“ حسینؑ نے پوچھا: ”اور اس گاؤں کا (جہاں ہم کھڑے ہیں) کیا نام ہے؟“ جواب دیا: ”عقر۔“ حسینؑ نے کہا: ”عقر (بے شری) سے خدا بچائے۔“ بہر حال حضرت حسینؑ نے حر سے کہا: ”ہمارے ساتھ ذرا دیر اور چلو، پھر اترتے ہیں۔“

رخ ان کے ساتھ چل پڑا۔ تانکہ (پھر) کر بلا میں پہنچ گئے، وہاں رخ اور اس کے ساتھی حضرت حسینؑ کے سامنے آن کھڑے ہوئے اور آگے بڑھنے سے روک دیا، ساتھ ہی یہ حکم دیا: ”بس یہیں اتر پڑیں، یہاں فرات آپ سے دور نہیں۔“

حضرت حسینؑ نے پوچھا "اس جگہ کا نام کیا ہے؟" بتایا گیا "کربلا" حضرت حسینؑ بولے "یعنی کرب دہلا والی جگہ، میرے والد محترم صفین کو جاتے ہوئے اس مقام سے گزرے تھے، میں ان کے ہمراہ تھا، انہوں نے یہاں رک کے اس جگہ کا نام پوچھا تھا اور جب نام بتایا گیا تو انہوں نے کہا "یہیں تم ڈیرہ ڈالو گے اور یہیں تمہارے خون بہیں گے"۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا بات ہے تو بولے "آل بیت محمد ﷺ ہمارے سوا ساری سمیت یہاں اتر پڑے گی"۔

بہر حال وہاں حضرت حسینؑ نے اپنے ساز و سامان کے اتارے جانے کا حکم دے دیا۔ یہ یکم ماہ محرم ۶۱ھ کے چہار شنبے کی بات ہے۔۔۔۔۔ اور پھر اسی مقام پر دس روز بعد یوم عاشورہ کو انہیں شہید کر دیا گیا۔ یوم عاشورہ تقویم مسیحی کی رو سے ۱۱۰ اکتوبر ۶۸۰ کو تھا۔

ان کے کربلا میں اترنے کے اگلے روز عمر بن سعد چار ہزار سوار لے کر آگیا۔ اسکے ادھر آنے کا قصہ یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے اُسے رے، سرحد دہلی اور دہلیم کا والی مقرر کیا اور اس کے نام فرمان جاری کر دیا، چنانچہ عمر بن سعد نے سفر کے ارادے سے چھاؤنی جمالی، اسی اثنا میں حضرت حسینؑ کا معاملہ سامنے آگیا۔ لہذا ابن زیاد نے حکم دیا کہ عمر بن سعد حسینؑ سے لڑنے کے لیے روانہ ہو جائے۔ جب ادھر سے فارغ ہو تو پھر اپنی علمداری کی راہ لے۔

عمر بن سعد نے تالنا چاہا، کیونکہ اسے حضرت حسینؑ کے خلاف لڑنا پسند نہ تھا، اس پر عبید اللہ نے کہا "اچھا تو ہمارا فرمان ہمیں واپس دے دو"۔ عمر نے کہا "اگر یہ بات ہے تو میں جاتا ہوں" چنانچہ وہ چل دیا۔ وہ سب لوگ اس کے ہمراہ تھے جو رے اور دہلی کے خیال سے بھرتی ہوئے تھے۔ ہوتے ہوتے وہ حضرت حسینؑ کے مقابل

جا پہنچا، وہاں حربی اپنے تمام آدمیوں سمیت اس کے لشکر میں شامل ہو گیا۔

اب عمر نے قرہ بن سفیان خطفی سے کہا "تم حسینؑ سے جا کے پوچھو کہ وہ کیوں آئے ہیں۔" اس نے جا کے حضرت حسینؑ سے یہ بات کہ دی، انہوں نے جواب دیا "عمر کو میری جانب سے بتادو کہ میرے پاس اہل کوفہ کے خط پہنچے تھے، مضمون یہ تھا کہ ان کا کوئی امام نہیں ہے، لہذا وہ ملتس ہیں کہ میں ان کے پاس پہنچوں، میں نے ان پر اعتماد کر لیا، مگر انہوں نے غداری کی، حالانکہ ان میں سے اٹھارہ ہزار افراد میری بیعت کر چکے تھے۔ اب جو میں قریب پہنچا تو ان کے لکھے کی بے معنویت مجھ پر واضح ہو گئی، لہذا میں نے چاہا کہ جدھر سے آیا ہوں ادھر کو لوٹ جاؤں۔ لیکن حرب بن یزید نے مجھے روک دیا اور یہاں لا کے میرے گرد گھیرا تنگ کر دیا۔ اس کے علاوہ تم عمر سے یہ کہو کہ میرے اور تمہارے مابین قرابت قریبہ ہے۔ عزیز داری کا لحاظ کرو اور مجھے چھوڑ دو تاکہ میں واپس چلا جاؤں"۔

قرہ عمر بن سعد کے پاس واپس گیا اور حسینؑ بن علیؑ کا جواب کہ سنایا، اس پر عمر نے کہا "الحمد للہ واللہ باللہ، میری یہی تمنا ہے کہ مجھے حسینؑ سے نہ لڑنا پڑے"۔ اور یہ کیفیت ابن زیاد کے پاس تحریر کر بھیجی۔

جب عمر کا خط ابن زیاد کو ملا تو اس نے جواباً لکھ بھیجا "میں نے تمہارے خط کا مفہوم پا لیا، حسینؑ سے کہو کہ وہ یزید کی بیعت کر لیں اور جب وہ اپنے رفقاء سمیت بیعت کر لیں تو مجھے اطلاع دو، پھر میرا عندیہ تم تک پہنچ جائے گا"۔ جب یہ خط عمر بن سعد کو ملا تو وہ بولا "مجھے ابن زیاد عافیت کا طالب نظر نہیں آتا"۔

بہر حال عمر نے وہ خط حسینؑ کے پاس بھیج دیا، حسینؑ نے قاصد سے کہا "میں

ابن زیاد کا یہ حکم ہرگز ہرگز نہیں، ماننے کا، اگر اسکا نتیجہ موت ہے تو میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں۔“

عمر بن سعد نے یہ بات ابن زیاد کو لکھ بھیجی، وہ بھڑک اٹھا، اور اپنے جملہ رفقاء کی معیت میں خیلہ کی سمت نکل کھڑا ہوا وہاں سے حصین بن نمیر، حجار بن ابجر، شبث بن ربعی اور شمر ذو جوشن کو روانہ کیا کہ وہ اس معاملہ میں عمر بن سعد کی مدد کریں، شمر تو حکم ملتے ہی نکل کھڑا ہوا، مگر شبث بیمار پڑ گیا۔ اس پر ابن زیاد نے کہا ”تم بیمار بن تو نہیں رہے؟ اگر ہمارے مطیع ہو تو جاؤ ہمارے دشمن سے لڑو۔“ شبث نے یہ سنا تو چل دیا۔ اسی طرح ابن زیاد نے حارث بن یزید بن رویم کو بھی روانہ کر دیا۔

کہتے ہیں کہ ابن زیاد جس شخص کو بھی حسینؑ سے لڑنے پر مامور کرتا اس کے ہمراہ بہت سا لشکر روانہ کر دیتا تھا مگر جب وہ کربلا پہنچتا تھا تو اہل لشکر کی تعداد تھوڑی سی رہ جاتی ہوتی تھی۔ اصل میں لوگوں کو حسینؑ کے خلاف لڑنا ہرگز پسند نہ تھا، وہ اس تصور ہی سے کانپ جاتے تھے لہذا پیچھے رہنا شروع کرتے اور پھر غائب ہو جاتے۔

اس بات کا علم ہوا تو ابن زیاد نے سوید بن عبدالرحمن مقرئ کو ایک رسالہ دے کر کوفہ بھیجا اور کہا ”کوفہ کے گرد گھومو پھر دو اور جو شخص بھی لشکر سے بھاگا ہوا نظر آئے اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔“

مقرئ نے کوفہ کے گرد گھومنا شروع کر دیا۔ ایک شخص نظر آیا، جو شام سے کوفہ میں اپنی میراث طلب کرنے آیا تھا، مقرئ نے اسے پکڑا اور ابن زیاد کے پاس بھیج دیا، ابن زیاد نے اس کا سراڑ اویا۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا تو لشکر کے ہمراہ چل پڑے (اور پھر لشکر سے بھاگنے کی جرات نہ کی)

کہتے ہیں کہ ابن زیاد کا ایک خط عمر کے پاس پہنچا جس میں حکم مرقوم تھا کہ حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کا پانی بند کر دو، خبردار جواہ ایک چلو بھی چکھنے پائیں، انہیں پیسا سا رکھو، اسی طرح جس طرح انہوں نے عثمان بن عفان جیسے مرد خدا ترس کو رکھا تھا۔“

جب یہ خط عمر بن سعد کو ملا تو اس نے عمرو بن حجاج کو حکم دیا کہ پانچ سو سواروں کے ساتھ جا کے دریا پر پہرہ بٹھا دے اور حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو پانی نہ لینے دے۔ یہ حسینؑ کے قتل کے تین روز قبل کی بات ہے۔ اس طرح گویا حضرت حسینؑ کے ساتھی پانی سے محروم ہو گئے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو پیاس نے بہت ستایا تو حضرت حسینؑ نے اپنے بھائی عباسؑ بن علیؑ سے جن کی والدہ بنو عامر بن صعصہ سے تھیں کہا کہ وہ تیس سواروں اور بیس پیادوں کو لے کر جائیں، ہر ایک کے پاس ایک مشکیزہ ہو، اور جا کے پانی بھر لائیں۔ اگر کوئی روکے تو لڑ جائیں۔ چنانچہ عباسؑ نے پانی کا رخ کیا، ان کے آگے آگے نافع بن ہلال تھا تا آنکہ دریا کے قریب پہنچ گئے، وہاں عمرو بن حجاج نے انہیں روکا۔ عباسؑ نے اپنے ساتھیوں کی معیت میں ان کا مقابلہ کیا اور انہیں دریا کے کنارے سے بٹھا دیا۔ اب حضرت حسینؑ کے پیادے دریا میں کود پڑے اور مشکیزے بھر لیے۔ عباسؑ اپنے ہمراہیوں (سواروں) کی معیت میں ان لوگوں کی مدافعت کرتے رہے تا آنکہ انہوں نے پانی حضرت حسینؑ کی لشکرگاہ میں پہنچا دیا۔

اسی اثنا میں ابن زیاد نے عمرو بن سعد کے نام خط لکھا ”لما بعد! میں نے تمہیں

حسینؑ کی طرف اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ جاؤ اور وقت ضائع کرو، نہ اس لیے کہ تم ان کی سلامتی اور بقا کے خواستگار ہو۔ اور نہ اس لیے کہ میرے پاس ان کی سفارشیں کرو، حسینؑ اور ان کے ساتھیوں سے کہو کہ میرا حکم مانیں، اگر مان جائیں تو انہیں اور ان کے ساتھیوں کو میرے پاس روانہ کر دو۔ اگر انکار کریں تو پھر ان پر چڑھائی کر دو، ان سے کوئی رشتہ واسطہ نہیں، اگر تم ایسا نہیں کرتے تو ہمارے لشکر سے الگ ہو جاؤ اور قیادت شمرؓ و جوشن کے سپرد کر دو، ہم نے تمہیں حکم دے دیا، اپنا موقف واضح کر دیا، آگے تمہاری مرضی۔

اور پھر جمعرات کی شام محرم کے نویں دن شام کے وقت عمر بن سعد نے پیش قدمی کی، مگر حضرت حسینؑ نے خواہش ظاہر کی کہ لڑائی کو اگلے روز تک ملتوی کر دیں۔ عمر نے ان کی بات مان لی،

کہتے ہیں کہ حضرت حسینؑ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اپنے خیمے ایک دوسرے کے بالکل ساتھ ساتھ چپکا کے نصب کر دیں، اور خود گھروں کے مقابل (صف آرا) ہوں۔ نیز یہ کہ گھروں کی پشت پر خندق کھود لیں اور اس میں لکڑیاں اور سرکنڈا وغیرہ بہت سا ڈال کر شعلے بھڑکا دیں، تاکہ دشمن پیچھے سے آگے گھروں میں داخل نہ ہو سکیں۔

کہتے ہیں کہ عمر بن سعد نے اگلے روز نماز صبح ادا کرنے کے بعد اپنے لشکر کو لے کر پیش قدمی کی۔ اس کے میمنہ پر عمرو بن جراح، میسرہ پر شمر بن ذی جوشن۔ (شمر کا اصل نام شریل بن عمرو بن معاویہ تھا، تعلق آل وحید سے تھا جو بنو عامر بن صعصعہ کی شاخ تھی) سواروں پر عرزہ بن قیس اور پیادوں پر شہبث بن ربعی مامور تھا۔ روایت زیدہ

کے ہاتھ میں جو عمر بن سعد کا مولیٰ تھا۔

حضرت حسینؑ نے بھی اپنے آدمیوں کو مسلح و منظم کر دیا، وہ کل تیس سوار اور چالیس پیادوں پر مشتمل تھے۔ اور پھر زہیر بن قین کو میمنہ پر اور حبیب بن مظہر کو میسرہ پر متعین کر کے علم اپنے بھائی عباسؓ بن علیؓ کے سپرد کر دیا۔ اس بندوبست کے بعد حسینؑ اور ان کے ساتھی نکل کے گھروں کے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ عین اس موقع پر حمر بن یزید عمر کے لشکر سے الگ ہو گیا۔ وہی خرجس نے حضرت حسینؑ کے گرد گھیرا تنگ کیا تھا، اور حضرت حسینؑ کے پاس حاضر ہو کر کہا ”مجھ سے جو خطا سرزد ہوئی وہ ہوئی۔۔۔۔۔ اب میں آپ کی ہمدردی میں اپنی جان کی بازی لگانے آیا ہوں، کیا آپ اسے میرے کیے کی توبہ کے طور پر قبول کر سکتے ہیں؟“

حضرت حسینؑ نے جواب دیا ”ہاں یہ تیری توبہ ہے اور قبول ہے۔ خوش ہو جا، کہ تو دنیا میں بھی خیر ہے اور آخرت میں بھی، انشاء اللہ۔“

کہتے ہیں کہ ازاں بعد عمر بن سعد نے اپنے مولیٰ زید سے کہا کہ جھنڈا آگے بڑھائے۔ لہذا زید جھنڈا لے کر آگے بڑھا اور جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔ حضرت حسینؑ کے ساتھی مرتے مارتے رہے تا آنکہ ان کے ہمراہ اپنے اہل بیت کے سوا کوئی بھی نہ رہ گیا، اہل بیت میں سے جس نے سب سے پہلے پیش قدمی کی اور لڑا وہ علی بن حسینؑ تھے جنہیں علی اکبرؑ کہتے ہیں۔ وہ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ انہیں مرثیہ بن مفند عہدی نے نیزہ مار کر گرا دیا اور دوسروں نے تلواریں مار مار کے موت کی نیند سلا دیا۔

علی اکبرؑ کے بعد عبد اللہ بن مسلم بن عقیل قتل ہوئے، انہیں عمرو بن صبح صید ابوی نے تیر مار کے گرا دیا تھا، ان کے بعد عدی بن عبد اللہ بن جعفر طیار قتل

ہوئے، انہیں عمرو بن لہث نے موت کی آغوش میں سلا یا تھا، انکے بعد عبدالرحمن بن قیل بن ابی طالب قتل ہوئے، انہیں عبداللہ بن عمرو شمشعی نے حدف تیر بنایا تھا۔

ازاں بعد محمد بن قیل بن ابی طالب مارے گئے، انہیں لقیظ بن ناسر جہنی نے تیر مار کے ہلاک کر دیا، ان کے بعد قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب کام آئے۔ انہیں عمرو بن سعد بن مقبل اسدی نے راہی عدم کیا تھا۔ ان کے بعد ابو بکر بن حسن بن علی قتل ہوئے وہ عبداللہ بن عقبہ عنوی کے تیر کا نشانہ بن گئے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب عباس بن علی علیہ السلام نے یہ دیکھا تو اپنے بھائیوں عبداللہ، جعفر اور عثمان بن علی علیہ السلام سے جن کی ماں آل وحید سے تعلق رکھنے والی عامری باندی تھیں کہا ”میری جان کی قسم تم لوگ آگے بڑھو اور اپنے آقا کی مدافعت کرو تا آنکہ ان کی مدافعت میں جان دے دو“۔ چنانچہ وہ سب بھائی نکل آئے اور حضرت حسینؑ کے آگے آگے رہ کر اپنے چہروں اور گردنوں کو ان کی ڈھال بناتے رہے۔

پھر ہانی بن ثویب حضری نے عبداللہ بن علی پر حملہ کر کے انہیں مار ڈالا۔ ان سے بعد ان کے بھائی جعفر بن علی پر حملہ کیا اور انہیں بھی ختم کر دیا، پھر یزید اصمعی نے عثمان بن علی کو تیر کا نشانہ بنایا اور موت کی آغوش میں سلا دیا، یہی نہیں بلکہ براہ کران کا سرتن سے جدا کر دیا اور لے کر عمر بن سعد کے پاس گیا اور کہا ”مجھے انعام دیں“۔ عمر نے کہا ”اپنے

امیر (عبید اللہ بن زیاد) کے پاس جاؤ اور اس سے انعام مانگو“۔ حضرت عباس بدستور حضرت حسینؑ کے آگے آگے رہ کر ان کی مدافعت میں لڑتے رہے۔ حضرت حسینؑ جس طرف بھی مڑتے عباس بھی ساتھ مڑ جاتے، یہاں تک کہ حضرت حسینؑ کی مدافعت میں شہید ہو گئے، ان پر خدا کی رحمت ہو (آمین مولف)

اب حضرت حسینؑ اکیلے رہ گئے چنانچہ مالک بن بشر کنڈی نے ان کے سر پر تلوار سے وار کیا تو انہوں نے خذ کی ٹوپی پہن رکھی تھی جسے تلوار نے کاٹ دیا اور سر سے جا نکرانی، سر زخمی ہو گیا، حسینؑ نے وہ ٹوپی اتار دی اور کلاہ منگوائی، کلاہ کے اوپر بگڑی باندھی اور پھر بیٹھ کے اپنے چھوٹے بیٹے کو بلوایا، وہ آیا اسے گود میں لے لیا۔ مگر بنو اسد کے ایک فرد نے اس بچے کو بھی تیر تیز دم کا نشانہ بنا دیا، اور اسے والد کی گویہی میں شہید کر دیا۔

حضرت حسینؑ ذرا سی دیروہیں بیٹھے رہے، دشمن انہیں قتل کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، مگر ہر قبیلہ یہ کام دوسرے کے سپرد کر رہا تھا، ہر کوئی ان کے قتل سے جی چرا رہا تھا۔ اب حضرت حسینؑ کو پیاس لگی، لہذا انہوں نے پانی مانگا، اور جب پیالہ منہ سے لگا یا تو حسین بن نمیر نے تیر مارا جو ان کے منہ میں لگا۔ چنانچہ وہ پانی نہ پی سکے۔ اور پیالہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر آ رہا۔

اب حضرت حسینؑ نے دیکھا کہ لوگ ان کے ارد گرد سے ہٹ گئے ہیں، وہ اٹھے اور ایک مینڈھ پر چپٹے گئے، رُخ دریا کی طرف تھا، مگر ان کی راہ روک دی گئی، وہ پانی تک نہ جاسکے، لہذا اپنی جگہ پر جہاں سے گئے تھے واپس آ گئے۔

آخر ان لوگوں میں سے ایک شخص نے تیر مارا جو حضرت حسینؑ کے کاندھے میں گر گیا۔ مگر انہوں نے اس تیر کو کھینچ کر نکال دیا، اس پر زور عد بن شریک تمیمی نے ان پر تلوار سے وار کیا، انہوں نے ہاتھ کی پناہ کر لی۔ چنانچہ تلوار ہاتھ کو کاٹی چلی گئی۔ زور عد کے بعد سنان بن اوس نخعی نے انہیں نیزہ مار کے گرا دیا، یہ دیکھ کر خولی بن یزید اصمعی گھوڑے سے اتر پڑا تاکہ ان کا سر کاٹ لے، مگر اس کا ہاتھ لرز گیا، یہ دیکھ کر اس کا

بھائی شہل بن یزید اتر اور حضرت حسینؑ کا سر کاٹ کر اپنے بھائی کو دے دیا۔

اس کے بعد لوگ اُس درس پر جو حسینؑ نے (یزید کے) قافلے سے چھینا تھا، اور دیگر ہر شے پر جو خیموں میں تھی ٹوٹ پڑے اور لوٹ بچادی۔

حسینؑ کے بیٹوں اور بھتیجوں میں سے ان کے وہ بیٹوں کے سوا اور کوئی بھی زندہ نہ بچا، ایک علی اصغر تھے، جو نو جوان تھے اور دوسرے عمر، جن کی عمر چار برس تھی۔ ان کے رفقاء میں سے فقط دو آدمی بچے، ایک کا نام مرقع بن ثمامہ اسدی تھا جسے عمر بن سعد نے عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا، اس نے اسے رزہ روانہ کر دیا اور وہ یزید کے مرنے تک وہیں مقیم رہا۔ یزید کی موت گیا۔ دوسرا شخص ام سکینہ رہا باب کے غلاموں میں سے تھا، اسے قتل حسینؑ کے بعد پکڑ لیا گیا، جب اسے ہلاک کرنے لگے تو وہ بولا ”میں غلام مخلوک ہوں“ چنانچہ اسے چھوڑ دیا گیا۔

عمر بن سعد نے حضرت حسینؑ کا سراپی وقت حولی بن یزید اگلی کے بدست عبید اللہ بن زیاد کے پاس روانہ کر دیا۔ عمر بن سعد قتل حسینؑ کے دو روز بعد تک کر باہی میں مقیم رہا اور پھر لشکر میں کوچ کی منادی کرادی۔ شہیدوں کے سر نیزوں کی نوکوں پر اٹھالیے گئے، یہ کل بہتر سر تھے، ان میں سے بائیں سر بنو ہوازن نے قیس بن اشعث کی سرکردگی میں اٹھائے ہوئے تھے، سترہ سر بنو تمیم نے حصین بن نمیر کی سرکردگی میں اٹھائے ہوئے تھے۔ چھ سر بنو اسد نے حلال العمور کی سرکردگی میں اٹھائے ہوئے تھے پانچ سر بنو ازد نے عبیدہ بن زہیر کی سرکردگی میں اٹھائے ہوئے تھے اور بارہ سر بنو ثقیف نے ولید بن عمرو کی سرکردگی میں اٹھائے ہوئے تھے۔

انراں بعد بن سعد نے حکم دیا کہ حضرت حسینؑ کی بیویاں، بہنیں، بیٹیاں،

باندیاں اور نوکرانیاں باپردہ مہملوں میں اونٹوں پر سوار کرا دی جائیں۔ حضرت حسینؑ کی شہادت کے وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فوت ہوئے پچاس سال کا عرصہ بیتا تھا۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت حسینؑ کا سراپن زیاد کے پیش کیا گیا تو اس نے اپنے سامنے رکھ لیا، اور پھر اپنے بید سے ان کے لبوں کو ٹھکورا شروع کیا۔ زید بن ارقم وہیں بیٹھے تھے، وہ رسول خدا ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، چنانچہ وہ بولے ”نہ، نہ، ان لبوں سے اپنا بید حٹالے، خدا کی قسم میں نے رسول خدا ﷺ کو ان لبوں پر بوسہ دیتے دیکھا ہے۔“ اتنا کہا اور آواز بھرا گئی اور انہوں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

اس پر ابن زیاد نے پوچھا ”روتے کیوں ہو؟ خدا تمہاری آنکھوں کو زلاتا رہے، خدا کی قسم اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ بڑھاپے کے باعث تمہاری عقل ٹھکانے نہیں رہی تو میں تمہارا سرازا دیتا۔“

کہتے ہیں کہ عمر بن سعد کے پاس جو شخص ان سروں کو لے کر گیا تھا وہ شمر بن ذی جوشن تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کربلا کے مقتولوں کے تنوں کی تدفین کرنے والے موضع حاضر یہ کے باشندے تھے۔

حمید بن مسلم سے روایت ہے، وہ کہتا ہے کہ عمر بن سعد میرا دوست تھا، جب وہ حسین بن علیؑ کی جنگ سے لوٹا تو میں اس سے ملنے گیا، اور پوچھا ”کیا حال احوال ہے؟“ وہ بولا ”میرا حال مت پوچھو، کوئی پردیسی اپنے گھر کو ایسے برے حالوں نہیں لوٹتا جیسے میں لوٹا ہوں، میں نے قرابت قریبہ کو قطع کر ڈالا، اور ایک نہایت ہی ناگوار فعل کا ارتکاب کیا۔“

نعلق هاماً من رجال اعزّة

علینا وهم كانوا عاقوا وظلما

”ہمیں سراوانے پڑے ان لوگوں کے جو ہمارے نزدیک بڑے محترم تھے اور دل کو بڑے عزیز تھے، مگر (ہم کیا کرتے) انہوں نے ہمارے حق میں بے مہری، قطع رحم اور بے انصافی کا رویہ اختیار کر رکھا تھا۔“ ازاں بعد حکم دیا کہ حضرت حسینؑ کی اولاد کو اس کے حرم سرا میں پہنچا دیا جائے۔

یزید جب بھی کھانا کھانے لگتا علی بن حسینؑ اور اس کے بھائی عمر کو بلواتا، اور دونوں کو اپنے ساتھ کھانا کھاتا تھا، چنانچہ ایک روز یزید نے عمر بن حسینؑ سے کہا ”کیا تو میرے اس بیٹے سے کشتی لڑے گا؟“ اشارہ خالد بن یزید کی طرف تھا، جو عمر کا ہمسن تھا۔ مرنے جواب دیا ”کشتی نہیں، آپ مجھے بھی تلوار دیدیں، اور اسے بھی، میں اس سے جنگ کروں گا، پھر دیکھ لینا کہ کون زیادہ ثابت قدم ہے۔“

یزید نے عمر کو گلے لگا لیا اور کہا ”پتا پر پوت۔ سانپ کا بچہ سانپ کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔“ کہتے ہیں کہ پھر یزید نے ان کے لیے بہترین ساز و سامان تیار کر لیا، اور علی بن حسینؑ سے کہا ”تم اپنی مستورات کے ہمراہ جاؤ اور انہیں ان کے وطن میں پہنچا دو۔“ پھر ایک شخص کو تین سو اوروں کے ساتھ ان کے ہمراہ روانہ کر دیا، جو اس قافلے کے آگے چلتا اور جب اترتے تو وہ ایک معقول فاصلے پر پڑاؤ کر لیتا، یہاں تک کہ وہ انہیں لے کر مدینے شریف میں پہنچ گیا۔

کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن حرکو (بعد میں) اس بات پر شدید ندامت ہوئی کہ حضرت حسینؑ نے اسے قصر بنی مقاتل کے مقام پر اپنی مدد کے لیے پکارا تھا اور اس

کہتے ہیں کہ ابن زیاد نے علی بن حسینؑ اور مستورات کو جو اس کے یہاں تھیں سفر پر تیار کر کے زحر بن قیس، نضن بن ثعلبہ اور شمر بن ذی جوشن کے ہمراہ یزید بن معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ چنانچہ یہ لوگ شام میں جا اترے، اور پھر شہر دمشق میں جا کے یزید بن معاویہ کے یہاں حاضر ہوئے۔ انھی کے ہمراہ سر حسینؑ بھی تھا جو لا کے یزید کے در و در پھینک دیا گیا۔

اب شمر بن ذی جوشن بات شروع کیا اور کہا ”اے امیر المومنین یہ شخص اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ساٹھ حامیوں کے ہمراہ ہمارے خلاف میدان میں آیا، ہم نے بھی ان کی طرف پیش قدمی کی اور ان سے کہا کہ ہمارے امیر ابن زیاد کا حکم مان لیں ورنہ جنگ کی کھلی چھٹی ہے۔ آخر ایک صبح کو دن نکلنے ہی ہم نے ان پر چڑھائی کر دی اور انہیں ہر جانب سے گھیر لیا۔ جب تلواروں نے انہیں لٹکانا شروع کیا تو وہ پناہیں ڈھونڈنے لگے مگر پناہیں کہاں تھیں، ایسے ہی جیسے کبوتری شہبازوں سے پناہ ڈھونڈتی ہے، پھر بالکل اتنا وقت گزرا ہو گا جتنا ایک اونٹنی کے ذبح کرنے یا قیلولہ کرنے والے کو قیلولے پر لگتا ہے کہ ہم نے ان کے آخری فرد تک کا صفایا کر ڈالا تھا۔ آپ دیکھیے کہ ان کے ننگے جسموں، لیر لیر کپڑوں اور غبار آلود رخساروں سے شند ہوا نہیں اٹھیلیاں کر رہی تھیں۔ ان سے زائر عقاب تھے، اور ملاقاتی گدھے۔“

جب یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، اور بولا ”بس کرو، میں تمہاری فرمانبرداری کی داد دیتا اگر تم حسینؑ کو قتل نہ کرتے، خدا کی مار ابن مر جانہ (عبید اللہ بن زیاد) پر، خدا کی قسم اگر حسینؑ کا سابقہ مجھ سے پڑا ہوتا تو میں اس سے درگزر کرتا، خدا رحم کرے ابو عبد اللہ (حسینؑ) پر“ اس کے بعد تمثیلاً یہ شعر پڑھا۔

نے پہلو تہی کی تھی، چنانچہ اس نے کہا۔

ترجمہ:-

۱۔ میں جب تک زندہ ہوں مجھے یہ (تلخ احساس، ہمدامت) پریشان کرتا رہے گا، یہ (تنگی) میرے طلق اور نیلی کے مابین گرداں رہتی ہے۔ (جی کو جلاتی ہے اور بیان نہیں ہو پاتی)

۲۔ حد ہے کہ حسینؑ مجھ سے مدد طلب کر رہے تھے اہل عداوت و ففاق کے خلاف

۳۔ اور غمناک لہجے میں کہ رہے تھے ”کیا تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟“ میں اس صبح کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔

۴۔ اگر کسی زندہ انسان کے دل کو رنج و اندوس پھاڑ سکتا تو یقیناً میرا دل پھٹ جاتا۔

ازاں بعد وہ ابن زیاد سے بگڑ کر سرزمین جہل کی طرف نکل گیا۔

فقراء کو فہ کی ایک اچھی خاصی جمعیت اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

عبداللہ بن زبیرؓ

کہتے ہیں کہ جب ابن زبیرؓ مکے پہنچے اور حسینؑ نے کوفہ کی راہ لی، تو وہ (ابن زبیرؓ) کہا کرتے تھے ”میں حلقۂ اطاعت سے باہر نہیں ہوں، مگر میں کسی کی بیعت نہیں کروں گا، میں تو بیت اللہ میں پنا گزیں ہوں۔“

چنانچہ یزید بن معاویہؓ نے ایک شخص کو اپنے حفاظتی دستے کے دس سپاہیوں کے ہمراہ ان کے پاس بھیجا اور کہا ”جاؤ اور معلوم کرو کہ ان کا عندیہ کیا ہے۔ اگر وہ اطاعت کا دم بھرتے ہیں تو ان سے بیعت لے لو اور اگر انکار کرتے ہیں تو مشکلیں کس

کے میرے پاس لے آؤ۔

جب محافظ نے ابن زبیرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے آنے کا مقصد

بیان کیا تو انہوں نے حسب حال یہ شعر پڑھا۔

مَاءُ نَالِيْنَ لِيَسْبِرَ الْحَقُّ اَسَالَهُ

حَتَّى يَكْلِمَنَ لِضَرْسِ الْمَاضِغِ الْحَبْرَ

”میں کسی ناحق مطالبے کے بارے میں اُس وقت تک نرم نہیں پڑ سکتا جب

تک کسی چبانے والے کی داڑھوں کے لیے پتھر نرم نہ پڑ جائیں۔“

اور پھر محافظ سے کہا ”اپنے آقاے پاس جاؤ اور کہو کہ میں اس کی کوئی بھی بات

نہ مانوں گا۔“ محافظ نے پوچھا ”کیا آپ اقرار اطاعت نہیں کرتے؟“

جواب دیا ”کرتا ہوں، یہ الگ بات ہے کہ میں تجھے اپنے اوپر قابض نہیں

ہونے دینا چاہتا۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ میں کبھی بھی ایسا ہونے دوں۔“ محافظ یزید کے

پاس واپس چلا گیا اور جا کے صورت حال بیان کر دی۔

اب یزید نے شام کے بیس اکابر کو روانہ کیا جن میں نعمان بن بشیر اور عبداللہ

بن عضاۃ اشعری (جو مرد صالح تھا) اور مسلم بن عقبہ، (اس پر خدا کی مار) شامل تھے

اور ان سے کہا ”جاؤ اور ان سے کہو کہ اطاعت کریں، جماعت میں داخل

ہوں، انہیں یہ بھی بتادو کہ مجھے سب سے عزیز وہ بات ہے جو سلامتی کی ضامن ہو۔“

وہ لوگ رخصت ہو کر مکے پہنچے، پھر حضرت ابن زبیرؓ سے مسجد (حرم) میں

مئے، انہیں اطاعت کی دعوت دی، اور بیعت کر لینے کو کہا۔

اس پر ابن زبیرؓ نے ابن عضاۃ سے کہا ”کیا اس حرم میں میرے ساتھ

لڑنا حلال ہوگا“ ابن عضاتہ نے جواب دیا ”ہاں اگر آپ امیر المؤمنین کی اطاعت نہ کریں۔“

ابن زبیرؓ نے کہا ”کیا اس کبوتر کا مارنا حلال ہے؟“ ساتھ ہی مسجد حرام کے کبوتروں میں سے ایک کی طرف اشارہ کیا، اس پر ابن عضاتہ نے کمان اٹھائی، تیر جوڑا اور کبوتر کی طرف شت باندھ کے کہا ”اے کبوتر تو امیر المؤمنین کا نافرمان ہے؟“ اور پھر ابن زبیرؓ کی طرف مڑ کے دیکھا اور کہا ”اگر وہ“ ہاں“ کہہ دیتا۔ تو میں اسے ہلاک کر دیتا۔“

پھر ابن زبیرؓ نے نعمان بن بشیرؓ سے تنہائی میں بات کی اور کہا ”میں تمہیں خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ تیرے نزدیک میں افضل ہوں کہ یزید؟“

کہا ”آپ۔“

پوچھا ”کیا میرے والد بہتر ہیں یا یزید کے؟“

کہا ”آپ کے۔“

پوچھا ”میری والدہ بہتر ہیں یا یزید کی؟“

کہا ”آپ کی۔“

پوچھا ”میری خالہ بہتر ہیں یا یزید کی؟“

کہا ”آپ کی۔“

پوچھا ”میری چھوٹی بہن بہتر ہیں یا یزید کی؟“

کہا ”آپ کی۔ آپ کے والد زبیرؓ، والدہ اسماء بنت ابی بکر، خالہ حضرت

عائشہ اور چھوٹی بھی خدیجہ بنت خویلد۔“

پوچھا ”پھر بھی تم یہی مشورہ دیتے ہو کہ میں یزید کی بیعت کر لوں؟“

نعمان بن بشیرؓ نے کہا ”اگر آپ میرا مشورہ چاہتے ہیں تو میں آپ کو یہ رائے

نہ دوں گا، اور آئندہ کبھی آپ کے پاس آؤں گا بھی نہیں؟“

پھر جلد ہی یہ لوگ واپس شام چلے گئے، اور جا کے یزید کو بتا دیا کہ ابن زبیرؓ نے کوئی بات نہیں مانی۔ اس پر مسلم بن عقبہ مری نے یزید سے کہا ”اے امیر المؤمنین! ابن زبیرؓ نے نعمان بن بشیرؓ سے تنہائی میں کچھ باتیں کی تھیں، ہمیں معلوم نہ ہو سکا وہ کیا تھیں، البتہ یہ جو رائے لے کر آپ کے یہاں سے گئے تھے اس سے مخلف رائے کے حامل واپس آئے ہیں۔“

جب یہ لوگ ابن زبیرؓ کے یہاں سے رخصت ہو کر چلے گئے تو ابن زبیرؓ نے اہل تہامہ و حجاز کے اکابر کو بلایا اور ان سے اپنی بیعت کر لینے کو کہا، کبھی نے بیعت کر لی، البتہ عبداللہ بن عباس، اور محمد بن حنفیہ نے انکار کر دیا۔

پھر ابن زبیرؓ نے حکم دیا کہ مکہ و مدینہ سے یزید کے گورنر کو نکال دیا جائے، چنانچہ وہ نکال دیے گئے۔ مروان (بھی) اپنے بچوں اور دیگر اہل خانہ کو لے کر شام میں چلا گیا۔

جب یزید بن معاویہؓ یہ ہنگامہ یہ اطلاع پہنچی کہ اہل تہامہ و حجاز نے ابن زبیرؓ کی بیعت کر لی ہے تو اُس نے حصین بن غیر سکونی، حبیش بن دحجہ قینی، اور روح بن زنباع جذامی کو بلایا اور ہر ایک کو ایک لشکر کا سردار مقرر کر دیا اور پھر ان سب کو مسلم بن عقبہ مری کے ماتحت کر کے اُسے کماندار اعلیٰ بنادیا۔ جب ان عساکر کو رخصت کیا تو خود بھی مشایعت میں ”دبرہ“ نامی چشمے تک گیا۔ اس چشمے سے زیادہ اور کوئی شامی چشمہ حجاز

سے قریب نہ تھا، جب یزید نے انہیں واداع کیا تو مسلم سے کہا ”اے مسلم شامیوں کو اپنے دشمن سے بننے دینا، ان کا ہاتھ نہ روکنا، بیشک مدینے کا رخ کرو۔ اگر اہل مدینہ تم سے لڑیں تو لڑ جاؤ، اور جب فتح پالو تو پھر تین روز تک اس شہر کو خوب لوٹو، یہ کہہ کے تمہیں شعر پڑھا۔

ترجمہ ”جب سوار چڑھ دوڑیں اور وادی مکہ میں جا داخل ہوں تو ابو بکر (ابن زبیر) سے پوچھنا کہ یہ لشکر جو تم دیکھ رہے ہو مخمور شخص کے ہو سکتے ہیں (یا کسی مستعد ہوشیار شخص کے)۔“

وجہ اس کی یہ ہے کہ ابن زبیرؓ کو مخمور (سکران) کہا کرتے تھے۔

جب اہل مدینہ کو لشکر کے آنے کا علم ہوا تو جنگ کے لیے تیار ہو گئے، قریش نے اپنی قیادت عبداللہ بن مطیع عدوی کے سپردی اور انصار نے عبداللہ بن حنظلہ راحب کے (یہ وہی بزرگ ہیں جنہیں غسیل الملائکہ کہا جاتا تھا)..... پھر یہ سب لوگ حرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور وہاں معسکر قائم کر لیا۔

آخر لشکر یزید ان کے پاس آن پہنچا، اور گھمسان کی جنگ رونما ہوئی، کشتوں کے پستے لگ گئے۔

ازاں بعد شامیوں کے ایک گروہ نے پیش قدمی کی اور بنی حارثہ کے محلے کی جانب سے مدینے میں داخل ہو گیا..... یہ بنی حارثہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے (جنگ خندق کے موقع پر) کہا تھا ان بنی یوتنا عؤرۃ (ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں) یہ لوگ اپنے سامنے والوں سے لڑنے میں مصروف رہے، انہیں خبر بھی نہ ہوئی اور اہل شام نے انہیں پیچھے سے مارنا شروع کر دیا..... بہر حال امیر انصار عبداللہ بن حنظلہ انصاری

مارے گئے، اس طرح عمرو بن حزم قاضی مدینہ بھی ہلاک ہو گئے، اور پھر اہل شام نے سہ شہانہ روز مدینے میں لوٹ مار کا بازار گرم کیے رکھا۔

جب چوتھا دن آیا تو مسلم بن عقبہ نے دربار لگایا اور اہل مدینہ کو بیعت کے لیے بلوایا، سب سے پہلے جو بزرگ آئے وہ یزید بن عبداللہ بن ربیعہ ابن اسود تھے۔ یہ حضرت ام سلمہ زوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے۔

مسلم نے ان سے کہا ”میری بیعت کرو“

جواب دیا ”میں کتاب الہی، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بنا پر تمہاری بیعت کروں گا۔“

اس پر مسلم نے کہا ”نہیں بلکہ بیعت کرو اس اقرار کے ساتھ کہ تم امیر المؤمنین کی چراگاہ ہو، وہ تمہارے اموال و اولاد کے معاملے میں جو چاہیں کریں، انہیں حق حاصل ہے۔“

یزید بن عبداللہ نے اس شرط پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا، لہذا مسلم نے ان کی گردن کنوادی، پھر محمد بن ابی جہم بن حذیفہ عدوی پیش ہوئے، ان سے مسلم نے کہا ”تمہی وہ شخص ہو کہ امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اور انہوں نے تمہاری عزت و تکریم کی تھی۔ تمہیں انعام و ہدایا سے نوازا تھا، مگر تم نے مدینے میں واپس آ کے یہ گواہی دی کہ امیر المؤمنین شراب پیتے ہیں، خدا کی قسم تم پھر بھی جھوٹی گواہی نہ دو گے، مارد گردن اسکی“..... چنانچہ ان کی گردن ماری گئی۔

پھر معقل بن سنان الشجعی آئے جو بنو ہاشم کے حلیف تھے۔ ان سے مسلم نے کہا ”یاد ہے کہ ایک روز تم بہ مقام طبرہ میرے پاس سے گزرے تھے، میں نے تم سے

پوچھا تھا کہاں سے آئے ہو؟ تم نے جواب دیا تھا ”ایک ماہ گرداں رہے، ہمارے اونٹ لائے ہو گئے اور ہم خالی ہاتھ لوٹ آئے۔ اب ہم مدینے جا کر اس فاسق یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دیں گے اور اولادِ مہاجرین میں سے سی کی بیعت کر لیں گے۔“

تو یہ جان لو کہ میں نے اسی روز قسم کھالی تھی کہ اگر کہیں مجھے تم پر قدرت حاصل ہوئی تو میں تمہیں موت کے گھاٹ اتار کے دم لوں گا۔ اے احمق! اب خدا نے مجھے تم پر قادر کر دیا ہے۔ اے اشیع کجاقو، جا خلافت کہ تو جسے چاہے معزول کرے اور جسے چاہے مامور کرے۔ مار دو گردن اس کی۔“

ازاں بعد، عمرو بن عثمان پیش ہوئے، اُن سے مسلم نے کہا ”تو ہے غبیث بن طیب، جب اہل شام فتح ہوئے تو تو کہتا ہے میں عثمان بن عفان کا فرزند ہوں، اور جب اہل حجاز کو کامیابی حاصل ہو تو کہتا ہے میں تمہیں میں سے ہوں، اور پھر تو اتہام طرازی کر کے امیر المؤمنین کے خلاف دلوں میں نفرت بھٹاتا ہے۔“ مؤمن دوادھی مونچھ ان کی۔“

چنانچہ ان کی ڈاڑھی مونچھ نوج ڈالی گئی، ایک بال بھی باقی نہ رہنے دیا گیا۔ یہ دیکھ کے عبدالملک بن مروان نے آکے مسلم سے کہا ”انہیں ازراہ بخشش میرے حوالے کر دو۔“ چنانچہ مسلم نے انہیں عبدالملک کے حوالے کر دیا۔ عمرو بن عثمان کے بعد علی بن حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالبؓ آئے۔ مسلم نے انہیں اپنے عالیچے پر بٹھالیا اور کہا ”مجھے امیر المؤمنین نے آپ کے حق میں شدید تاکید کی تھی، علیؓ نے جواب دیا ”اہل مدینہ نے جو کچھ کیا مجھے بالکل پسند نہ تھا۔“

مسلم ہوا ”بجا۔ اور پھر انہیں ایک خچر پر سوار کرایا اور ان کے گھر کی طرف

روانہ کر دیا، اب مسلم نے علی بن عبداللہ بن عباس کے پاس آدمی بھیجا کہ انہیں بیعت کرنے کے لیے لایا جائے۔ چنانچہ انھیں گھر سے نکال لایا گیا۔ راستے میں ان کی ملاقات حصین بن نمیر سے ہوئی، اس نے انہیں فوجداروں سے چھڑوا لیا۔ حصین بن نمیر ہی بن عبداللہ کے نانہال میں سے تھے۔ اس پر مسلم نے کہا ”میں نے اس کی طرف آدمی بھیجا تھا وہ آکے بیعت کرے، اسے لے کر آؤ۔“ چنانچہ حصین نے عبداللہ کو بلوایا، عبداللہ آیا، اور بیعت کر لی۔

بنت اشعث بن قیس نے جو حضرت حصینؓ بن علیؓ کی زوجہ تھیں مسلم کے پاس پیغام بھیج کر مطلع کیا کہ اُن کا گھر لوٹ لیا گیا ہے۔ اس پر مسلم نے حکم دیا کہ ان کے گھر سے جو کچھ لوٹا گیا تھا لوٹا دیا جائے۔ اس کے بعد مسلم نے سکے کی راہ لی، اور یزید کو لکھ بھیجا کہ اس نے مدینے میں کیا کارروائی کی ہے۔

مگر جب مسلم بمقام ہرشی پہنچا تو بیمار ہو گیا اور بیماری نے شدت اختیار کر لی، جب موت کی گھڑی سر پر آن پہنچی تو کہا ”مجھے سہارا دو۔“ سہارا دیا گیا تو بولا ”مجھے امیر المؤمنین نے حکم دیا تھا کہ اس مہم کے دوران میں اگر میرے ساتھ کوئی حادثہ گزر جائے تو میں اپنی جگہ حصین بن نمیر کو کماندار عسا کر مقرر کر دوں، ویسے اگر اختیار میرا اپنا ہوتا تو میں اپنا جانشین اسے برگزینہ بنا تا، اس لیے کہ نرم خوئی اہل یمن کی خصلت ہے تاہم میں امیر المؤمنین کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا۔“

ازاں بعد کہا ”اے حصین! جس روز سکے پہنچو اسی روز ابن زبیرؓ کے خلاف اعلان جنگ کر دو، اور اہل شام کو اپنے دشمن کے خلاف جو کارروائی وہ کرنا چاہیں کرنے دو، اُن کا ہاتھ مت روکو قریش کی باتوں پر کان نہ دھرنا، وہ تمہیں دھوکا دیں گے۔“ یہ

کہا اور چل بسا، موت اُس کی خناق کے باعث ہوئی تھی۔ خناق یعنی DIPHTHERIA ایک خاص قسم کے جراثیم جس سے حلق خراب ہو جاتا ہے۔ حلق میں تیزی سے ایک زہریلا

مادہ پیرا ہو جاتا ہے۔ اس مرض میں حرکت قلب بند ہونے یا سانس نہ لے سکنے کی وجہ سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

بہر حال اب حصین بن نمیر نے لشکر کی کمان سنبھالی اور کوچ کرتا ہوائے میں جا اتر۔ ابن زبیر اپنے رفقاء سمیت مسجد حرام میں قلعہ بند ہو چکے تھے، لہذا حصین بن نمیر نے کوہ البقیع پر تختیں نصب کر دیں، اور مسجد حرام پر سنگباری شروع کر دی۔

یہ لوگ اسی عالم میں تھے کہ حصین بن نمیر کے پاس یزید بن معاویہ کے وفات پا جانے کی خبر پہنچی۔ چنانچہ اس نے عبداللہ بن زبیر کے پاس پیغام بھیجا کہ جس شخص نے مجھے آپ سے لڑنے کے لیے روانہ کیا تھا۔ رحلت کر گیا ہے۔ کیا اب آپ صلح کرتے ہیں؟ کیا ہمارے لیے حرم کے درکھولتے ہیں، کہ ہم طواف کر لیں اور لوگ ایک دوسرے سے مل جل لیں۔

عبداللہ بن زبیر نے یہ بات مان لی اور مسجد حرام کے درکھول دیے۔ لہذا حصین اور اس کے ساتھیوں نے کعبے کا طواف شروع کر دیا۔ اسی روز درازاں حالیکہ حصین بعد عشاء طواف میں مصروف تھا، اس کا سامنا ابن زبیر سے ہو گیا۔ اس نے انہیں بازو سے پکڑا اور رازدارانہ کہا ”کیا آپ میرے ہمراہ شام جاسکتے ہیں؟ میں وہاں لوگوں کو دعوت دوں گا کہ وہ آپ کی بیعت کر لیں۔ اب خلافت کا معاملہ گڈم ہو گیا ہے اور میں آپ سے زیادہ کسی کو مستحق نہیں جانتا۔ مجھے توقع ہے کہ شام میں میری بات رونہ کی جائے گی۔“ مگر ابن زبیر نے اپنا ہاتھ حصین کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور بہ آواز بلند بولے ”جب تک میں ایک حجازی کے بدلے دس شامیوں کو قتل نہ کر لوں یہ بات ممکن نہیں۔“ چنانچہ حصین نے کہا ”جھوٹا ہے وہ شخص جس نے آپ کو عرب کے مدبرین میں شمار کیا۔ میں آپ سے سرگوشی میں بات کرتا ہوں۔ آپ علی الاعلان جواب دیتے ہیں۔ میں آپ کو خلافت کی پیشکش کرتا ہوں اور آپ دعوت جنگ دیتے ہیں؟“ جلد ہی حصین

نے اپنی جمعیت سمیت شام کی راہ لی اور جب جب مدینے کے پاس سے گزرا تو پتہ چلا کہ اہل مدینہ اس سے بارگزر جنگ کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ چنانچہ اس نے اہل شہر کو بلایا اور پوچھا ”آپ لوگوں کے بارے میں مجھ تک یہ کیا بات پہنچ رہی ہے؟“ اس پر انہوں نے معذرت کر لی اور کہا ”ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔“

ابو ہارون عہدی کا بیان ہے کہ ”میں نے ابو سعید خدری کو دیکھا تھا۔ اس وقت ان کی ریش سفید تھی۔ ریش کے دونوں پہلو غائب تھے۔ درمیانی حصہ باقی تھا۔ چنانچہ میں نے پوچھا ”اے ابو سعید! یہ آپ کی ڈاڑھی کا کیا عالم ہے۔“ بولے ”یہ کارنامہ یوم حرہ کو ظالم شامیوں نے سرانجام دیا تھا۔ وہ میرے گھر میں گھس آئے اور جو کچھ وہاں تھا لوٹ لیا۔ وہ پیالہ بھی اڑا لیا جس میں میں پانی پیتا تھا۔ جب وہ چلے گئے تو دس نفر اور آ گئے۔ میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا۔ انہوں نے گھر کی تلاشی لی۔ وہاں کچھ نہ پایا، لہذا رنجیدہ ہوئے اور مجھے مصلیٰ پر سے اٹھا کے زمین پر دے مارا۔ پھر ان میں سے ہر شخص نے بڑھ کر میری ڈاڑھی نوچنی شروع کر دی۔ جہاں سے تمہیں اڑی ہوئی نظر آتی ہے، وہاں سے نچ گئی تھی۔ جو باقی دکھائی دیتی ہے وہ منیٰ میں دھنس ہونے کے باعث نچ رہی۔ منیٰ کے اندر ان کے ہاتھ نہ پڑے۔ میں اس ڈاڑھی کو اسی صورت میں بحال رکھوں گا اور خدا کے سامنے اسی طرح پیش ہوں گا۔“

باب ششم

خوارج پر تلہیس ابلیس

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ کی تلہیس ابلیس کی روشنی میں۔

خوارج پر تلہیس ابلیس

امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور و معروف کتاب ”تلہیس ابلیس“ میں انسانی زندگی کو تباہ و برباد کرنے کے لیے طرح طرح کے شیطانی مکرو فریب اور دوسوں کی نشان دہی کی ہے۔ مثلاً والیان ملک اور صاحبان اختیار و اقتدار، اولیاء اللہ، نیک اور صالح بندوں پر۔ نمازیوں پر علیٰ ہذا القیاس اس کتاب میں ایک باب میں خوارج پر تلہیس ابلیس کا بالتفصیل بیان کیا ہے۔ چونکہ زیر نظر کتاب میں خوارج کے ایک بہت بڑے گھناؤنے کردار کا ذکر بار بار آیا ہے اسی لیے مناسب سمجھا گیا ہے کہ قارئین بھی ایسے شیطانی مکرو فریب سے آگاہ ہو سکیں۔

ابن الجوزی کہتا ہے کہ خوارج میں سب سے اول اور سب سے بدتر شخص کا نام ذوالخوہرا تھا۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ علیؓ نے یمن سے کماٹے ہوئے چمڑے کے ٹھیلے میں کافی سونا بھیجا۔ یہ سونا خاک میں مخلوط تھا۔ اس سے صاف نہیں کیا گیا تھا۔ اس کو آنحضرت ﷺ نے زید الخلیل، اقرع بن حابس، عیینہ بن حصن اور علقمہ بن علاشہ یا عامر بن الطفیل چار آدمیوں میں تقسیم کیا۔ عمارہ راوی کو شک ہے کہ علقمہ بن علاشہ کا نام لیا تھا یا عامر بن طفیل کا اس وجہ سے بعض صحابہؓ اور انصار وغیرہ کو کچھ آزر دگی ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ مجھے امین نہیں سمجھتے حالانکہ میں آسمان والے کا امین ہوں۔ مجھے ہر صبح و شام آسمان سے خبر پہنچتی ہے۔ پھر آپ کے پاس ایک شخص آیا۔ جس کی آنکھیں اندر گھسی ہوئی پیشانی ابھری ہوئی، گالوں کا گوشت چڑھا ہوا تھا، داڑھی کے بال بہت گھنے تھے، پنڈلیوں پر اونچی ازار (لنگی) باندھے اور سر

گھٹائے (منڈائے ہوئے) تھا۔ اُس نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ خدا سے ذرا (انصاف کرو) آنحضرت ﷺ نے اس کی طرف سر اٹھا کر فرمایا کہ کیا میں خدا تعالیٰ سے تقویٰ کرنے میں سب سے بڑھ کر لائق نہیں ہوں۔ پھر وہ شخص پیٹھ پھیر کر چالے لگا تو خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا اس کی گردن نہ مار دوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شاید وہ نماز پڑھتا ہو تو خالد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حضرت! بعض نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ منہ سے وہ کہتے ہیں جو اُن کے دل میں تھیں ہوتا تو آنحضرت نے فرمایا کہ مجھے تو حکم نہیں دیا گیا کہ لوگوں کے دل چیر کر دیکھوں اور نہ ان کے پیٹ پھاڑوں۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اُس شخص کی طرف نگاہ کی اور وہ پیٹھ پھیرے جا رہا تھا تو فرمایا کہ تم آگاہ رہو کہ اس کے جھٹے سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھیں گے وہ اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور دین سے ایسے نکل جاویں گے جیسے نشا نہ سے تیر نکل جاتا ہے۔ مصنف نے کہا کہ یہ شخص جس نے اس طرح بے ادبی سے کلام کیا تھا اس کا نام ذوالخولصرہ تھی تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اُس نے آکر کہا کہ عدل کرو تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ارے تیرا اہو اگر میں بھی عدل نہ کروں تو کون شخص عدل کرے گا۔ مصنف نے کہا کہ دین اسلام میں یہ سب سے پہلا خارجی تھا۔ اُس کمبخت پر آفت یہ پڑی کہ وہ اپنے نفس کی رائے پر نازاں ہوا۔ اگر وہ ذرا صبر کرتا تو جان لیتا کہ رسول اللہ ﷺ کی رائے سے بہتر کسی کی رائے نہیں ہو سکتی۔ اسی خارجی شخص سے صحابہ کرامؓ نے حضرت امیر المؤمنین علیؓ سے جنگ کی تھی۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان لڑائی بہت مدت تک قائم رہی تو معاویہؓ کے اصحاب نے مصاحف بلند کئے اور اصحاب علیؓ کو دعوت دی

کہ جو کچھ مصاحف مجید میں ہے اس پر ہم اور تم راضی ہو جاویں۔ اور کہا کہ ایک شخص تم اپنے لوگوں میں سے بھیجو اور ایک شخص ہم اپنی طرف سے بھیجیں اور ان سے عہد لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کریں۔ سب لوگوں نے کہا کہ ہم اس پر راضی ہیں۔ چنانچہ اہل شام نے عمرو بن العاصؓ کو بھیجا۔ اور اہل عراق نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ ابو موسیٰ اشعرئؓ کو بھیجئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میری رائے نہیں ہے کہ ابو موسیٰ کو بھیجوں جو سادہ دل ہیں۔ یہ ابن عباسؓ موجود ہے ان کو کیوں نہ بھیجوں۔ لوگوں نے کہا کہ ان کو ہم نہیں چاہتے کیوں کہ یہ تو آپ کی ذات کے مانند آپ کے قرائتی ہیں۔ آخر آپ نے ابو موسیٰ اشعرئؓ کو بھیجا۔ اور حکم فیصلہ میں رمضان تک تاخیر ہوئی۔ پس عروہ بن اذینہ نے کہا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم میں لوگوں کو حکم بناتے ہو۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے۔ **إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ** حکم نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے (اور یہ شخص مع اپنے تابعین کے جماعت سے خارج ہو گیا) جب حضرت علیؓ مقام صفین سے واپس ہو کر کوفہ میں داخل ہوئے تو خوارج آپ کے ساتھ کوفہ میں داخل نہ ہوئے بلکہ انہوں نے موضع حروراء (کوفہ کے قریب مقام) میں اپنا جتھا جمایا۔ حتیٰ کہ وہاں بارہ ہزار خوارج جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ **لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ** اور یہی خوارج کے ظاہر ہونے کی ابتدا ہے۔ خوارج کے لشکر میں ان کے منادی نے آواز دی کہ جنگ کے موقع پر ہبیٹ بن ربیع تمہیں سردار ہے اور نماز پڑھانے میں عبداللہ بن الکواء یشکری سردار ہے۔ واضح ہو کہ خارجی لوگ بہت عبادت کیا کرتے تھے۔ مگر ان کی حماقت کا یہ اعتقاد تھا کہ وہ لوگ علی بن ابی طالبؓ سے بڑھ کر عالم ہیں اور یہی ان کا سخت مہلک مرض تھا۔

ابن عباسؓ نے روایت کیا کہ جب خوارج الگ ہوئے تو ایک احاطہ میں جمع

ہوئے اور وہ یہاں چھ ہزار تھے۔ سب نے اتفاق کیا کہ حضرت امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب پر خروج کریں۔ لوگ ایک ایک دو دو برابر آتے اور خبر دیتے کہ اے امیر المؤمنین یہ گروہ آپ پر خروج کرنے والا ہے۔ تو حضرت امیر المؤمنین فرماتے کہ ان کو چھوڑو۔ میں اُن سے قتال نہیں کرتا جب تک وہ مجھ سے قتال نہ کریں۔ یہ وقت قریب ہے کہ جب وہ لوگ خود ایسا کریں گے۔ پھر ایک روز نماز ظہر سے پہلے میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا اے امیر المؤمنین ذرا ظہر کی نماز میں ٹھنڈے وقت تک تاخیر کیجئے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ اس گروہ خوارج میں جا کر ان سے گفتگو کروں۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے ان کی طرف سے آپ کی ذات پر خوف ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جی نہیں آپ مجھ پر کچھ خوف نہ کیجئے۔ اور میں ایک شخص نیک خلق ملنسار تھا۔ کسی کو ایذا نہیں دیتا تھا۔ آپ نے مجھے اجازت دی تو میں نے بہتر پیش قیمت حلہ پہنا اور روانہ ہو کر اُن خارجیوں کے یہاں پہنچا۔ دو پہر کا وقت تھا میں نے وہاں ایسی قوم کو دیکھا جن سے بڑھ کر عبادت میں کوشش کرنے والی قوم میں نے نہ دیکھی تھی۔ ان کی پیشانیوں پر سجدے کی کثرت سے زخم پڑ گئے تھے ان کے ہاتھ گویا اونٹ کے دست تھے جو زمین پر ٹپکنے سے غبار آلود ہو جاتے ہیں۔ ان کے بدن پر حقیر قمیصیں تھیں۔ انکی ازاریں ٹخنوں سے بہت اونچی تھیں اور راتوں کو عبادت میں جاگنے سے ان کے چہرے خشک ہو رہے تھے۔ میں نے اُن کو سلام کیا تو انہوں نے کہا کہ مرحبا ابن عباس آپ اس وقت کس غرض سے تشریف لائے۔ میں نے کہا کہ میں تمہارے پاس مہاجرین و انصار کے پاس سے آیا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے داماد کے پاس سے آیا ہوں۔ انہیں لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور یہ لوگ قرآن کے معنی تم سے زیادہ سمجھتے ہیں۔

میری گفتگو سن کر اُن میں سے ایک قوم نے کہا کہ (یہ شخص قریش میں سے ہے اور) تم قریش سے مناظرہ مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے حق میں فرمایا ہی کہ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ یعنی یہ لوگ جھگڑالو (جھٹ باز) قوم ہیں۔ پھر اُن میں سے دو تین آدمیوں نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم اُن سے مباحثہ کریں گے۔ تب میں نے کہا تم لوگ وہ الزامات بیان کرو جو تم نے رسول اللہ ﷺ کے داماد پر اور مہاجرین و انصار پر لگائے ہیں۔ حالانکہ انہی لوگوں پر قرآن نازل ہوا ہے اور ان میں سے کوئی بھی تم میں شامل نہیں ہے۔ اور وہ لوگ قرآن کے معنی و مطالب تم سے زیادہ جانتے ہیں۔ خوارج نے کہا کہ وہ تین باتیں ہیں۔ میں نے کہا کہ اچھا اُن کو بیان کرو۔ کہنے لگے کہ ایک یہ ہے کہ علیؑ نے خدا کے معاملہ میں لوگوں کو ثالثی (فیصلہ کرنے والا) بنایا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰہِ یعنی حکم کسی کا نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ تو اس قول الہی کے بعد آدمی کو حکم سے کیا تعلق رہا۔ میں نے کہا کہ یہ تو ایک ہوا اور کیا ہے کہنے لگے کہ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ علیؑ نے لوگوں سے قتال کیا مگر نہ مخالفوں کو لوٹتی غلام بنایا اور نہ اُن کا مال لے کر غنیمت جہادی ٹھہرایا۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ جن سے قتال کیا اگر وہ مؤمنین تھے تو ہم کو اُن سے لڑنا حلال نہیں اور نہ اُن کو لوٹتی غلام بنانا حلال ہے۔ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ علیؑ نے ثالثی فیصلہ کا عہد نامہ لکھواتے وقت امیر المؤمنین کا لقب اپنے نام سے منادیا۔ پس وہ اگر امیر المؤمنین نہیں ہیں تو امیر الکافرین ہوئے یعنی کافروں کے سردار ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا کچھ اس کے سوا بھی کوئی اعتراض باقی ہے۔ خوارج نے کہا کہ بس یہی (اعتراضات) کافی ہیں۔ میں نے کہا کہ پہلا قول تمہارا یہ کہ امر الہی میں علیؑ نے لوگوں کو حکم بنایا ہے۔ بھلا اگر میں تم پر کتاب الہی

سے ایسی آیات تلاوت کروں جن سے تمہارا قول ٹوٹ جائے تو کیا تم اپنے قول سے توبہ کر لو گے۔ کہنے لگے کہ ہاں۔ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک خرگوش کے معاملہ میں جس کی قیمت چوتھائی درم ہوتی ہے دوسروں کے حکم پر اس کا فیصلہ راجع کر دیا اور میں نے یہ آیت پڑھی۔ لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ الْآيَةُ یعنی احرام کی حالت میں شکار کے قتل سے ممانعت فرمائی۔ اور اگر کسی نے جرم کیا مثلاً ایک خرگوش مارا تو فرمایا کہ تم میں دو عادل مرد اس موقع پر جہاں جانور مارا ہے اس کی قیمت کا فیصلہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے عورت اور اس کے شوہر کے معاملہ میں فرمایا اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا الْآيَةُ یعنی مرد کی برادری سے ایک مرد اور عورت کی برادری سے ایک مرد بھیجو وہ دونوں اُن کے معاملہ میں حکم کریں۔ اب میں تم لوگوں کو اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ بھلا مردوں کا حکم لگانا اپنی درمیانی اصلاح حال میں اور خون ریزی روکنے میں افضل ہے یا کہ ایک خرگوش میں اور ایک عورت کے معاملہ میں افضل ہے۔ خوارج نے کہا کہ ہاں بیشک اصلاح ذاتی میں افضل ہے (کہ اس سے بڑی خون ریزی کا سد باب ہوا) میں نے کہا کہ اچھا میں تمہارے اس اعتراض کے جواب سے باہر ہوا (یعنی تم کو جواب مل گیا) کہنے لگے کہ ہاں میں نے کہا کہ رہا تمہارا دوسرا قول کہ علیؑ نے قتال کیا اور قیدی وغنیمت حاصل نہ کی۔ تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم اپنی ماں اُم المؤمنین عائشہؓ کو اپنی مملوکہ لوٹ لی بناؤ گے؟ واللہ اگر تم کہو کہ وہ ہماری ماں نہیں ہے تو تم اسلام سے خارج ہوئے اور اللہ اگر تم یہ کہو کہ ہم اُن کو مملوکہ بنادیں گے یا اُن سے بھی وہ بات حلال کریں گے جو دیگر عورتوں سے حلال ہوا کرتی ہے تو واللہ تم اسلام سے خارج ہو گئے۔ تم دو گمراہیوں کے بیچ میں گھرے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے النبی اولیٰ بالمؤمنین من

انفسہم وازواجه امہاتہم یعنی مؤمنوں کے حق میں پیغمبر اُن کی جان سے زیادہ پیارا اور حقدار ہے اور اس کی ازواج مطہرات اُن کی مائیں ہیں۔ پھر اب اگر تم کہو کہ ہماری ماں نہیں ہے، تو تم اسلام سے خارج ہو۔ اب بتلاؤ کہ میں تمہارے اس اعتراض کے جواب سے بھی باہر ہوا کہ نہیں۔ کہنے لگے کہ جی ہاں۔ میں نے کہا کہ رہا تمہارا یہ تیسرا قول کہ علیؑ نے امیر المؤمنین کا لفظ اپنے نام سے منادیا تو میں تمہارے پاس ایسے عادل گواہ لاتا ہوں جن کو تم مانتے ہو کہ جب حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکوں کے ساتھ صلح ٹھیکرائی تو مشرکوں کے سردار ابوسفیان، صخر بن حرب و سہیل بن عمرو وغیرہ کے ساتھ عہد نامہ لکھوایا اور علیؑ سے فرمایا کہ لکھو ہذا ما صالح علیہ محمد رسول اللہ۔ یعنی یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد رسول اللہ اور اُن کے مشرکوں نے کہا کہ واللہ یہ ہم نہیں جانتے کہ تم رسول اللہ ہو اور۔۔۔ اگر ہم بھی جانتے کہ تم رسول اللہ ہو تو ہم تم سے قتال نہ کرتے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ الھی تو جانتا ہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔ پھر فرمایا کہ اے علیؑ اس کو منادو اور یوں لکھو کہ یہ وہ صلح نامہ ہے جو محمد ابن عبد اللہ اور اہل مکہ نے لکھا۔۔۔ الخ اب تم دیکھو کہ واللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیؑ سے بہتر ہیں اور رسول اللہ کا لفظ اپنے نام سے منادیا۔ حالانکہ اس سے وہ رسول اللہ ہونے سے خارج نہیں ہو گئے۔ ابن عباسؓ بیان کرتے تھے (اس مکالمہ کے نتیجہ میں) خوارج میں سے دو ہزار آدمی توبہ کر کے واپس آئے اور باقی اپنی گمراہی پر مقتول ہوئے۔

جندب الزادیؓ نے کہا کہ جب ہم نے حضرت علیؑ کے ساتھ خوارج پر چڑھائی کی اور اُن کے لشکر گاہ کے قریب پہنچے تو اُن کی تلاوت قرآن کی آوازیں اس کثرت

سے آتی تھیں جیسے شہد کی مکھیاں کی جھنڈناہٹ ہوتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کہتا ہے کہ دوسری روایت میں ہے ہی کہ جب علیؑ نے ثالثی فیصلہ ٹھہرایا تو خوارج میں سے زمرہ بن البرج الطالی اور حرقوص بن زبیر السعدی دونوں حضرات علیؑ کے پاس آئے اور کہا کہ لا حکم الا للہ، حضرت علیؑ نے فرمایا کہ ہاں لا حکم الا للہ۔ تو حرقوص نے کہا کہ آپ اپنے گناہ سے توبہ کیجئے۔ اس ثالثی نامہ سے رجوع کیجئے اور ہم کو لے کر دشمنوں پر چلئے۔ ہم ان سے قتال کریں گے کہ کتاب الہی میں حکم لگاویں تو ہم خالص رضاۃ الہی کے واسطے آپ سے قتال کریں گے۔ پھر خوارج عبداللہ بن وہب الراسی کے گھر میں جمع ہوئے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی پھر کہا کہ جو قوم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہو اور حکم قرآن پر عامل ہو اس کو نہیں چاہیے کہ اس دنیا کے واسطے امر معروف اور نہی منکر اور حق بات کہنا چھوڑے۔ اب ہم تم سب چلو نکل کھڑے ہوں۔ پھر (بعد فیصلہ) حضرت علیؑ نے ان کو لکھا کہ اما بعد یہ دونوں آدمی جو باہمی رضا مندی سے حکم بنائے گئے تھے انہوں نے کتاب الہی کے خلاف کیا اور خواہش نفس کی پیروی کی اور اب ہم اپنی اولیٰ حالت پر ہیں۔ خوارج نے جواب دیا کہ آپ کو اپنے رب عزوجل کے واسطے کچھ غیظ نہیں آیا بلکہ یہ اپنے نفس کے واسطے آپ کا غصہ ہے۔ اب اگر آپ اپنے نفس پر گواہی دیں کہ آپ کافر ہو گئے تھے اور نئے سرے سے توبہ کریں تو البتہ ہم اپنے اور آپ کے معاملہ میں غور کریں ورنہ ہم اعلان سے تم کو اطلاع دیتے ہیں کہ ہمارے تمہارے درمیان لڑائی و قتال ہے۔

ایک روز خوارج راستہ میں جاتے تھے تو عبداللہ بن خطابؓ سے ملاقات ہوئی انہوں نے عبداللہ کو گرفتار کر لیا۔ اور کہا کہ تم نے اپنے باپ سے کوئی حدیث سنی جو وہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا ہو وہ ہم سے بیان کرو۔ عبداللہ نے کہا کہ ہاں میں نے اپنے باپ سے سنا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے فتنہ عظیم کا ذکر کیا جس پر بیٹھ جانے والا کھڑے سے بہتر ہوگا اور یہ کھڑا بہ نسبت چلنے والے کے بہتر ہوگا اور چلنے والا بہ نسبت دوڑنے والے کے بہتر ہوگا۔ اگر تجھ کو یہ فتنہ پہنچے تو تجھ کو چاہیے کہ مقبول بندہ ہو جائیو۔ خوارج نے کہا کیا تو نے یہ حدیث اپنے باپ سے سنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتا تھا۔ عبداللہ نے کہا ہاں۔ تو خوارج نے ان کو نہر کے کنارے کھڑا کر کے گردن مار دی چنانچہ ان کا خون نہر میں اس طرح رواں ہوا جیسے جوتی کا تسمہ ہوتا ہے۔ ان کی بیوی حاملہ تھیں ان کا پیٹ پھاڑ دیا۔ اور آگے بڑھ کر ایک ذمی کے باغ میں اترے۔ اُس کے درخت سے پھل گرا۔ اس کو ایک نے اپنے منہ میں ڈال لیا تو دوسرے نے کہا کہ بے طلت اور بغیر دامو کی اُس کو کھاتا ہے۔ اُس نے فوراً منہ سے نکال پھینکا (یعنی ان جابلوں کی یہ کم بختی تھی کہ ایک پھل کا یہ لحاظ اور عبداللہ بن خطابؓ کا خون بہانے میں اس قدر بیباکی) پھر ان میں سے ایک نے اپنی تلوار نکال کر ہلائی۔ اور ذمی نصرانیوں کے سوروہاں جاتے تھے۔ اُس نے ایک سورو پر تلوار آزمائی۔ تو دوسروں نے کہا کہ یہ ملک میں فساد کرنا ہوا۔ یعنی حرام ہے۔ تو اس نے جا کر سوروں کے مالک کو تلاش کر کے اس کو جس طرح ہو سکا راضی کر لیا۔ (نعوذ باللہ من جہالتهم) حضرت امیر المؤمنین علیؑ نے ان کے پاس آدمی بھیجا کہ جس شخص نے عبداللہ بن خطابؓ کو قتل کیا ہے اس کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کرو۔ خوارج نے جواب بھیجا کہ ہم سب نے اس کو قتل کیا ہے۔ حضرت امیر المؤمنین نے ان کو تین مرتبہ اسی طرح آواز دی اور ہر بار خوارج نے یہی جواب دیا۔ تب

حضرت امیر المؤمنینؑ نے اپنے لشکر سے فرمایا کہ اب تم اس قوم کی خبر لو۔ پس ذرا سی دیر میں سب خوارج مارے گئے۔ (یہ واقعہ نہروان بنی) خوارج لڑائی شروع ہونے کے وقت ایک دوسرے کو وعظ کرتے تھے کہ اپنے رب سے ملنے کے لیے آراستہ ہوا اور چلو جنت کو چلو۔ پھر ان خوارج کے مقتول ہونے کے بعد ایک جماعت اور خارج ہوئی۔ حضرت علیؑ نے ایک سردار کو اس کے قتال کے واسطے روانہ کیا۔ پھر عبدالرحمان بن ملجم (خارجی) اور اس کے ساتھی جمع ہوئے۔ اور اپنے بھائیوں پر جو نہروان میں مارے گئے تھے رحمت بھیجی اور کہنے لگے کہ ہم کو اب دنیا میں زندگی کا کیا لطف ہے جب کہ ہمارے وہ بھائی مارے گئے جو اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامتی کی ملامت سے نہیں ڈرتے تھے۔ اب ہم کو چاہیے کہ خدا سے اپنی جانیں جنت کے بدلے خریدیں۔ اور موقع تلاش کرتے رہیں، جب ان گم راہ سرداروں (حضرت علیؑ و معاویہؓ وغیرہ) کو غافل پاویں تو اپنے بھائیوں کے عوض ان کو قتل کر کے بندگان خدا کو راحت پہنچاویں۔

محمد بن سعد نے اپنے مشائخ سے روایت کی کہ خوارج کے تین سرداروں نے دیہات میں رہنا اختیار کیا تھا۔ ان کا نام عبدالرحمن ملجم اور برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر النہمی تھا۔ یہ لوگ مکہ میں (ایام حج میں) جمع ہوئے اور باہم عہد و پیمان باندھا کہ جس طرح ہو سکے تین آدمیوں یعنی علیؑ اور معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ کو قتل کریں اور مخلوق کو ان سے راحت پہنچا دیں۔ ان میں سے عمرو نے کہا کہ میں عمرو بن العاصؓ کے قتل کا ضامن ہوں۔ برک نے کہا کہ میں معاویہؓ کے قتل کا ضامن ہوں۔ اور ابن ملجم نے کہا کہ میں علیؑ کے قتل کا ضامن ہوں۔ پس سب نے عہد کیا کہ جس نے جس کے

قتل کا ذمہ لیا ہے اس میں عہد شکنی نہ کریگا۔ ابن ملجم کوفہ میں آیا اور جب وہ رات آئی جس میں ابن ملجم نے حضرت علیؑ کے شہید کرنے کا عزم مصمم کر لیا تھا تو حضرت علیؑ صبح کی نماز کے واسطے مسجد کی طرف نکلے، اور ابن ملجم مردود نے آپ کو تلوار ماری جو آپ کی پیشانی پر پڑی اور دماغ تک پہنچ گئی۔ آپ نے آواز دی کہ یہ شخص مجھ سے نہ پائے۔ پس وہ پکڑا گیا۔ ام کلثومؓ (آپ کی صاحبزادی) نے فرمایا کہ اے دشمن خدا تو نے امیر المؤمنین کو قتل کیا۔ اس مردود نے کہا کہ میں نے تو فقط تیرے باپ کو مارا ہے۔ ام کلثوم نے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ امیر المؤمنین کو اس زخم سے کچھ نقصان نہ ہوگا۔ ابن ملجم بولا کہ پھر تو کیوں روتی ہے۔ پھر بولا کہ واللہ میں نے اس تلوار کو ایک مہینہ تک زہر میں بچھایا ہے۔ اگر اب بھی اس نے کام نہ کیا تو خدا اس کا برا کرے۔ جب حضرت علیؑ نے انتقال کیا تو ابن ملجم قید خانہ سے نکالا گیا تاکہ قتل کیا جاوے۔ عبداللہ بن جعفر نے اس کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے تو اس نے کچھ جزع (آد و فریاد) نہ کیا۔ اور نہ بولا۔ پھر گرم تیغ سے اس کی آنکھوں میں سلائی پھیری تو بھی جزع نہ کیا۔ اور اقرأ باسم ربک الذی خلق پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ روشنی ختم کر دی اور اس حالت میں اس کی آنکھوں سے مواد جاری تھا۔ پھر اس کی زبان کاٹنے کا قصد کیا گیا تو وہ گھبرانے لگا۔ اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ مجھے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ دنیا میں کچھ دیر بھی ایسی حالت میں رہوں کہ اللہ کا ذکر نہ کر سکوں۔ ابن ملجم ایک شخص گندم گوں تھا جس کے چہرہ پر سجدہ کا گہرا نشان تھا۔

مصنف نے کہا کہ حضرت حسن بن علیؑ نے چاہا کہ حضرت معاویہؓ سے صلح کر لیں تو حضرت حسنؓ پر بھی ایک خارجی جراح بن شان نے خروج کیا۔ اور نیزہ مارا جو

آپ کی رائے مبارک کی جڑ میں لگا۔ خارجی نے کہا کہ تم نے اپنے باپ کی طرح شرک اختیار کیا۔ الغرض خوارج برابر امراء اسلام پر فروع کرتے رہے۔ اور ان کے مختلف مذاہب ہیں۔

نافع بن الازرق خارجی کے ساتھی یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جب تک ہم لوگ شرک کے ملک میں رہیں تب تک مشرک ہیں اور جب ملک شرک سے نکل جاویں تو مومن ہیں۔ اور کہتے تھے کہ جو کوئی ہمارے مذہب سے مخالف ہو وہ مشرک ہے۔ اور جس کسی سے کبیرہ گناہ سرزد ہو وہ مشرک ہے اور جو کوئی لڑائی میں ہمارے ساتھ نہ ہو وہ کافر ہے۔ اس فرق خوارج نے مسلمان بچوں اور عورتوں کا قتل بھی جائز رکھا اور ان کو مشرک قرار دیا۔ اس گروہ میں سے نجدہ بن عامر اشقی تھا۔ اس نے نافع بن الازرق سے صرف اس قدر اختلاف کیا کہ مسلمانوں کی جان و مال حرام ہیں۔ اور دعویٰ کیا کہ اس کی موافقت کرنے والوں میں سے جو گنہگار ہو گا وہ جہنم کی آگ کے سوا دوسری آگ سے عذاب کیا جائے گا اور جہنم میں صرف وہی جائیں گے جو اس کے مذہب سے مخالف ہیں۔

ابراہیم الخارجی نے کہا کہ (دیگر مسلمان) قوم کفار ہیں۔ اور ہم کو ان کے ساتھ نکاح بیاہ کرنا اور میراث کا حصہ بانٹ کرنا جائز ہے۔ جیسے ابتداء اسلام میں جائز تھا۔ بعض خوارج کا قول تھا کہ اگر کسی نے یتیم کے مال سے دو پیسے کھائے تو اس پر جہنم کی آگ واجب ہوگئی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر (یتیم کا مال کھانے پر) آتش جہنم کی وعید فرمائی ہے۔ (اور اگر یتیم کو قتل کرے یا اس کے ہاتھ کاٹے یا پیٹ پھاڑے تو اس پر جہنم واجب نہیں ہے) مصنف رحمہ اللہ نے کہا کہ خارجیوں کے قصص طویل ہیں اور ان کے عجیب عجیب مذاہب ہیں۔ میں نے ان کے ذکر کو طویل دینا فضول سمجھا۔

مقصود تو فقط اسی قدر ہے کہ ابلیس نے کس طرح اپنے حیلے و تدابیر سے ان احمقوں پر ڈالے جس کے باعث اتنی لڑائیاں لڑے۔ اور یہ اعتقاد رکھا کہ علی بن ابی طالب غلطی پر ہیں اور یہ احمق خوارج راہ صواب پر ہیں۔ انہوں نے بچوں کا خون بہانا تو حلال سمجھا اور ایک پھل بغیر داموں کے کھانا حلال نہیں جانا۔ اور راتوں کو عبادت میں اور بیداری میں تعب و تکلیف اٹھائی اور ابن جهم مردود کو اس کی زبان کاٹنے جانے کے وقت اس لئے گھبراہٹ ہوئی کہ ذکر کرنا جاتا رہے گا۔ اور اس نے حضرت علیؑ کا قتل کرنا حلال سمجھا تھا۔ پھر انہوں نے مسلمانوں پر تلوار کھینچی۔ اگر ان خوارج نے اپنے علماء و اعتقاد پر غرہ کیا کہ وہ حضرت علیؑ سے بڑھے ہیں تو کیا عجب ہے ان سے بڑھ کر ان کا پیشوا ذوالخویرہ تھا۔ جس نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ تم نے عدل نہیں کیا ہے انصاف کرو۔ ابلیس کو کہاں یہ بے ادبیاں سوچتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ بدبختی سے ہم کو پناہ دے۔

ابوسعید خدریؓ نے آنحضرت ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ تم میں ایک قوم ایسی نکلی گی کہ ان کی نماز کے مقابلہ میں تم اپنی نماز حقیر سمجھو گے اور ان کے روزہ کے مقابلہ میں اپنا روزہ حقیر سمجھو گے اور ان کے اعمال کے مقابلہ میں اپنے اعمال حقیر سمجھو گے۔ وہ لوگ قرآن پڑھیں گے تو ان کے حلق سے نہیں اترے گا۔ اور وہ دین سے ایسے نکل جاویں گے جیسے نشانہ سے تیر نکل جاتا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں حدیث موجود ہے۔ عبد اللہ بن ابی اوفیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ خوارج جہنمیوں کے کہتے ہیں۔

فصل۔ مصنف نے کہا کہ خوارج کی رائے (عقیدہ) یہ بھی ہے کہ امام ہونا

ایک شخص میں مخصوص نہیں ہو سکتا۔ مگر جب کہ اس میں علم و زہد جمع ہو تب وہ اہل امام ہو گا اگرچہ وہ عجم کے کسانوں میں سے ہو۔ انہیں خوارج کی رائے سے معتزلہ نے یہ قول نکالا کہ خوبی و برائی کا حکم لگانا عقل کے اختیار میں ہے۔ اور عدل وہ ہے جس کو عقل مقتضی ہو۔ پھر قدر یہ فرقہ نکلا اس وقت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہما موجود تھے۔ معبد الجہنی و غیلان دمشقی و جعد بن درہم نے قدر یہ کا قول کہا (یعنی بندہ سب امور کا خود مختار ہے جیسا کہ ہے ویسا ہو جاوے) معبد الجہنی کی بناوٹ پر واصل بن عطاء نے تانا تبا اور عمرو بن عبید بھی ان میں مل گیا۔ اسی زمانہ میں مرجیہ فرقہ نکلا جن کا یہ قول ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا۔ جیسے کفر کی حالت میں کوئی بندگی مفید نہیں ہوتی۔ پھر مامون عباسی کے زمانہ میں معتزلہ میں سے ابوالہذیل علاف و نظام و معمر اور جاحظ وغیرہ نے فلاسفہ کی کتابیں مطالعہ کر کے اس میں سے مانند لفظ جوہر و عرض و زمان و مکان و کون و غیرہ نکال کر ان کو شرعی مسائل میں ملایا۔ پہلا مسئلہ جو ظاہر کیا گیا وہ قرآن مخلوق ہونے کا مسئلہ ہے۔ اور اسی وقت سے اس فن کا نام علم کلام رکھا گیا۔ ان مسائل کے ساتھ ساتھ مسائل صفات بھی نکالے گئے، جیسے علم و قدرت و حیات و سننا اور دیکھنا۔ چنانچہ ایک گروہ نے کہا کہ یہ سب ذات کے اوپر زائد معانی ہیں۔ معتزلہ نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ وہ اپنی ذات سے عالم ہے اور اپنی ذات سے قادر ہے۔ ابوالحسن الاشعری پہلے جبائی معتزلی کے مذہب پر تھے۔ پھر اس سے جدا ہو کر ان لوگوں میں آ گئے جو صفات ثابت کرتے ہیں۔ پھر بعض صفات ثابت کرنے والوں نے شے ہو نیکا اعتقاد نکالنا شروع کیا۔ اور انتقال و نزول کے مسئلہ میں مرکز فرض کر کے اس سے زائل ہونے کا اعتقاد نکالا۔

باب ہفتم

متفرقات

ابوحنیفہ احمد بن داؤد دینوری التوفی 286ھ عراق عجم کے شہر دینور میں تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے اور مختلف علوم و فنون مثلاً علم حساب، علم ہندسہ اور علم نباتات اور علم فلکیات پر بڑی جامع مانع اور علم آموز تالیفات پر قلم فرمائیں۔ کتاب الہیات، ان کی معرکہ الآراء تصنیف ہے جس میں انہوں نے علم نباتات پر بڑی عالمانہ بحثیں کی ہیں۔ کتاب الانواء بارش اور ٹانہزوں کے بارے میں ہے۔ ابوحنیفہ دینوری نے قرآن مجید کی شرح تیرہ جلدوں میں لکھی۔ علم الفرائض پر کاب فی حساب الدور اور کتاب ابو صایا مرتب فرمائیں۔ علم بلاغت کے بارے میں کتاب المفصاحۃ اور کتاب الجمع والتفریق لکھیں۔ کتاب الشعر والشعراء میں شاعروں کے حالات بیان فرمائے۔ جواہر العمل ان کے حکیمانہ اقوال کا مجموعہ ہے۔ علم حساب پر انکی تین تالیفات مشہور ہیں کتاب الجہت فی حساب الہند، کتاب الجبر والمقابلہ اور کتاب نوہ اور الجبر اتاہم علم نباتات اور علم لغت میں ان مسلم الثبوت امام مانا جاتا ہے۔ علم فلکیات میں کتاب القبلۃ الزوال اور کتاب الکسوف فاضل مولف کی علمی یادگاریں ہیں۔

علم تاریخ کے موضوع پر ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے الاخبار الطوال مرتب فرمائی تھی۔ جو تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے اور یہی تالیف موضوع سخن ہے۔ عام عرب مورخین کی طرح ابوحنیفہ دینوری نے آدم کے زمانے سے لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادت تک سلسلہ کلام بڑھایا ہے گرچہ سیرت نبوی کا بیان بڑا مجمل ہے۔ انہوں نے خلاف راشدہ کے دور حکومت پر بڑی مفصل بحث کی ہے۔ علامہ موصوف ہمیں

وضاحت سے بتاتے ہیں کہ ایران کس طرح فتح ہوا؟ اور خالد بن ولید نے کیا کارنامے سر انجام دیئے قادیسیہ اور نہاوند کے معرکے کی روداد خاصی طویل اور دلچسپ ہے۔ ایرانی سلطنت کے زوال اور عربوں کے عروج کا تذکرہ کرنے کے بعد فاضل مولف، مسلمانوں کی خانہ جنگی کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں امیر معاویہ اور حضرت علی کی باہمی کشمکش پر بھرپور انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے اور خوارج پر بڑا جامع مقالہ قلم بند کیا گیا ہے۔ اموی دور سے ابوحنیفہ کو صرف اتنی دلچسپی ہے کہ اس دور کی مذہبی اور سیاسی تحریکوں کو نمایاں کر دیا جائے۔ شہادت حسینؑ کے واقعات زیادہ تفصیل سے پر قلم کیے گئے ہیں۔ خوارج کی بغاوت اور مدعی نبوت، انتشار کے حالات پر خاصی توجہ دی گئی ہے۔ بعد ازاں بنو امیہ کی تاریخ مختصر اور جامع انداز میں بیان کی گئی ہے اور ان کے زوال کے اسباب کی طرف مبلغ انداز میں اشارے کیے گئے ہیں۔ عباسی تحریک کے عروج، بغداد کی تاسیس اور امین و مامون کی باہمی خانہ جنگی پر مفصل بحث کی گئی ہے حتیٰ کہ معتمد باللہ کی وفات پر یہ طویل تاریخی داستان ختم ہو جاتی ہے۔

الحديث

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہ بیت کی محبت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ”میرے اہل بیت کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی ہے۔ جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ڈوب گیا“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ قرابت داروں خاندان، ہاشم خصوصاً اہل بیت کرام کی محبت، ان کا ادب و احترام عین ایمان بلکہ جان ایمان ہے۔ جس کے دل میں اہل بیت کے لیے محبت نہیں وہ یوں سمجھے کہ اس کی شمع ایمان

بھی ہوئی ہے اور وہ منافقت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ جتنی کس کی قربت حضور ﷺ سے زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کی محبت و احترام زیادہ مطلوب ہوگا۔ ایک نہیں کئی ایسی صحیح احادیث موجود ہیں جن میں اہل بیت پاک سے محبت کرنے اور ان کا ادب ملحوظ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بے شک اہل بیت پاک کی محبت ہمارا ایمان ہے لیکن یہ حضور ﷺ کی رسالت کا اجر نہیں بلکہ یہ شجر ایمان کا ثمر ہے۔ یہ اس گل کی مہک اور خوشبو ہے۔ جہاں ایمان ہوگا، ہواں حب آل مصطفیٰ ضرور ہوگی۔ بھگد تعالیٰ پہ شرف اہل سنت کو ہی حاصل ہے کہ وہ اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہیں اور ان کی نگاہیں سچا بہ کرام کی جگہ گاتی ہوئی روشنی پر مرکوز ہیں۔ وہ زندگی کے سمندر کو آزمائشوں اور تکالیف کی کالی رات کو عبور کر رہے ہیں۔ جو اس کشتی میں سوار نہ ہو وہ غرق ہو گیا اور جس نے ان روشن ستاروں سے ہدایت حاصل نہ کی وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔

خلافتِ اسلامیہ پر ایک حادثہ عظیمہ

حضرت ذی النورین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے فتنوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اس میں منافقین کی سازشیں، بھولے بھالے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے واقعات پیش آتے ہیں، مسلمانوں کے آپس میں تلوار چلتی ہے، مسلمان بھی وہ جو خیر الخلاق بعد الانبیاء کہلانے کے مستحق ہیں۔

خلافت کا سلسلہ جب امیر معاویہؓ پر پہنچتا ہے تو حکومت میں خلافتِ راشدہ کا وہ مثالی رنگ نہیں رہتا جو خلفائے راشدین کی حکومتوں کو حاصل تھا معاویہؓ کو مشورہ دیا جاتا ہے، کہ زمانہ سخت فتنہ کا ہے، آپ اپنے بعد کے لیے کوئی ایسا انتظام کریں کہ

مسلمانوں میں پھر تلوار نہ اٹکے اور خلافتِ اسلامیہ پارہ پارہ ہونے سے بچ جائے، باقتضا حالات یہاں تک کوئی نامعقول یا غیر شرعی بات بھی نہ تھی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے بیٹے یزید کا نام مابعد کی خلافت کیلئے پیش کیا جاتا ہے، کوفہ سے چالیس مسلمان..... آتے ہیں یا بھیجے جاتے جس کے معاویہؓ سے اس کی درخواست کریں کہ آپ کے بعد آپ کے بیٹے یزید سے زیادہ کوئی قابل اور مکی سیاست کا ماہر نظر نہیں آتا، اس کے لیے بیعتِ خلافت لی جائے، حضرت معاویہؓ کو شروع میں کچھ تامل بھی ہوتا ہے، اپنے مخصوصین سے مشورہ کرتے ہیں۔ ان میں اختلاف ہوتا ہے، کوئی موافقت میں رائے دیتا ہے کوئی مخالفت میں یزید کا فسق و فجور بھی اس وقت تک کھلا نہیں تھا، بالآخر بیعتِ یزید کا قصد کر لیا جاتا ہے۔

اسلام پر بیعتِ یزید کا حادثہ

شام و عراق میں معلوم نہیں کس کس طرح..... لوگوں نے یزید کے لیے بیعت کا چرچا کیا، اور یہ شہرت دی گئی کہ شام و عراق کوفہ و بصرہ یزید کی بیعت پر متفق ہو گئے۔ اب حجاز کی طرف رخ کیا گیا حضرت معاویہؓ کی طرف سے امیر مکہ و مدینہ کو اس کام کے لیے مامور کیا گیا، مدینہ کا عامل مروان تھا، اس نے خطبہ دیا، اور لوگوں سے کہا کہ امیر المؤمنین معاویہؓ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت کے مطابق یہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد کے لیے یزید کی خلافت پر بیعت کی جائے، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ... ہوئے، اور کہا کہ یہ غلط ہے، یہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ و قیصر کی سنت ہے، ابو بکرؓ و عمرؓ نے خلافت اپنی اولاد میں منتقل نہیں کی، اور نہ اپنے کنبہ و رشتہ میں۔

تجاز کے عام مسلمانوں کی نظر میں اہل بیت اطہار پر لگی ہوئی نہیں خصوصاً حضرت حسین بن علیؑ پر جن کو وہ بجا طور پر حضرت معاویہؓ کے بعد مستحق خلافت سمجھتے تھے، وہ اس میں حضرت حسینؑ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ عبداللہ بن زبیرؓ عبداللہ بن عباسؓ کی رائے کے منظر تھے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

ان حضرات کے سامنے ازل تو کتاب وسنت کا یہ اصول تھا کہ خلافت اسلامیہ خلافت نبوت ہے اس میں وراثت کا کچھ کام نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو، بلکہ ضروری ہے کہ آزادانہ انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کیا جائے۔

دوسرے لنگہ میں یزید کے ذاتی حالات بھی اس کی اجازت نہ دیتے تھے، کہ اس کو تمام ممالک اسلامیہ کا خلیفہ مان لیا جائے، ان حضرات نے اس تجویز کی مخالفت کی اور ان میں سے اکثر آخر دم تک مخالفت پر ہی رہے، اسی حق گوئی اور حمایت حق کے نتیجہ میں مکہ مدینہ میں دارورسن اور کوفہ و کربلا میں قتل عام کے واقعات پیش آئے۔

حضرت معاویہؓ مدینہ میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود ایشہؓ میں تجاز کا سفر کیا مدینہ طیبہ تشریف لائے، ان سب حضرات سے نرم و گرم گفتگو ہوئی، سب نے کھلے طور پر مخالفت کی،

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ

امیر معاویہؓ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شکایت اور انکی نصیحت کے پاس تشریف لے گئے، اور ان سے یہ شکایت کی کہ یہ حضرات میری مخالفت کرتے

ہیں، اُمّ المؤمنینؓ نے ان کو نصیحت کی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ان پر جبر کرتے ہیں اور قتل کی دھمکی دیتے ہیں آپ کو ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے، حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، وہ حضرات

حضرت حسینؑ کے بعض حالات و فضائل

آپ ہجرت کے چوتھے سال ۵ شعبان کو مدینہ طیبہ میں رونق افروز عالم ہوئے اور ۱۰ محرم ۱۱ھ میں ہمر ۵۵ سال شہید ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی، یعنی کھجور چبا کر اس کا رس ان کے منہ میں ڈالا، اور کان میں اذان دی، اور ان کے لیے دعا فرمائی، اور حسین نام رکھا، ساتویں روز عقیقہ کیا، آپ بچپن ہی سے شجاع و دلیر تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے بارہ میں فرمایا:-

حسین منی وانا من حسین اللهم احب حسينا الخرجه الحاکم فی المستدرک (اسعان)

حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے یا اللہ جو حسین کو محبوب رکھے تو اسے محبوب محبوب رکھ۔

ابن حبان، ابن سعد، ابویعلیٰ، اس عساکر ائمہ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، کہ آپ نے فرمایا:-

من سرہ ان ینظر الی رجل من اهل الجنة وفي الفظ سید شباب اهل

الجنة فليمنظروا الى حسين بن علي -

جو چاہے کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے یا یہ فرمایا کہ نو جوان اہل جنت کے سردار کو دیکھے وہ حسین بن علیؑ کو دیکھ لے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دو تین مہینہ تک فضا کی یہ کیفیت رہی کہ جب آفتاب طلوع ہوتا اور دھوپ درو دیوار پر پڑتی تو اتنی سرخ ہوتی تھی جیسے دیواروں کو خون لپیٹ دیا گیا ہو۔

شہادت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا

نبیؐ نے دلائل میں ہند روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ دو پہر کا وقت ہے اور آپ پر اندھال پریشان حال ہیں، آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا ہے فرمایا! حسینؑ کا خون ہے، میں اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا، حضرت عباسؓ نے اسی وقت لوگوں کو خبر دے دی تھی کہ حسینؑ شہید ہو گئے، اس خواب سے چند روز کے بعد حضرت حسینؑ کی شہادت کی اطلاع پہنچی، اور حساب کیا گیا تو ٹھیک وہی دن اور وہی وقت آپ کی شہادت کا تھا،

اور ترمذی نے مسلمی سے روایت کیا ہے، کہ وہ ایک روز ام سلمہؓ کے پاس گئیں، تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں، میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس طرح دیکھا، کہ آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے،

میں نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے، فرمایا کہ میں ابھی حسینؑ کے قتل پر موجود تھا، (تاریخ اختلفا للسیوطی رحمہ اللہ)

ابو نعیم نے دلائل میں حضرت ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسینؑ کے قتل پر میں نے جنات کو روتے دیکھا ہے، مجھ سے سلب کی، اور نہ مصیبت کو مجھ پر قائم رہنے دیا، یا اللہ کریم سے تو کرم ہی ہوا کرتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت علیؑ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے اور ان کے ساتھ ہر جہاد میں شریک رہے اور ان کی صحبت میں رہے، یہاں تک کہ وہ شہید کر دیے گئے، اس کے بعد اپنے بھائی حضرت حسنؑ کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ وہ امارت چھوڑ کر مدینہ چلے آئے، تو آپ بھی ان کے ساتھ مدینہ میں آ گئے، اور جب تک بیعت یزید کا فتنہ شروع نہیں ہوا مدینہ ہی میں مقیم رہے، حضرت حسینؑ کے ساتھ کربلا میں آپ کے اہل بیت کے تینائیں حضرات شہید ہوئے (سعاف الغمین)

قاتلان حسینؑ کا عبرتناک انجام

چند یں اماں نہاد کہ شب را سحر کند

جس وقت حضرت حسینؑ پیاس سے مجبور ہو کر دریائے فرات پر پہنچے اور پانی پینا چاہتے تھے، کہ کم بخت حصینؑ بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے دہن مبارک پر لگا، اس وقت آپ کی زبان سے بے ساختہ بد دعا نکلی کہ:-
بعض اہل تاریخ نے دوسرا نام ذکر کیا ہے ۱۲ اش

”یا اللہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے۔

میں اس کا شکوہ آپ ہی کے کرتا ہوں، یا اللہ ان کو پُچھ چن کر قتل کر ان کے کھڑے کھڑے فرما دے، ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔“

اول تو ایسے مظلوم کی بددعا پھر سبط رسول اللہ ﷺ اس کی قبولیت میں شبہ کیا تھا، دعا قبول ہوئی، اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ایک ایک کر کے بُری طرح مارے گئے۔

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتلِ حسین میں شریک تھے ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو، کوئی قتل کیا گیا، کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا، یا چند ہی روز میں ملک سلطنت چھن گئے، اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے اہل کی اصلی سزا نہیں، بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے، جو لوگوں کی عبرت کے لیے دنیا میں دکھا دیا گیا ہے۔

قاتلِ حسینؑ اندھا ہو گیا

سبط ابن جوزی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت حسینؑ کے قتل میں شریک تھا، وہ دفعتاً نابینا ہو گیا، تو لوگوں نے سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں، ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے، اور اس پر قاتلانِ حسینؑ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں، اس کے بعد آپ نے مجھے ڈانٹا اور خونِ حسینؑ کی ایک سلاخی میری آنکھوں میں لگا دی، میں صبح اٹھا تو اندھا تھا، (اسعاف)

منہ کالا ہو گیا

نیز ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسینؑ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اس کے بعد اُسے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا ہارکوں ہو گیا، لوگوں نے پوچھا کہ تم سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے تمہیں کیا ہوا، اس نے کہا جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا، جب ذرا سوتا ہوں دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں، اور مجھے ایک دھکی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اس میں ڈال دیتے ہیں جو مجھے جھلس دیتی ہے، اور اسی حالت میں چند روز کے بعد مر گیا۔

آگ میں جل گیا

نیز ابن جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی، مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسینؑ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزا ملے گی، اس شخص نے کہا کہ بالکل غلط ہے میں خود ان کے قتل میں شریک تھا، میرا کچھ بھی نہیں بچا، یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا، سدی کہتے ہیں کہ میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کونکہ ہو چکا تھا۔

تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا

جس شخص نے حضرت حسینؑ کے تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا، اس پر اللہ

تعالیٰ نے ایسی پیاس مسلط کر دی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی، پانی کتنا ہی پی جائے پیاس سے تڑپتا رہتا تھا، یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

ہلاکت یزید

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوا، تمام اسلامی ممالک میں خون شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں، اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت میں تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی دنیا میں بھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کی عبرتناک ہلاکت

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ پر طرح طرح کی آفات ارضی و سماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی، واقعہ شہادت سے پانچ ہی سال بعد ۶۶ھ میں مختار نے قاتلان حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا، تو عام مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے عرصہ میں اس کو یہ قوت حاصل ہو گئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلط ہو گیا اس نے اعلان عام کر دیا کہ قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے، اور قاتلان حسین رضی اللہ عنہ کی تفتیش و تلاش پر پوری قوت خرچ کی اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا، ایک روز میں دو سواڑا تالیس آدمی اس جرم میں قتل کیے گئے کہ وہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھے، اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاش اور گرفتاری شروع ہوئی۔

عمر و بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا، پیاس کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر

پڑا، ذبح کر دیا گیا۔

شمر ذی الجوشن جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں سب سے زیادہ شقی اور سخت تھا اس کو قتل کر کے لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

عبداللہ بن اسید جہنی، مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کا محاصرہ کر لیا گیا انہوں نے رحم کی درخواست کی، مختار نے کہا، ظالمو! تم نے سبط رسول اللہ پر رحم نہ کھایا تم پر کیسے رحم کیا جائے، سب کو قتل کیا گیا اور مالک بن بشیر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اٹھائی تھی، اس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا، تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

عثمان بن خالد اور بشر بن شمیٹ نے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے قتل میں اعانت کی تھی، ان کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمر و بن سعد جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ پر لشکر کی کمان کر رہا تھا۔ اس کو قتل کر کے اس کا سر مختار کے سامنے لایا گیا اور مختار نے اس کے لڑکے حفظ کو پہلے سے اپنے دربار میں بٹھا رکھا تھا، جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص رضی اللہ عنہ سے کہا تو جانتا ہے۔ یہ سر کس کا ہے۔ اس نے کہا ہاں اور اس کے بعد مجھے بھی اپنی زندگی پسند نہیں، اس کو بھی قتل کر دیا گیا، اور مختار نے کہا عمرو بن سعد کا قتل تو حسین رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ہے اور حفص کا قتل علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں، اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی برابری نہیں ہوئی، اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلہ میں قتل کر دوں، تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔

حکیم بن طفیل جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا تھا، اس کا بدن تیروں

سے چھنی کر دیا گیا، اسی میں ہلاک ہوا۔

زید بن رفاد نے حضرت حسین ؓ کے بھتیجے مسلم بن عقیل ؓ کے صاحبزادے عبداللہ ؓ کے تیر مارا اس نے ہاتھ سے اپنی پیشانی چھپائی، تیر پیشانی پر لگا، اور ہاتھ پیشانی کے ساتھ بندھ گیا، اس کو گرفتار کر کے اول اس پر تیر اور پتھر برسائے گئے، پھر زندہ جلا دیا گیا۔

سنان بن انس جس نے سر مبارک کاٹنے کا اقدام کیا تھا کوفہ سے بھاگ گیا، اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔

قاسم بن حسین ؓ کا یہ عبرتناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے۔

كذلك العذاب ولعذاب الآخرة اكبر لو كانوا يعلمون

عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے، کاش وہ سمجھ لیتے

مرقع عبرت

عبدالملک بن عمیر لیش کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصر امارت میں حضرت حسین ؓ کا سر عبداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا، پھر اسی قصر میں عبداللہ بن زیاد کا سر کٹا ہوا مختار کے سامنے دیکھا، پھر اسی قصر میں مختار کا سر کٹا ہوا مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا، پھر اسی جگہ مصعب بن زبیر کا سر عبدالملک کے سامنے دیکھا، میں نے یہ واقعہ عبدالملک سے ذکر کیا، تو اس قصر کو منہدم سمجھ کر یہاں سے منتقل ہو گیا (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابو ہریرہ ؓ کو شاید اس فتنہ کا علم ہو گیا تھا، وہ آخر عمر میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں، ساٹھویں سال اور نو عمروں کی امارت سے ہجرت کر کے ساٹھویں سال ہی یزید جیسے نوعمر کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا، (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ)

نتائج و عبر

واقعہ شہادت کی تفصیل آپ نے سنی، اس میں ظلم و جور کے طوفان دیکھے، ظلموں اور ناخدا ترس لوگوں کا بڑھتا ہوا اقتدار نظر آیا، دیکھنے والوں نے یہ محسوس کیا کہ ظلم و جور اور فسق و فجور ہی کامیاب ہے، مگر آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ یہ سب ظلم تھا جو آنکھ جھپکنے میں ختم ہو گیا، اور دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھا لیا، کہ ظلم و جور کو فلاح نہیں، ظلم، مظلوم سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

پنداشت سنگر کہ ستم برما کردا
برگردن دے بہاند و برما بگذشت

اور یہ کہ جن مظلوموں کو فنا کرنا چاہا تھا وہ درحقیقت آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے، گھر گھر میں ان کا ذکر خیر ہے، اور صدیاں گزر گئیں، کرڑوں انسان ان کے نام پر مرتے ہیں، اور ان کے نقش قدم کی پیروی کو پیغام حیات سمجھتے ہیں، آیت اِنَّا لَنَاقِبُهُ لِّلْمُتَّقِيْنَ، ایک محسوس حقیقت ہو کر سامنے آگئی، کہ حق و باطل کے معرکہ میں آخری فتح اور کامیابی حق کی ہوا کرتی ہے۔
اس میں عام لوگوں کے لیے اور بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو حکومت و

اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر ظلم و عدل سے قطع نظر کر لیں بڑی نشانیاں ہیں۔

فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ

معرکہ حق و باطل میں کسی وقت حق کی آواز دب جائے اہل حق شکست کھا جائیں، تو یہ بات نہ حق کے حق ہونے کے خلاف ہے، نہ باطل کے باطل ہونے کے منافی، دیکھنا انجام کار کا ہے کہ آخر میں حق پھر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے۔

ماتم

اسلامی احکام میں ماتم کے عدم جواز کا حکم معروف و مشہور ہے۔ اسلام نے ماتم سے ہمیشہ منع فرمایا ہے اور کتاب و سنت میں صبر کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب جتنے ماتم کے مظاہرے ہیں یہ سب صبر کے خلاف چیزیں ہیں۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ نے اپنے فرمودات میں تمام انواع ماتم قائم کرنے سے روکا ہے۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امت کو فرمان ہے کہ جس شخص نے منہ پر طمانچے لگائے اپنے گریبان کو پھاڑا اور جاہلیت کے دور کی طرح داویلا کیا، فلیس منّا، یعنی یہ شخص ہماری جماعت میں سے نہیں اور وہ اس امت میں سے نہیں ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بطور وصی ارشاد فرمایا:

”اذا اقامت فلا تخمشي علي وجها ولا ترخي علي شعرا ولا تنادي

بابريل ولا تقيمي علي نائحة“

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد صبر کی تلقین کے متعلق شیعہ سنی دونوں مذاہب کی کتب میں بڑی وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔ ان فرامین مرتضوی رضی اللہ عنہ میں سے ایک فرمان یہاں درج کیا جاتا ہے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

”..... واعلموا ان منزلة الصبر من الايمان كمنزلة الرأس من الجسد

ناذا ذهب الرأس ذهب الجسد واذا ذهب الصبر ذهب الايمان“

یعنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ لوگو! یقین کرو کہ صبر کا ایمان میں وہی مرتبہ ہے جیسے سر کا مرتبہ جسم میں ہے۔ جب سر چلا جاتا ہے تو جسم ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جب صبر چلا جاتا ہے تو ایمان بھی چلا جاتا ہے۔

یہ صبر کے متعلق بڑی اہم تلقین ہے صبر کے چلے جانے سے گویا کہ ایمان ضائع ہو جاتا ہے مختصر یہ ہے کہ جتنی ماتم کی رسومات ہیں یہ سب صبر کے برخلاف ہیں ان کے قائم کرنے سے صبر جاتا ہے اور صبر کے جانے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ ماتم کرنے والے کو ظاہر مسلمان کہلائیں مگر انہیں مومن نہیں کہا جاسکتا ایمان کا مقام بہت اونچا ہے جو کبھی بے صبری کرنے والے کو نہیں ملتا۔

اس کے بعد سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا فرمان جو آپ نے اپنی گرامی قدر خواہر حضرت زینب کو کربلا میں دیا تھا وہ پیش کیا جاتا ہے اس میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی ہمشیرہ گرامی کو وصایا کے درجہ میں فرمایا:

”اے گرامی قدر خواہر! میں تجھے قسم دے کہ کہتا ہوں کہ جب میں ظالموں کی

تج سے عالم بقا کی طرف رحلت کر جاؤں تو میرے سوگ میں گریبان چاک نہ کرنا۔
اپنے چہرہ کو زخمی نہ کرنا اور بے صبری میں واہیا نہ کرنا وغیرہ وغیرہ۔“

..... فقال الهيا اختاه تعزى بعزاء الله فان لى ولكل مسلم اسوة
برسول الله ثم قال الى اقم عليك فابرى قسمى لالتقى على جيباً ولا
تخمشى على وجهها ولا تدعى على بالرهل والثبور.....

پھر ماتم اجتماعی شکل میں کرنا اور اختیاری طور پر کرنا ان آہوں اور آنسوؤں
سے بالکل جدا ہے جو عین صدمے کے موقع پر اضطراری درجہ میں کسی فرد سے ظاہر
ہوں اور صدمہ کے بعد تین دن کے اندر اندر ہوں۔

یہاں واضح رہے کہ ماتم اور جو عزاداری شہداء کربلا میں صدیوں سے ہو
رہا ہے یہ ہمہ انواع ممنوع ہے اور بعض لوگ جو منع ماتم کی روایات کے ساتھ ایک
استثناء (الاعزاء الحسین رضی اللہ عنہ) کا اضافہ کر کے جواز پیدا کرتے ہیں وہ ہرگز درست نہیں
کیونکہ یہ استثناء خود سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے آخری فرامین کے متعارض اور برخلاف ہے
فلہذا یہ تاویل صحیح نہیں بلکہ فاسد ہے۔

عمر مبارک حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ

تاریخ پیدائش

(قمری) ماہ شعبان 4 ہجری

(عیسوی) ماہ جنوری 626ء

تاریخ وصال

(قمری) ماہ محرم 10، 61 ہجری

(عیسوی) ماہ اکتوبر 680ء

دن: جمعۃ المبارک

عمر شریف: 55 سال 5 ماہ

والد گرامی: علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

ماں جی: فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا

حوالہ: اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد اول (ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

سانحہ شہادت سید الشہد اکاما حاصل

یہ واقعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات مبارکہ کے صرف پچاس سال بعد ہی ظہور پذیر ہو گیا تھا۔ مگر حضرت امام حسین ؑ نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی نماز ترک نہ کی اور جہدہ میں جان عزیز جان آفرین کو پیش کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ کسی جابر ظالم، فاسق فاجر، متکبر، قرآن و سنت کے احکامات سے باغی کے سامنے کبھی سر اطاعت جھکانا سخت نادانی اور آخرت میں خرابی و بربادی سمجھی۔

زبان و بیان کے اعتبار سے

ایک لا جواب رُباغی

شاہست حسین ؑ و بادہشت حسین ؑ

دہست حسین ؑ و دین پناہست حسین ؑ

سرداد، نداد دست در دست یزید

کھٹا کہ بنائے لا اہست حسین ؑ

(حضرت غریب نواز خواجہ اکبر سید معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ)

اے خاک کربلا

اے خاک کربلا تو اس احسان کو نہ بھول
تڑپ ہے تجھ پہ لاش جگر گوشہ بتول
اسلام کے لہو سے تری پیاس بجھ گئی
سیراب کر گیا تجھے خونِ رگ رسول
کرتی رہے گی پیش شہادت حسین کی
آزادی حیات کا یہ سردی اصول
چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کی قبول
ہے داستان دراز بھی اور دل گداز بھی
لیکن کہاں سے کن کے دیا جائے یہ اصول

(ظفر علی خاں رحمۃ اللہ علیہ)

یزید کے لغوی معنی

ی۔ زید (ع۔ ا۔ مذکر)

(۱) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے کا نام جس کے عہد میں سانحہ کرب و بلا ہوا

(۲) سنگ دل

(۳) دولت میں بڑھنے والا (پورش پانے والا)

فیروز اللغات اردو جامع نیا ایڈیشن

فیروز سنز لمیٹڈ لاہور

اسلام پر فتنہء بیعتِ یزید کے

ہولناک اثرات

امام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خلافت نبوت کے بجائے
ملوکیت و آمریت کی بدعت کے خلاف جہاد اور شہادت خلافت
اسلامیہ کا ایک ناقابل فراموش عظیم حادثہ ہے جو قیامت تک
بھلایا نہ جاسکے گا۔ جس کی یاد ہر سال تازہ کی جاتی رہے
گی۔ (مؤلف)

یادگار سعیدی

اُس وقت بھی زمانے میں ہوگی مری کتاب
میرا یہ جسم خاک میں جس وقت مل گیا
میں نے جہاں میں نقش یہ چھوڑا ہے یادگار
یہ سوچ کر دہر کو حاصل نہیں بقا
شاید کہ کوئی صاحب دل اس کو دیکھ کر
اس بندہ عاجز کے حق میں کرے دعا

بندہ عاجز

میاں محمد سعید شاد لاہور

فون 7561894 گھر فیکس: 7578772

لاہور 23 نومبر 2007ء

مصنف کی دیگر کتب

خطبات شیربانی

رشتہ ازدواج
کا پہلا زینہ

لا اُفّ

والیان ملک
ابلیس کا مکر و فریب

حُب رسول ﷺ

مسلم خوابیدہ اٹھ
(ہنگو سارا ہوتو بھی)

خورشید گیلانی ٹرسٹ لاہور

0300-4265964